اردو میں

سائنسی و تکنیکی ادب

ڈاکٹر محمد شکیل خاں
شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

ڈاکٹر شکیل نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ سے کیمسٹری میں بی۔ ایس سی (آنرز) کی ڈگری حاصل کی۔ ستمبر ۱۹۸۰ء میں شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی میں بحیثیت لکچرر عارضی تقرر ہوا۔ ۱۹۸۴ء میں دہلی یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی۔ متعدد نیشنل/انٹرنیشنل کانفرنسوں، سیمیناروں میں مقالے پیش کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر شکیل کا تحقیقی مقالہ اُردو میں اپنی نوعیت کا پہلا مقالہ ہے۔ اس سے پہلے اس اہم موضوع پر کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا۔ اس مقالے میں انھوں نے اُردو میں لکھے ہوئے سائنسی ادب کے سرمایے کا جائزہ لیا ہے اور اس کی قدر و قیمت کو پرکھا ہے۔ اُردو میں گذشتہ کئی صدیوں سے سائنسی موضوعات پر لکھنے اور سوچنے کی روایت رہی ہے۔ اس روایت کا اثر اُردو ادب اور فکر و دانش پر بھی پڑا ہے۔ اس لیے اُردو زبان و ادب کی روح کو سمجھنے کے لیے یہ تحقیقی مطالعہ ناگزیر تھا۔ ڈاکٹر شکیل نے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا ہے۔ صرف یہی نہیں وہ اس کام کو مزید آگے بڑھا رہے ہیں اور اس سلسلے میں کئی تحقیقی پرچے انھوں نے لکھے ہیں۔

ٹیچنگ سٹینڈرس ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت کامن ویلتھ اکیڈمک اسٹاف فیلو کی حیثیت سے کیمبرج یونی ورسٹی، آکسفورڈ یونی ورسٹی، اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز اور برٹش میوزیم لائبریری لندن سے ان کی وابستگی سے اُردو زبان و ادب کو یقیناً فائدہ پہنچے گا۔

پروفیسر قمر رئیس

صدر شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

اُردو میں سائنسی و تکنیکی ادب
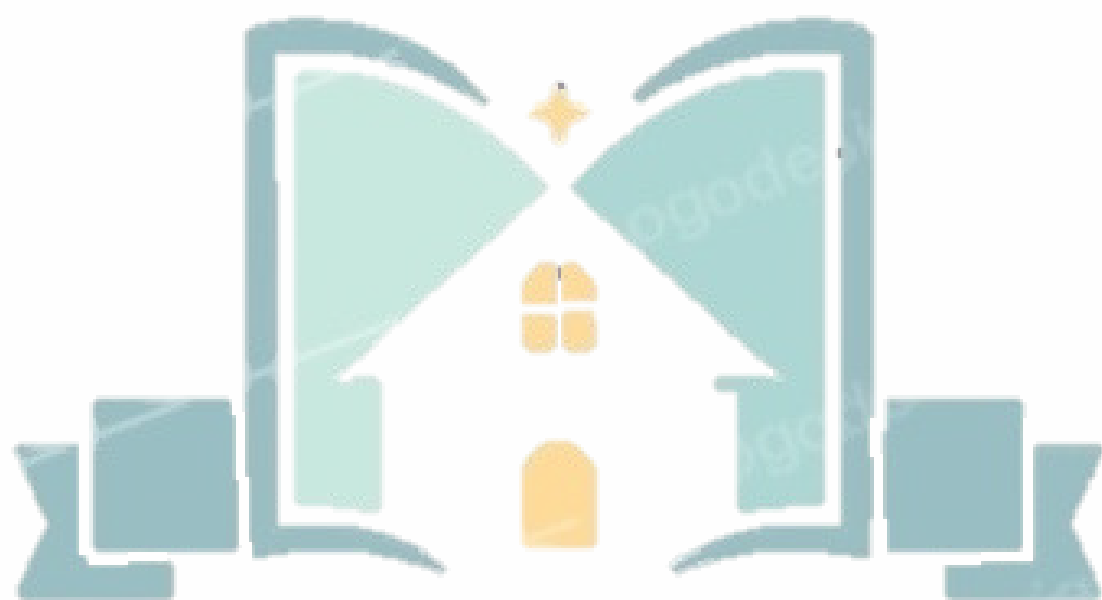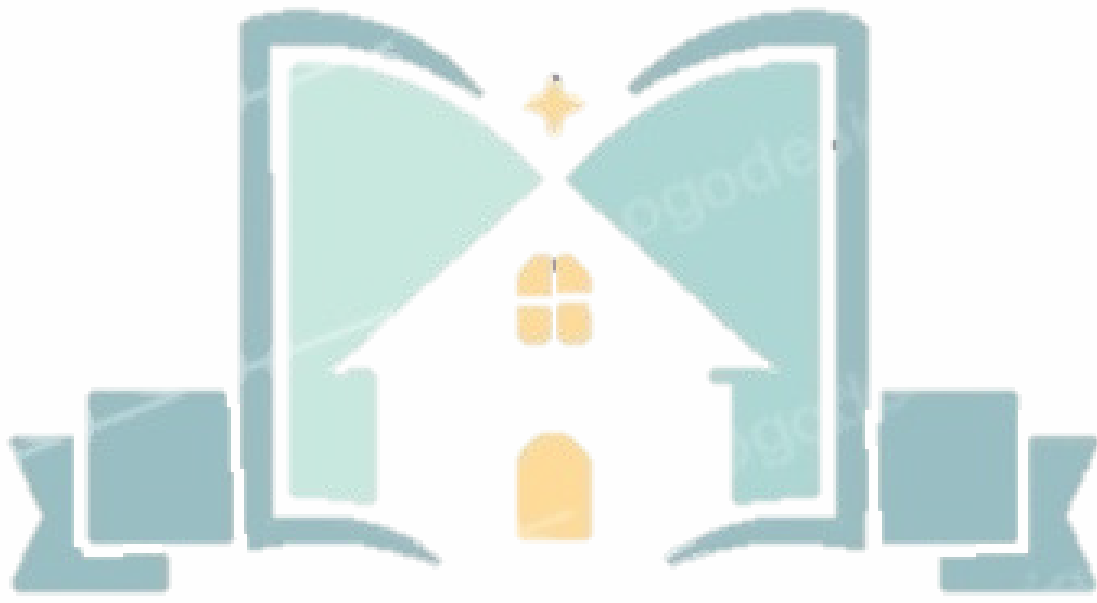
یہ کتاب اُردو اکادمی، دہلی کے مالی اشتراک سے شائع کی گئی۔

ڈاکٹر محمد شکیل خاں

شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

اُردو میں سائنسی و تکنیکی ادب — ڈاکٹر محمد شکیل خاں

URDU MEIN SCIENCI-O-TAKNIKI ADAB

by

DR. MOHD. SHAKEEL KHAN

سنہ اشاعت : ۱۹۸۰ء

تعداد : ۶۰۰

ناشر : مصنف

قیمت : اٹھاسی روپے

مطبع : بھارت آفسیٹ، دہلی

سرورق : محمد خلیق ٹونکی

تقسیم کار :

مرکز فروغ سائنس ۱۵-۳۷، گایر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی ۱۱۰۰۰۷

انجمن ترقی اُردو (ہند)، اُردو گھر، راؤز ایونیو، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۲۵۔ دہلی ۶۔ علی گڑھ ۱۔ بمبئی ۳

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۳۱۰۸ گلی عزیز الدین، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی ۱۱۰۰۰۶

والدِ مرحوم اور والدہ مرحومہ

کے حضور میں

جن کی دعائے نیم شبی کی برکت سے مجھے علم کی روشنی ملی

ترتیب

مقدمہ

پروفیسر مونس رضا

وائس چانسلر، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

معلومات کی کمی نے بہت سے لوگوں کے دِلوں میں یہ خیال بٹھا دیا ہے کہ اُردو صرف شعر و شاعری کی زبان رہی ہے۔ اِس غلط فہمی کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اچھے خاصے سنجیدہ حضرات اِس بات کو دُہراتے رہتے ہیں۔ جب محبانِ اُردو یہ بات کہتے ہیں تو اُن کے ذہن پر عجیب سی احساسِ کمتری کی پرچھائیاں کانپتی نظر آتی ہیں اور اُن کے دل میں اِس زبان کی بے مائگی کا شدید احساس موج زن ہوتا ہے۔

ملک کی تقسیم کے بعد اُردو بولنے والوں کا معاشرہ وقتی طور پر عجیب کش مکش سے گذرا اور احساسِ بے بسی کا شکار رہا۔ اِس ذہنی کیفیت نے اُردو کی طرف مندرجہ بالا ایسے احساسات کو بڑھاوا دیا۔ لوگ سوچتے ہیں کہ اگر آج اُردو میں اعلیٰ درجے کی سائنسی کتابیں موجود نہیں ہیں اور نہ تو اُردو سائنس کی زبان ہے اور ٹکنالوجی کی، تو گذشتہ زمانے میں بھی اِس زبان کا یہی حال رہا ہوگا۔ اِس طرح اِس زبان کے حال سے اس کے ماضی کے بارے میں قیاس کر لیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس بے جا قیاس کے منفی اثرات ذہنوں پر اپنے تباہ کن اثرات ڈالتے

رہتے ہیں اور اس زبان کی تاریخ کا ایک حصّہ غلط فہمی کی دھند میں چھپ جاتا ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ ڈاکٹر محمد شکیل نے اپنے مقالے کے لیے اُردو میں سائنسی ادب کا موضوع منتخب کیا اور اس سلسلے میں انھیں پروفیسر رئیس احمد، پروفیسر وحید الدین ملک اور پروفیسر وصی الرحمٰن جیسے اُردو داں ماہرینِ سائنس سے مدد ملتی رہی۔ اس طرح اُردو کی تاریخ کا ایک دور اور اس کے وقیع سرمایے کا ایک اہم حصّہ تلاش وجستجو کا مرکزی نقطہ بنا۔ انھوں نے تاریخی ترتیب کے ساتھ ان کوششوں کا سراغ لگایا جن کی بدولت ابتدائی دور میں ہی اُردو زبان سائنس کے نئے تصورات سے روشناس ہوئی اور ان موضوعات سے تعلق رکھنے والی کتابوں کے ترجمے اور تصنیف کا کام شروع ہوا۔

آج بہت سے لوگوں کو یہ بات شاید حیرت میں مبتلا کردے کہ ایک زمانے میں اُردو میں سائنسی علوم سے متعلق معلوماتی کتابیں باقاعدگی کے ساتھ لکھی جارہی تھیں۔ انگریزی اور فرانسیسی کتابوں کے ترجمے کیے جارہے تھے اور ذہن ان کتابوں سے نئی روشنی اور نیا شعور پارہے تھے۔ ریاست حیدرآباد کو ہم میں سے اکثر حضرات صرف اس لحاظ سے جانتے ہیں کہ وہاں اُردو زبان و ادب کی سرپرستی کی جاتی تھی، مگر اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہیں کے ایک امیر کبیر نے اُردو زبان میں سائنس سے متعلق کتابوں کے تالیف و تراجم کا قابلِ قدر سلسلہ بھی شروع کیا۔

اب ہم دہلی کالج کو صرف اس حد تک جانتے ہیں کہ ڈپٹی نذیر احمد نے تعلیم پائی تھی اور مرزا غالب وہاں ملازمت کے لیے بُلائے گئے تھے، مگر ہم میں سے بہت سے لوگوں کو دہلی کالج کی ورناکلر سوسائٹی کے کارناموں کا علم نہیں، جس نے اُردو میں سائنس کے موضوع پر بہت سی کتابیں مرتّب کرائیں تھیں اور اس طرح نئی علمی روایت کی بنیاد رکھی تھی، نیا ذہنی شعور پیدا

کیا تھا اور نئے احساس سے روشناس کرایا تھا۔ کالج کے پرنسپل ماسٹر رام چندر نے تفرقی احصا، کا ایک نیا طریقہ (A Specimen of New Method of the Differntial Calculus, called The Method of Constant Ratio) نکالا۔ ایک رسالہ مسائل کلیات وجزیات (A Treatise on the problems of Maxima and Minima) لکھا۔ جس کا مقدمہ پروفیسر آگسٹس ڈی۔ مارگن (Augustus D. Morgan) پروفیسر ریاضی، لندن یونی ورسٹی نے لکھا۔ اس کتاب کے بعض حصّے لندن اور دوسری یورپی یونی ورسٹیوں کے نصاب میں شامل کیے گئے۔

سرسیّد احمد خاں کو آج صرف علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے بانی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے جبکہ یونی ورسٹی کے قیام سے بہت پہلے ۱۸۶۳ء میں سرسیّد نے غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی (Scientific Society) قائم کی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں فوٹوگرافی کی شروعات اور سوڈا واٹر کی بوتل کے استعمال کے سلسلے میں اس سوسائٹی نے اہم رول ادا کیا۔

یہ صحیح ہے کہ شروع میں بیش تر کوششیں مغربی تصانیف کے تراجم تک ہی محدود رہیں، مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخی اور سیاسی حالات کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ مثال کے طور پر یورپ میں جب تار برقی کا استعمال شروع ہوا تو بعض تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو اس کا بھی علم تھا، مثلاً مرزا غالب نے سرسیّد کی کتاب آئینِ اکبری پر تقریظ لکھتے ہوئے، مغربی ایجادات کے ذیل میں اس کا ذکر کیا تھا: 'حرف چوں طائر بہ پرواز آورند'، لیکن ہندوستان میں تار برقی کا استعمال بہت بعد میں شروع ہوا۔ سامراجی حکومت کی وجہ سے ملک میں وہ صنعتی اور مشینی نظام ہی نہیں تھا، جس کے ساتھ سائنس اور ٹکنالوجی کو فروغ ملتا ہے اور نئی نئی ایجادات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ سرزمین پرانے روایت زدہ نظام کی زنجیروں میں بے طرح اسیر تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ دَور ختم ہوا اور آزاد ہندوستان صنعتی اور سائنسی ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہے۔

میرے لیے خوشی کی بات ہے کہ ڈاکٹر شکیل نے پامال اور فرسودہ موضوعاتِ تحقیق سے ہٹ کر اپنے لیے ایک نئی راہ نکالی ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل زبانوں کے تعلق سے پی ایچ۔ ڈی کے لیے جو موضوعات عام طور پر چُنے جا رہے ہیں، وہ یا تو بہت گِھسے پِٹے ہوتے ہیں یا پھر ایسے ہوتے ہیں جن کے نتائج سے 'علم و آگہی' میں بہت کم اضافہ ہوتا ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ ڈاکٹر شکیل کے اِس کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اِس سے اُردو زبان کے متعلق بعض غلط فہمیاں دور کرنے میں مناسب مدد ملے گی۔

مونس رضا

۲۴ مارچ ۱۹۸۸ء
وائس چانسلر ہاؤس
دہلی یونی ورسٹی، دہلی

پیش لفظ

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

پروفیسر ایمی ری ٹس، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

اُردو دُنیا کی شائستہ اور شیریں زبانوں میں سے ہے۔ وہ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر وسیع علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ اس کا ادب مشرقی ادبیات میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ اس کی غزلیات کا سرمایہ، اُس کے قصّے، اس کا مزاح، اس کی انشاء اور اس کی مفکرانہ شاعری باعثِ صد نازش ہے لیکن جس طرح ایک شہزادی کا بے مثال حُسن، جادو کے آئینے میں بدنما اور بھیانک نظر آتا تھا۔ اسی طرح غلط فہمیوں کے ظالم آئینے میں اُردو کی ہر خوب صورت بات بدنما معلوم ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات کہی گئی کہ اردو کوئی زبان ہی نہیں ہے۔ ہندی کی شیلی ہے" ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے" مولانا ابو الکلام آزاد کی تقریریں اور تصنیفیں ہندی میں ہیں! مغلِ اعظم ہندی کی فلم ہے! اردو سروس کے ریڈیو پروگرام زیادہ تر بیرونی ممالک کے لیے ہیں۔ ہندوستان میں ان کا سننا بھی آسان نہیں بعض مہربان یہ کہتے ہیں کہ اردو کا بیرا تراش رسم خط بدل کر ناگری کر دیجیے سارا لسانی مسئلہ منٹوں میں طے ہو جائے گا لیکن اُردو پر سب سے بڑا الزام یہ عائد کیا گیا کہ اردو کے پاس نظارۂ جمال اور شوقِ وصال کے سوا کچھ نہیں۔ رشکِ غیر ہے یا ہجرِ پردہ نشیں۔ سائنسی اور تکنیکی ادب سے اس کا دامن یکسر خالی ہے۔

مجھے اردو کے سائنسی ادب سے بڑی دل چسپی ہے۔ جس زمانے میں مَیں دہلی کالج سے وابستہ تھا (جو اب ذاکر حسین کالج بن گیا ہے) میں نے ۱۹۵۳ء میں قدیم دلّی کالج نمبر شائع کیا تھا جس کے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کے ذریعہ یہ واضح کیا تھا کہ یہ کالج ایک ادارہ نہیں، ایک نشانِ منزل، ایک تحریک تھا جس نے مستقبل کی گزرگاہوں کو روشن کر دیا۔ اسی نے اردو زبان میں تعلیم کی طرح ڈالی جو سرتاسر سیکولر تھی اور جس نے شمالی ہند میں سائنسی مزاج کو فروغ دیا اور دہلی

ہیں بقول اسپیسر سائنسی احیار کے لیے تخم ریزی کی۔

دہلی یونی ورسٹی میں پروفیسر ہونے کے بعد بھی یہ دل چسپی قایم رہی اور اس تحریک کے اہم رکن ماسٹر رام چندر پر ایک مبسوط مقالہ لکھا جو ذوق و جستجو میں شایع ہو چکا ہے۔ اسی کے ساتھ دلّی اردو اخبار کی ایک پوری جلد شایع کی جو اس ضمن میں بے مثل معلومات کا گنجینہ ہے لیکن جی چاہتا تھا کہ ماسٹر رام چندر پر بھی ایک مانوگراف لکھا جائے۔ اسے عزیزی پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے میری نگرانی میں مرتب کیا جس کے مطالب انگریزی اور اردو دونوں میں شایع ہو چکے ہیں اور جو ادبی تاریخ کے ایک نئے گوشے پر روشنی ڈالتے ہیں۔

اردو میں سائنسی ادب پر تحقیق کرنے کے لئے ایک ایسے طالب علم کی ضرورت تھی جو سائنس میں بھی امتیاز رکھتا ہو۔ اور اردو ادب سے بھی شغف رکھتا ہو۔ یہ قرعۂ فال عزیزی محمد شکیل کے نام پڑا جو سائنس کے فرسٹ کلاس گریجویٹ اور اردو کے فرسٹ کلاس ایم اے ہیں۔ اس طرح ان کی دل و جگر دونوں سے آشنائی ہے اور انہوں نے دہلی، علی گڑھ اور حیدر آباد کے کتب خانوں سے بطور خاص استفادہ کر کے یہ مقالہ مرتب کیا ہے جس پر ان کو دہلی یونی ورسٹی نے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ میری دعا ہے کہ کامن ویلتھ اکیڈیمک اسٹاف فیلو کی حیثیت سے وہ لندن، کیمبرج آکسفرڈ، اڈن برو، پیرس اور مغربی برلن کے کتب خانوں سے بھی استفادہ کر سکیں اس وقت تک اس موضوع پر جو مواد شایع ہوا ہے وہ اہم ہے لیکن ع

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور باوجود ہندوستان کے کتب خانوں کا احاطہ کرنے کے، چشم حاسد کی طرح تنگ اور محدود ہے اور اس کی اشد ضرورت ہے کہ مغرب کے ذخیروں سے پورا فائدہ اٹھایا جائے تاکہ تاریخ کا یہ فراموش شدہ باب منظرِ عام پر آجائے۔ مجھے امید ہے ڈاکٹر محمد شکیل کی یہ کوششیں مقبول ہوں گی اور وہ اردو کی اہمیت اور تاریخ میں اضافہ کریں گے۔ میری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

جمعہ ۱۱ / مارچ ۱۹۸۸ء

۷۔ یونی ورسٹی روڈ، دہلی

خواجہ احمد فاروقی

حرفِ آغاز

کسی ملک وقوم کی ترقی کی رفتار کا اندازہ اس کے ادبی اور علمی ذخائر سے لگایا جاتا ہے۔ قومیں عمارتوں سے نہیں، افکارِ تازہ سے بنتی ہیں۔ سائنس وٹکنالوجی کی تصنیفات کا سروے کرنے سے معلوم ہوا کہ ہر دس سال میں ان کی تعداد دُگنی ہو جاتی ہے۔ باوجود دشواریوں کے اُردو بھی سائنسی و تکنیکی ادب کی اِس دوڑ میں ہندوستان کی کسی زبان سے پیچھے نہیں رہی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بہت سی دوسری ہندوستانی زبانوں کے مقابلے میں اُردو میں سائنسی ادب کا سرمایہ بہت پہلے سے موجود ہے۔ وقت کی ضرورت ہے کہ اِس ذخیرے کو دیکھا جائے اور اس کی قدر وقیمت کا اندازہ لگایا جائے۔

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں تعلیم کے دوران استادِ گرامی پروفیسر وصی الرحمٰن نے اُردو میں کیمسٹری کی اصطلاحات کا کام میرے سپرد کیا۔ اُسی زمانے سے ہی اُردو میں سائنسی وتکنیکی ادب، سے مجھے دل چسپی پیدا ہوئی۔ بعد میں پروفیسر وحید الدین مَلک سے گفتگو کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ کسی سائنس والے کو ہی اُردو میں یہ کام کرنا چاہیے اور میں نے یہ طے کرلیا کہ اُردو کو سائنس اور سائنس کو اُردو سے قریب تر لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔

میرے لیے یہ بات بڑے شرف اور سعادت کی ہے کہ مجھے دہلی یونی ورسٹی نے اُردو کے سائنسی ادب پر کام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کو میرا نگرانِ کار مقرر کیا جن کو اس موضوع سے غیر معمولی دل چسپی ہے۔ مجھ سے پہلے کئی اسکالرز کو یہ کام دیا گیا لیکن منزل کی دشواریوں اور شاید سائنس کی تعلیم نہ ہونے کے سبب یہ کام ادھورا ہی رہا۔

شروع میں مجھے بھی راستے کی دقتوں کا اندازہ نہیں تھا۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت اور انگریزی حکومت کے قیام کے بعد ہمارے ادبی ذخیرے بکھر گئے یا ورق ورق ہو کر اُڑ گئے۔ ایک مخطوطہ لندن میں ہے تو دوسرا کیمبرج میں۔ ہندوستان میں کوئی بھی کتب خانہ ایسا نہیں ہے جہاں مختلف زبانوں کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابیں یا اُن کے عکس محفوظ ہوں۔ پھر بھی میں نے علی گڑھ، حیدر آباد، الہ آباد، سری نگر، رام پور، لکھنؤ اور پٹنہ کے کتب خانوں سے استفادہ کیا ہے اور چیونٹیوں کے منہ سے دانہ دانہ جمع کر کے خرمن تیار کیا ہے۔ اُردو میں لکھی سائنس اور ٹکنالوجی کی قلمی اور مطبوعہ سبھی کتابیں حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

بیش تر خطی نسخے سالار جنگ میوزیم حیدر آباد، اسٹیٹ آرکائیوز حیدر آباد، ادارۂ ادبیات حیدر آباد اور ریجنل آرکائیوز الہ آباد کے کتب خانوں میں دیکھنے کو ملے۔

سائنس کی مطبوعہ کتابیں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، الہ آباد یونی ورسٹی لائبریری، لکھنؤ یونی ورسٹی لائبریری، کشمیر یونی ورسٹی لائبریری اور حیدر آباد کی عثمانیہ یونی ورسٹی لائبریری، سالار جنگ میوزیم لائبریری، آصفیہ لائبریری، نظام کالج لائبریری اور ادارۂ ادبیات کے علاوہ دہلی کے مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہوئی ہیں۔

ترجمہ کی ہوئی کتابوں کا جہاں تک ممکن ہو سکا اصل کتاب سے مقابلہ کر لیا ہے۔ جہاں کسی اصطلاح یا سائنسی فارمولے کو سمجھنے میں دشواری آئی وہاں متعلقہ سائنسی برانچ کی انسائیکلوپیڈیا، ہینڈ بک اور ڈکشنری سے مدد لی گئی ہے (ان کو کتابیات میں شامل کیا گیا ہے) پھر بھی اگر کوئی عقدہ نہ حل ہو سکا تو ماہرین سے استفادہ کیا گیا ہے۔

موضوع کے اعتبار سے یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہے۔ اس سے پہلے پاکستان میں دو کیٹلاگ شائع ہوئے ہیں۔ 'اُردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ' اور 'اردو میں سائنسی ادب'۔ مواد کی نشان دہی میں ان دونوں کتابوں سے بہت مدد ملی ہے۔ سولھویں صدی کے اواخر سے بیسویں صدی کے وسط (۱۹۴۷ء) تک کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سبھی کتابیں شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے منظم کوششوں کا احاطہ کیا ہے اور کتاب کے آخری باب میں چند نمایندہ انفرادی کوششوں کا ذکر ہے۔

پہلے باب میں سائنس کی تعریف اور زندگی کے مختلف شعبوں سے اس کے تعلق پر روشنی ڈالی ہے۔ انسانی تہذیب کے آغاز سے موجودہ دور تک کی سائنسی ترقیات اور ایجادات کی مختصر تاریخ پیش کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں شمس الامراء کبیر ثانی (۱۷۸۰۔ ۱۸۶۲ء) کی سائنسی خدمات کا ذکر ہے۔ شمس الامراء وہ بیدار مغز امیر تھے جو یورپ کی تحقیقات و ایجادات سے سب سے پہلے متاثر ہوئے۔ چنانچہ حیدرآباد میں سائنسی تعلیم کا پہلا ادارہ "مدرسۂ فخریہ" (قیام ۱۸۳۴ء)، فلکیات کے تجربوں کے لیے "رصدگاہِ جہاں نما" اور اور سب سے پہلا "سنگی مطبع" (قیام ۱۸۲۵ء) قائم کیا جس سے چالیس سے زیادہ سائنسی کتابیں شائع ہوئیں۔ تیسرے باب میں شاہانِ اودھ کے سائنسی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر کے عہد میں فلکیات کے تجربوں کے لیے "رصدگاہِ سلطانی" کا قیام عمل میں آیا اور بہت سی سائنسی کتابیں تالیف و ترجمہ کی گئیں۔ چوتھے باب میں دہلی کالج (قیام ۱۸۲۵ء) اور اس کی 'ورناکلر سوسائٹی' کے کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ۱۸۲۸ء سے اُردو کے ذریعے سائنس کی تعلیم شروع ہوئی اور ضرورت کے تحت بہت سی سائنسی کتابیں مرتب کی گئیں۔ ماسٹر رام چندر نے تفرقی احصاء کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا جس کی شہرت یورپی ممالک میں بھی ہوئی۔

سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء۔ ۱۸۹۸ء) نے اپنی فکری اور نظری بصیرت کے سبب یہ اندازہ کر لیا تھا کہ جب تک ہندوستانی سائنسی دوڑ میں حصہ نہ لیں گے، ذہنی اور اقتصادی طور پر محکوم رہیں گے۔ چنانچہ ۱۸۶۳ء میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کرکے یورپ سے بعض سائنسداں بلائے اور سائنسی آلات منگائے۔ سوڈا واٹر کی بوتل، روئی اونٹنے کی مشین اور فوٹوگرافی کا کام ہندوستان میں سب سے پہلے اسی سوسائٹی نے شروع کیا۔ پانچویں باب میں سائنٹفک سوسائٹی کی سائنسی کتابوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چھٹے باب میں طامسن انجینئرنگ کالج رڑکی کے کارناموں کا ذکر ہے جہاں اُردو کے ذریعے انجینئرنگ کی تعلیم سب سے پہلے شروع ہوئی اور متعلقہ کتابیں لکھی گئیں۔

ساتویں باب میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد اور اس کے 'دارالترجمہ' (قیام ۱۹۱۷ء) کے

کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے، جس کی حیثیت گُلِ سر سَبَد کی سی ہے۔ ہندوستان میں یہ پہلی یونی ورسٹی ہے جہاں اعلیٰ درجات تک ذریعۂ تعلیم اُردو تھی۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی تقریباً اکہتّر کتابیں شائع ہوئیں۔ اس باب میں کچھ نمائندہ کتابوں کا جائزہ اصل کتابوں کو سامنے رکھ کر لیا گیا ہے۔ آٹھویں باب میں متفرق کوششوں کا ذکر ہے۔

آخر میں تین ضمیمے شامل کیے گئے ہیں۔ پہلے ضمیمے میں سائنس کی قلمی کتابوں کی فہرست (بہ لحاظِ کتب خانہ) درج ہے۔ دوسرے ضمیمے میں سائنسی کتابوں کی فہرست (بہ لحاظِ ابواب) اور تیسرے ضمیمے میں کتابیات ہے۔

یہ مقالہ " اُردو میں سائنسی ادب کا جائزہ "کے عنوان سے مکمل ہو گیا تھا لیکن دل میں ناتمامی کا احساس ضرور تھا کیوں کہ سائنس اور ٹکنالوجی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ میں اس کے بعد کئی سال تک جستجو میں لگا رہا اور کم و بیش پانچ سال کی محنت کے بعد انجینئرنگ اور ٹکنالوجی سے متعلق کتابوں کا جائزہ بھی اس میں شامل کیا۔ اس طرح اب یہ کتاب " اُردو میں سائنسی و تکنیکی ادب "کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔

اُردو کے سائنسی و تکنیکی ادب کا مقابلہ انگریزی یا جرمن سے کرنا بے انصافی ہو گی لیکن جب اس کا مقابلہ ہندوستان کی زبانوں سے کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ اُردو اتنی تہی دامن اور بے مایہ نہیں ہے جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

زیرِ نظر مطالعہ نہ تو اعتذار ہے اور نہ اعتراضات کے خلاف زرہ بکتر۔ یہ ایک طالب علم اور خادمِ اُردو کی اوّلین کوشش اور اُردو میں سائنسی و تکنیکی ادب کا تاریخی اور تنقیدی جائزہ ہے جس سے اُردو پر عائد بعض اعتراضات کا از خود ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہ کام نقشِ اوّل ہے اور نقطِ آخر ہونے کا دعویدار نہیں۔ لیکن تاریکی میں ایک مٹّی کا دیا بھی جلا دیا جائے تو وہ بھی اہمیت سے خالی نہیں ہے۔

میں آخر میں اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ہوں کہ ان تمام احباب کا شکریہ ادا کروں جن کی عنایتوں نے اِس دشوار کام کو آسان بنا دیا۔

پروفیسر مونس رضا کا شکریہ ادا کرنا میرا اوّلین فرض ہے جنھوں نے یونی ورسٹی کی

ذمّے داریوں اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود کتاب کا مسودہ پڑھا، بحیثیت ایک ماہرِ تعلیم نہایت مفید مشورے دیے اور فکر انگیز مقدمہ لکھا۔

اپنے نگرانِ کار پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، موجودہ صدرِ شعبہ پروفیسر قمر رئیس اور شعبہ کے سبھی اساتذہ اور ساتھیوں کا تعاون مجھے حاصل رہا۔ اِن سب احباب کا صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں اگرچہ اس سپاس گزاری کے لیے الفاظ ناکافی ہیں۔

جن ممتاز سائنس دانوں اور اہلِ علم سے استفادہ کا موقع ملا ان میں پروفیسر عبدالسّلام نوبل لارئیٹ، پروفیسر رئیس احمد، پروفیسر وحید الدین مَلِک، جناب سیّد حامد، پروفیسر وصی الرحمٰن، پروفیسر اسلم فرخی، پروفیسر شبیہہ الحسن، پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی اور پروفیسر فیروز احمد کی عنایتِ بے پایاں کا دل سے شکر گزار ہوں۔

اُردو اکادمی، دہلی کے سکریٹری جناب شریف الحسن نقوی اور ڈاکٹر انتظار مرزا کا ممنون ہوں۔ کتب خانوں سے وابستہ سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اہم مطبوعات اور نادر مخطوطات کی فراہمی میں میری اعانت کی۔ ظفر مراد آبادی، سیّد ابوجعفر زیدی اور محمد شریف خاں کا ممنون ہوں۔ عزیزی قمر اسحٰق کا شکریہ ادا کرنا خودستائی کے برابر ہوگا اس لیے دعا پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

والدۂ مرحومہ کی خدمت میں جب آخری بار حاضر ہوا تھا تو میں نے وعدہ کیا تھا کہ جلد ہی کتاب لے کر حاضر ہوں گا۔ افسوس کہ ۱۱ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ (۴ دسمبر ۸۷ ۱۹ء) کو جمعہ کی نماز کے بعد تقریباً تین بجکر دس منٹ پر وہ اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملیں (اِنّا للہ)۔ یہ حسرت میرے دل میں خلش بن کر زندگی بھر کھٹکتی رہے گی۔ کاش یہ کتاب وہ بھی ایک نظر دیکھ سکتیں:

'اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں'

جمعہ۔ ۲۵ مارچ ۱۹۸۸ء
شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

محمد شکیل

باب اوّل

سائنس اور سائنسی ادب کی مختصر تاریخ

اردو میں تنقید اور سائنس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ ان کا وجود اقلیدس کے فرضی نقطہ سے زیادہ نہیں ہے حالانکہ تنقید اور ادب لازم وملزوم ہیں۔ اگر اردو میں ادبی سرمایہ ہے تو اس کے جانچنے اور پرکھنے کے اصول بھی ہیں۔ اسی طرح اُردو سائنسی ادب کے معاملہ میں بھی تہی دامن نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اردو میں بہت سی ہندوستانی زبانوں سے پہلے سے سائنسی ادب موجود ہے۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ اردو صرف رات اور زلف کی کہانی ہے اور اس میں بجز نظارۂ جمال اور شوق وصال کے کچھ اور ہے ہی نہیں۔ اُردو میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ ایک طرف تو حسن وعشق کی رنگین داستانوں کو نظم ونثر کے حسین مرقعوں کی صورت میں پیش کرسکتی ہے اور منطق وفلسفہ اور تصوّف ومعرفت کے باریک اور نازک مسائل کی گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے تو دوسری طرف علمی وفنی اور سائنسی موضوعات کے رموز ونکات کی نقاب کشائی میں بھی ذرّہ برابر جھجک محسوس نہیں کرتی۔

سائنس کے لغوی معنیٰ علم کے ہیں۔ وہ علم جو مشاہدہ، تجربہ، تلاش اور تنقید کی مدد سے مدوّن کیا جائے اور اس سے عام اصول اخذ کیے جا سکیں لاطینی زبان سے یہ لفظ انگریزی میں داخل ہوا اور انگریزی سے ہم تک پہنچا[1] آکسفورڈ ڈکشنری میں سائنس کے معنیٰ منضبط یا منظم علم کے ہیں

---

1. ENCYCLOPEDIA BRITANICA, VOL.20, BRITANIC INC., CHICAGO: 1971,p.7.

جبکہ انسائیکلوپیڈیا امیریکانا کے مطابق :

"وہ علم جو منظم اور نتیجہ خیز ہو سائنس ہے[1]"

بعض مفکرین کی رائے ہے کہ سائنس 'بیان' ہے چند الفاظ میں اور سہل طریقے سے اس کی ادائیگی سائنس کہلاتی ہے[2]۔ اور بعض سائنس کو عقل سلیم، بتاتے ہیں[3]۔ سائنس کو فہم سے بھی تعبیر کیا گیا ہے[4] کہا جاتا ہے کہ اگر آپ واقعات کا مشاہدہ آنکھ کھول کر کریں تو یہ سائنس کے مترادف ہوگا[5] سائنس کا مقصد یہ ہے کہ جس عالم میں ہم ہیں اس کی ایک عام فہم تصویر ہمارے سامنے پیش کر سکے[6]۔ سائنس کا فلسفہ قبولیت کا ہے[7] سائنسدان، کائنات اور اپنے درمیان جو تعلق ہے اس کو سمجھنا چاہتا ہے۔ وہ اس سے پریشان نہیں ہوتا۔ واقعات کو تسلیم کرتا ہے۔ نئے واقعات کے انکشافات میں کوشاں رہتا ہے۔ کائنات کے تناسب اور اُس کے حُسن سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ کائنات کے مطالعے سے اُسے ایک سکون حاصل ہوتا ہے۔ کوئی بھی علم سائنسی علم کہلانے کا حق دار تب ہوگا جب وہ۔ (۱) دلیلوں پر قایم ہو اور (۲)۔ اس کے نتائج کو تجربات کی کسوٹی پر پرکھا جا سکے۔ اس طرح منطق اور تجربے کی تکنیک بھی سائنس کی ہی شاخیں ہیں۔ اِسی طرح سائنس کی اور بھی کئی شکلیں ہیں۔ جن میں نیچرل سائنس جو علمِ طبیعات، علمِ کیمیا اور علمِ ہیئت وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اسی طرح علمِ ہندسہ جس میں حساب اور اعداد و شمار وغیرہ شامل ہیں۔ سائنس کی ایک شاخ بائیلوجی ہے جو زولوجی، باٹنی وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔

---

1. ENCYCLOPEDIA AMERICANA, INTERNATIONAL EDN. VOL.24, NEW YORK : 1970, p. 413.
2. ENCYCLOPEDIA AMERICANA, INTERNATIONAL EDN. VOL.24, NEW YORK : 1970, p. 413.
3. INTRODUCTION TO SCIENCE, J.A. THOMSON, LONDON : 1939, p. 127.
4. ENCYCLOPEDIA AMERICANA, INTERNATIONAL EDN. VOL.24, NEW YORK: 1970, p. 413.
5. ENCYCLOPEDIA BRITANICA, VOL.20, BRITANICA INC., CHICAGO: 1971, p.7.
6. ENCYCLOPEDIA AMERICANA, INTERNATIONAL EDN. VOL.24, NEW YORK: 1970, p. 413.
7. MODERN SCIENCE AND PHILOSPHY, P. FRANK, CAMBRIDGE: 1949, p. 237.

سائنس اور علمِ تکنیک کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ نیچرل سائنس مادّے کی خصوصیات اور واقعات کے اسباب کو بتاتی ہے۔ جب کہ علمِ تکنیک سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی افعال کیسے وجود میں آتے ہیں۔ اس طرح نیچرل سائنس تکنیکی سائنس کی بنیاد ہے۔ تکنیکی سائنس میں انجینیئرنگ، طب اور زراعت و فلاحت وغیرہ شامل ہیں۔ سائنس نئی نئی ایجادات کرتی ہے جب کہ علمِ تکنیک نئی نئی ترکیبیں نکالتا ہے دراصل سائنس اور علمِ تکنیک کے سنگم سے ہی ہر طرح کی ترقی ممکن ہو سکی ہے۔

اگر ہم سائنٹفک مزاج پیدا کرنا چاہتے ہیں[1] تو ہمیں عقلِ سلیم استعمال کرنی پڑے گی۔ ہمارے چاروں طرف جو واقعات روزمرّہ رونما ہوتے رہتے ہیں ان کا تجزیاتی مشاہدہ کرنا پڑے گا۔ اکثر اس سلسلے میں تجربات کرنے پڑیں گے اور مواد جمع کرنے کے بعد ان کا باہمی تعلق اور عالم سے تعلق معلوم کرنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔ خاص سے عام اور عام سے خاص تک پہنچنے کی کوشش ضروری ہوگی۔ اس کے بعد غیر جانبدارانہ طریقے سے ان سلسلوں کو منسلک کر کے اُن سب کو پیش کر دینا ہوگا۔ بس یہی ایک سائنس داں کا کام ہے۔

سائنس کی تاریخ ایک نہایت دلچسپ موضوع ہے۔ اس ضمن میں اس حقیقت سے گریز نہیں کرنا چاہیئے کہ سائنس آج کی پیداوار نہیں ہے اور نہ مشینیں آج کے دور کے انسان کا اجارہ ہیں[2] انسان نے اپنے تمدّن کے آغاز سے اب تک ہر دور میں اپنی ضروریات کے مطابق آلات اور اوزاروں سے کام لیا ہے[3] پتھروں کے ہتھیاروں کے استعمال سے نیوٹرون بم تک اور آگ کی دریافت سے جدید مشینی آلات کی ساخت تک مسلسل ارتقاء کا نتیجہ ہے جو صدیوں پر محیط ہے[4]۔ انسانوں نے تہذیبی ارتقاء کے عہد میں ستاروں سے اپنے راستے کا تعین کرنا

---

1. "WHERE AND WHEN DID MAN BECOME WISE ?" SCIENCE JOURNAL VOL.24, 1963, p. 13.

2. 'THE ARGUMENTS FROM ANIMALS TO MAN', JOURNAL OF THE ROYAL ANTHROPOLOGICAL INSTITUTE, VOL.26, LONDON: 1956, p. 4.

3. 'STONE -TOOLS THEIR MANUFACTURE AND PALAEOLITHIC CULTURES', THE PICTORIAL ENCYCLOPEDIA OF EVOLUTION OF THE MAN, NEW YORK:1975, p.119

4. 'STONES TOOLS THEIR MANUFACTURE AND PALAEOLITHIC CULTURES', THE PICTORIAL ENCYCLOPEDIA OF EVOLUTION OF THE MAN, NEW YORK:1975, p.119

سیکھا[۱] اور یہ سلسلہ آج کی خلائی پرواز تک پہنچا۔ جڑی بوٹیوں سے علاج کرنا سیکھا اور آج ان ہی بوٹیوں کے اجزا جدید دواؤں کی صورت میں استعمال ہوتے ہیں۔ غرض زندگی کے کسی شعبے میں دیکھیں انسان کے عملِ مسلسل اور جد و جہدِ پیہم کا نام ہی سائنسی ترقی ہے۔

اگر گلوب پر نظر رکھتے ہوئے سائنس کی تاریخ مرتّب کرنے کی کوشش کی جائے تو یونان کا نام سب سے پہلے آئے گا۔ اگرچہ یونانیوں نے اہلِ مصر سے بہت کچھ سیکھا جن کے علوم و فنون کا زرّیں دور بیسویں صدی سے پندرہویں صدی قبل مسیح تک رہا لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ مصر والوں نے سائنس میں کس درجہ ترقّی کی ہوگی کیونکہ ان کے کارنامے تاریخ کے صفحات سے اوجھل ہیں۔ معلّمِ یونان ہومر کی تخلیقات سے پتہ چلتا ہے کہ نویں صدی قبل مسیح میں یونانی فنِ طب اور خصوصاً جراحت میں کافی ترقّی کر چکے تھے۔ اس وقت پیشہ ور طبیب موجود تھے بلکہ جڑی بوٹیوں کا تو بعض عورتوں کو بھی علم تھا۔ یہ لوگ 'سوشل اینڈ پری وینٹو میڈیسن' میں اتنی ترقی کر چکے تھے کہ جب ایک گھر کی ہوا خراب محسوس کرتے تو گندھک کی دھونی دے کر ہوا کو صاف کر لیتے تھے۔

ساتویں صدی قبل مسیح میں چینی فلسفی 'لاؤ تسو' نے تاؤ تے چنگ[۲] نام کی کتاب اپنی عمر کے آخری حصے میں لکھی۔ سائنسی نظریے سے یہ کتاب اہمیت کی حامل ہے اس کے آٹھویں باب میں 'چیہہ شنگ'، یعنی گرہ دار رسّی کی مدد سے کتابت کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

جہاں تک قدیم ہندوستانی سائنس و فلسفہ کا تعلق ہے طب کی اوّلین کتابیں آتریہ، (आत्रिय) سُشرتا (सुश्रुता) چھٹی صدی قبل مسیح کی تخلیق ہیں۔ سائنسی اعتبار سے سُشرتا بہت اہم ہے کیونکہ اس میں علمِ جراحت کی بحث موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستانی سائنسدانوں میں آریہ بھٹ (आर्यभट्ट) 'برہم گپت' (ब्रह्मगुप्त) اور واراہ مہر' (वाराहमेहर) نے علمِ نجوم و ریاضیات کو ترقی دی اور 'واگ بھٹ' (वागभट्ट) نے ادویہ کی ایک

---

1. ENCYCLOPEDIA OF ASTRONOMY, E. GIBERT, LONDON: 1973.

۲۔ تاؤ تے چنگ یعنی 'قانون عقل و پارسائی'، اس کتاب کا اردو ترجمہ اسی نام سے (۱۹۸۰ء) میں ساہتیہ اکاڈمی نے شائع کیا ہے۔

قرابادین مرتب کی۔ عرب ممالک سے ہندوستان کے روابط استوار ہوئے تو ہند کی سائنس میں عرب تصورات، شعبۂ علاج، ریاضیات اور علمِ نجوم میں داخل ہوگیے۔

سلطنتِ رُوما کے زوال کے بعد تقریباً چار سو سال تک علوم و فنون کی ترقی کا سہرا مسلمانوں کے سر رہا۔ جنہوں نے سائنسی علوم کے اغراض و مقاصد کو سرگرمی کے ساتھ آگے بڑھایا۔ یورپ کے لیے جو دورِ تاریکی کا دور ہے اس زمانے میں عالمِ اسلام میں سائنس عروج پر تھی۔ آٹھویں اور نویں صدی کے عربوں میں سائنسی تجسس کا جذبہ حیرت انگیز حد تک تھا:

"غیر ملکوں کے فلسفہ اور سائنس کو سمجھنے کے لیے انہوں نے دور دراز ملکوں کا سفر کیا۔"[1]

آٹھویں صدی میں خلیفہ منصور نے سائنسی تحقیقات کا ایک ادارہ قائم کیا تھا اور سائنسی کتابوں کے ترجمے بھی کرائے تھے۔ ہندوستانی طبیب، فلسفی اور ہندسہ داں اُن کے دربار میں موجود تھے:

"ہندوستان کا مشہور طبیب مانک تواس کے دربار سے وابستہ تھا اس کے علاوہ چھ اور طبیبوں کا ذکر ملتا ہے۔"[2]

خلیفہ ہارون رشید اور المامون کے عہدِ خلافت میں (آٹھویں اور نویں صدی میں) سائنس کی اور بھی ترقی ہوئی اور بغداد دنیا کی تہذیب کا مرکز بن گیا۔" ہارون رشید کے عہدِ خلافت میں گھڑی ایجاد ہوئی اور عربوں نے لکڑی کے بلاک بنا کر چھپائی کا کام شروع کیا۔"[3] جو تاریخِ عالم کا اہم واقعہ ہے۔

جس وقت یورپ تاریکی میں لپٹا ہوا تھا اور توہمات کے اندھیرے میں بھٹک رہا تھا اس وقت مسلمانوں نے شمعِ علم کو اس شان سے فروزاں کیا کہ مشرقِ وسطیٰ سے لے کر اسپین اور فرانس تک روشنی ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یوروپ میں دورِ نہضت واحیا کبھی آہی نہیں

---

1. THE DISCOVERY OF INDIA, JAWAHAR LAL NEHRU, LONDON : THE MERIDIAN PRESS, 1956, p.226.
2. THE DISCOVERY OF INDIA, JAWAHAR LAL NEHRU, LONDON : THE MERIDIAN PRESS, 1956, p.226.
3. THE DISCOVERY OF INDIA, JAWAHAR LAL NEHRU, LONDON: THE MERIDIAN PRESS, 1956, p. 258.

سکتا تھا اگر مسلمان سائنس داں، اہلِ علم اور اہلِ دانش تاریکی کے بادلوں کو غرناطہ اور قرطبہ میں نہ چھانٹتے۔

عربوں سے سائنسی علوم وفنون یورپ پہنچے اور وہاں اس کی ترقی کے لیے کوششیں ہوئیں اور اس کے بعد یورپ سے دوبارہ مشرق میں سائنس کی روشنی طلوع ہوئی۔ یورپ میں فی الحقیقت سائنسی ترقی عربوں ہی کی دین ہے۔ ان کا دورِ جدید و ترقی وجود میں نہیں آسکتا تھا اگر مسلمان سائنس داں تاریک راہوں کو روشن نہ کردیتے۔

سائنسی ترقی کی یہ دولت دھیرے دھیرے یورپ کی تمام سمت منتقل ہونے لگی، جہاں سائنسی تجربات و تحقیقات کی بہت قدر کی گئی۔ عرب سائنس کے میدان میں سُستی کا شکار ہوگیے اور یورپ نے تازہ دم ہوکر سائنسی میدان میں پیش رفت دکھائی یہاں تک کہ ان کی سائنس، ترقی کی راہ پر سب سے آگے نکل گئی۔

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ سائنس کی روشنی صرف مغرب کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ مشرق کبھی بھی تاریکی میں لپٹا ہوا نہیں تھا بلکہ یہ مبالغہ نہیں ہے کہ سائنس کی اوّلین شعاعیں مشرق سے ہی پھوٹی ہیں۔

مشرق کی زبانوں میں اردو قدیم زبان نہیں ہے بلکہ اس کا شمار نوعمر زبانوں میں ہوتا ہے تاہم اس میں سائنسی لٹریچر اٹھارہویں صدی (بلکہ سولہویں صدی) سے مل جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ میں سائنس کی ترقی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ اس سے مقصود رُخِ روشن کے سامنے شمع رکھنا نہیں ہے اور نہ یہ بتانا ہے کہ اردو سائنسی ادب میں یورپ کی زبانوں کی ہمسر اور ہم پایہ ہے بلکہ اس بات پر زور دینا ہے کہ تاریخی اعتبار سے اُردو کے نثری سرمایہ میں سائنسی لٹریچر کا بھی حصّہ ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس کی قدر و قیمت انگریزی کے مقابلے میں سُبک ہے۔

اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر دکن میں ہوا۔ اسی طرح شعر و شاعری میں دکن کو شمالی ہندوستان پر تقدم حاصل ہے۔ سائنس کے میدان میں بھی دکن شروع سے ہی سربلند رہا ہے۔ سولہویں صدی میں سائنس کی سب سے پہلی کتاب شہاب الدین قریشی بیدری نے

'بھوگ بل' کے نام سے لکھی۔ اس طویل مثنوی کا ایک حصّہ جنسیات پر اور دوسرا حصہ طب پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی کا ایک مخطوطہ سالار جنگ میوزیم میں محفوظ ہے اور اسی مخطوطے کی دو نقلیں امپیریل لائبریری کلکتہ میں بھی موجود ہیں۔ سورداس کی تصنیف 'بھگوت گیتا' (۱۵۹۱ء) موسیقی کی کتابوں میں قدیم ترین ہے۔ اس کے علاوہ 'مفرح القلوب' (۱۷۸۳ء) اور معالجات خواجہ بندہ نواز' (۱۶۸۱ء) جیسے مخطوطے دریافت ہو چکے ہیں۔ جن سے اردو میں سائنسی ادب کے تاریخی پہلو پر روشنی پڑتی ہے ان انفرادی کوششوں کو کتاب کے سب سے آخری باب 'متفرقات' میں شامل کیا گیا ہے۔

باب دوم

شمس الامراء کبیرِ ثانی

ہندوستان میں سائنسی علوم کی اشاعت اور فروغ میں شمس الامراء کبیر ثانی کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جدید اور سائنسی علوم سے متعلق ہر نئی کتاب فرانس اور انگلستان سے منگانی شروع کی۔ اردو زبان و ادب کے ماہرین کے ساتھ ساتھ انگریزی اور فرانسیسی جاننے والوں کو بھی ملازم رکھا۔ اس طرح گویا ایک "دارالترجمہ"[۱] کا انعقاد عمل میں آیا۔

شمس الاُمراء کے جدِ امجد محمد ابوالخیر خاں تیغ جنگ، مغل تاجدار اورنگ زیب کے عہد میں دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے بعد آصف جاہی حکومت سب سے زیادہ پرشکوہ اسلامی حکومت تسلیم کی جاتی ہے۔ آصف جاہ نے عمدہ کارکردگی کے تحت اپنی حکومت کو ریاستوں میں تقسیم کر دیا تھا جو پائیگاہ، سمستان اور جاگیر کہلاتی تھیں۔ "شمس الامراء کا تعلق پائیگاہ سے تھا۔"[1] دراصل پائیگاہ وہ موروثی جاگیر کہلاتی تھی جو حیدرآباد کے نظام کی طرف سے اُمرائے پائیگاہ کو ان کی قابلِ قدر خدمات اور وفاداری کے صلے میں عطا کی جاتی تھی۔ ان پائیگاہوں کا رقبہ ۴۱۳۴ مربع میل تھا، جس میں سیکڑوں گاؤں شامل تھے۔ ابتدا میں ان پائیگاہوں کی آمدنی ۳۳ لاکھ روپے سالانہ

۱۔۔۔ داستان ادب حیدرآباد، سید محی الدین قادری زورؔ، حیدرآباد ۱۹۵۱ء، ص ۱۱۶

1. British Relations with Hyderabad, N.C. Chaudhary, Calcutta:1964,p.42.

تھی۔ لیکن پولیس ایکشن کے وقت تک یہ آمدنی ایک کروڑ تک پہنچ گئی تھی۔ اُمرائے پائیگاہ کا یہ سلسلہ آصف جاہ اوّل سے آصف جاہ سابع تک مسلسل چلتا رہا۔

شمس الامراء کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے واسطے سے حضرت عمر فاروق رضؓ خلیفۂ دوم تک پہنچتا ہے۔ اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ شیخ بہاءالدین خاں جو حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی بارھویں پشت میں سے ہیں۔ اُتر پردیش کے قصبہ شکوہ آباد میں پیدا ہوئے۔ اورنگ زیب نے انھیں شکوہ آباد کا گورنر مقرر کیا۔ ان کے صاحب زادے محمد ابوالخیر خاں تیغ جنگ کی پیدائش بھی اسی قصبہ شکوہ آباد میں ہوئی۔ انھوں نے اپنی جرأت و حوصلہ کے سبب کئی جنگوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان کی جنگی خدمات کو مدِنظر رکھتے ہوئے محمد شاہ نے ان کو دو سو سوار اور پانچ سو پیدل سپاہیوں کی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ بعد میں وہ مالوہ اور خاندیس کی نائب صوبہ داری کے عہدے پر فائز ہوئے۔

جب نظام الملک آصف جاہ اوّل حکومتِ دہلی کی طرف سے دکن کے صوبے دار مقرر کیے گیے تو ابوالخیر خاں بھی ان کے ساتھ ساتھ ہی دکن چلے گیے اور مرہٹوں سے مقابلہ کر کے برہان پور پر فتح حاصل کی۔ اسی درمیان آصف جاہ اوّل نے دہلی حکومت سے بغاوت کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور ابوالخیر خاں کو اپنی فوج کی سپہ سالاری سونپ دی۔ اور ان کی خدمات کے اعتراف میں بُرہان پور کی جاگیر انھیں بخش دی۔ ۱۱۶۶ھ (۱۷۵۲ء) میں ابوالخیر خاں کا انتقال ہوگیا۔ ان کے ۲ دو بیٹے تھے جن میں بڑے ابوالبرکات خاں امام جنگ تو جوانی ہی میں انتقال کر گیے تھے۔ دوسرے ابوالفتح خاں تیغ جنگ تھے جنھیں آصف جاہ نے چودہ ہزار سپاہیوں کی فوج کا سپہ سالار بنا کر تیغ جنگ بہادر کا خطاب عطا کر دیا۔ پائیگاہ کی نسبت سے اُن کی فوج پائیگاہی کہلائی اس کے علاوہ تینتیس ۳۳ ہزار کی جاگیر بھی عطا کی گئی اور انھیں شمس الامراء، شمس الملک، اور شمس الدولہ کے خطابات سے سرفراز کیا گیا۔

ابوالفتح خاں حیدرآباد کی اُن چند اہم شخصیتوں میں سے ہیں جنھوں نے نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے عہد میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا ثبوت دیا جس کے سبب آصف جاہ ثانی نے انھیں وزارت کی بھی پیش کش کی لیکن انھوں نے وزارت کے اُلجھے ہوئے کام کے مقابلے میں

سپاہیانہ زندگی کو ترجیح دی اور عہدۂ وزارت کے لیے معذرت چاہی۔ آپ نے عوامی بھلائی کے پیشِ نظر رفاہی کاموں میں زیادہ حصّہ لیا ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ء) میں ان کی وفات ہوئی ان کی قبر پر جو کتبہ لگا ہے اس سے ان کی تاریخِ وفات کی تصدیق ہوتی ہے:

"... مرقد حضرت محمد ابوالفتح خاں مغفور

بتاریخ ۲۵ شہر ربیع الاوّل ۱۲۰۵ھ"[1]

نواب ابوالفتح خاں کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادے نواب محمّد فخرالدّین خاں جانشیں قرار پائے ان کو اپنے موروثی خطابات کے علاوہ امیرِ کبیر کا خطاب بھی تفویض ہوا۔

نواب فخرالدّین خاں شمس الامراء کبیرِ ثانی ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۰ء) میں بُرہان پور میں پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے وقت آپ کی عمر صرف دس سال تھی لیکن نظام کی سرپرستی، خصوصی توجّہ اور امرانہ حیثیت برقرار رہی ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں نظام کی صاحب زادی بشیرالنّساء بیگم آپ سے منسوب کر دی گئیں۔ شاہی خاندان میں دامادی کے اعزاز سے مشرّف ہونے کے بعد لاکھوں کی مزید جاگیریں عطا ہوئیں۔ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) میں میر عالم کے انتقال کے بعد جب انھیں مدارالمہام بنانے کی بات آئی تو نظام نے سخت مخالفت کی اور یہ عہدہ میر عالم کے داماد منیرالملک کو دینا چاہا لیکن چندو لال جو ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) سے دربار میں پیش کار کے عہدے پر فائز تھے، انھوں نے ریزیڈنٹ کو تمام واقعات کی اطلاع دے دی اور ریزیڈنٹ نے ان تمام حالات سے گورنر جنرل کو آگاہ کر دیا۔[2]

گورنر جنرل منیرالملک کو مدارالمہام بنانے کے حق میں نہیں تھے اس لیے نظم و نسق کے تمام اختیارات بحیثیت پیش کار چندو لال کو تفویض کر دیے گئے۔ چندو لال نے اپنی حیثیت سے فائدہ اُٹھایا اور خود مدارالمہام بن بیٹھا جو "۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) سے ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) تک مدارالمہام رہا۔"[3] اور اس طرح اس حکومت پر انگریزوں کا عمل دخل قائم ہو گیا۔ چندو لال

---

1. The Landmarks of Deccan, S.A. Asghar Bilgrami, Hyderabad:1927, p.101
2. The Nizam, Hanery George Burgs, Spondsonwood & Co., London : p.91.
3. The Freedom Struggle in Hyderbad Vol.I, Hyderabad : 1956, p.217.

جو بعد میں مہاراجہ چندو لال کے نام سے مشہور تاریخی کردار بنا، ابتدا میں شمس الامرا کا پیش کار تھا جس کا ثبوت غلام امام ترین کے اس بیان سے ملتا ہے کہ "۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) سے ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) تک وہ شمس الامرا کی جمعیت کے پیش کار مقرر ہوئے تھے"۔[۱]

چندو لال کے بارے میں یہ خیال درست ہے کہ انھوں نے اپنی علمی اور سیاسی حیثیت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ان کے گرد علما اور شعرا کا ایک وسیع حلقہ تھا جن کی سرپرستی کو انھوں نے بڑی اہمیت دی اور یہی سبب ہے کہ ان کی مخالفت نہیں ہوئی۔ عموماً تعلیم یافتہ طبقہ ہی مخالفت کیا کرتا ہے اور انھوں نے ان کو اپنی سرپرستی کی زنجیر پہنا دی تھی۔

۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) کے بعد "جب دیوان کا عہدہ امجد الملک کو دیا گیا"[۲] تو نظام ان کو مستقل مدار المہام بنانا چاہتے تھے لیکن انگریز ریزیڈنٹ اور گورنر جنرل اس کے حق میں نہ تھے۔ اسی سبب انھوں نے یہ عہدہ پھر شمس الامرا کو دینے کی فرمائش کی لیکن نظام نے اس کی مخالفت کی:

"شمس الامرا کا تقرر پائیگاہ کی فوج میں اسی سبب سے کیا گیا تھا کہ وہ امورِ حکومت میں دخل دینے سے باز رہیں اور نظام کی حمایت کرتے رہیں۔"[۳]

ریزیڈنٹ کو اخراجات کی زیادتی کا بہانہ بنا کر ٹالنا چاہا لیکن ریزیڈنٹ نے اس بہانے کو محسوس کرتے ہوئے مدار المہام کی تنخواہ پچیس ہزار سے گھٹا کر دس ہزار سالانہ کر دینے کا مشورہ دیا۔ ریزیڈنٹ نے یہ مشورہ گورنر جنرل کی شہ پر دیا تھا۔ نظام نے کئی وجوہات ریزیڈنٹ کے سامنے اعتراضات کی شکل میں پیش کیں:

"۱۔ شمس الامرا عقیدے کے اعتبار سے نہ تو شیعہ ہیں اور نہ خاندانی سیّد۔
۲۔ اقتدار کی رسا کشی کے دوران وہ نظام کے بھائی فرید جاہ کے حق میں رہے

۱۔ رشید الدین خانی، مصنف غلام امام خاں ترین، مطبع ریاضِ ہند علی گڑھ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) ص ۳۹

2. Nizam-British Relations, Sarojini Regani, Hyderabad : 1963, p.278.

3. A History of the Deccan, J.D.B. Gribble, London : 1924, p.146.

تھے۔[3] وہ پائیگاہ کے امیر تھے یہ عہدہ نظام نے مدار المہام کے برابر رکھا تھا۔[1]
اگر یہ دونوں عہدے شمس الامراء کو مل جاتے تو سارے اختیارات خود بخود ان کے ہاتھوں میں منتقل ہو جاتے اور نظام اسی خوف کے سبب انھیں مدار المہام نہیں بنانا چاہتے تھے کہ کہیں یہ دوسرے چندو لال نہ ثابت ہو جائیں[2] اور انگریزوں کی شاطرانہ پشت پناہی پر اپنے عہدے کا بے جا فائدہ نہ اٹھانے لگیں۔ ریزیڈنٹ نے نظام کے تمام اعتراضات رد کرتے ہوئے کہا کہ:

"سیاسی معاملات میں مذہبی جذبات کو دخل نہیں ہونا چاہیے دوسرے اور تیسرے اعتراض پر ریزیڈنٹ کا جواب تھا کہ نظام کو اپنے بھائی یا طاقت ور مدار المہام سے نہیں ڈرنا چاہیے جب کہ کمپنی کا ہاتھ اُن کے سر پر ہے۔"[3]

ان سرگوشیوں کا علم کسی طرح جب شمس الامراء کو ہوا تو انھوں نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے معاملہ فہمی کا ثبوت دیا اور نظام کی تائید میں یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا آخر گورنر جنرل نے پھر مداخلت کرتے ہوئے شمس الامراء کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا جسے نظام کو بھی وقتی طور پر قبول کرنا پڑا۔ گورنر جنرل نے شمس الامراء کے حق میں اس لیے دلچسپی دکھائی تھی کہ اول تو شمس الامراء حکومت کے معاملات میں غیر تجربہ کار تھے۔ دوسرے شمس الامراء کو مدار المہام کا عہدہ دے کر 'کورٹ' کی سب سے بڑی شخصیت کی حمایت حاصل ہونے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا ۷؍ دسمبر ۱۸۴۸ء (۱۲۶۵ھ) کو شمس الامراء کا مدار المہام کے عہدے پر تقرر کیا گیا۔ عہدے پر فائز ہوتے ہی انھوں نے تمام فرضی شبہات کے برخلاف نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور آصف جاہی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ حکومت میں بڑھتے ہوئے جرائم کی سرکوبی کے لیے اقدامات کیے اور بہت سے رہزنوں اور لوٹ مار کرنے والوں کا مقابلہ کر کے انھیں قید کر لیا اور وہ جاگیریں

---

1. British Relations with Hyderabad, N.C.Chaudhary, Calcutta : 1964,p.42.

2. Nizam British Relations, Sarojini Regani, Hyderabad : 1963, p.285.

3. British Relations with Hyderabad, N.C.Chaudhary, Calcutta:1964, p.43.

جو مقروض تھیں انھیں بحال کر کے آصف جاہ کو سرخرو ہونے کا موقع فراہم کیا۔ لیکن اس عہدے کے دوران اُن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ شمس الامراء نے ایک اہم رازداری کا پتہ لگایا یعنی بعض جعل سازوں نے مدارالمہاموں اور پیش کاروں کی فرضی مہریں بنا رکھی تھیں اور ایک عرصے سے خاموشی کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق ان سے فائدے اُٹھا رہے تھے۔ شمس الامراء نے انھیں گرفتار کرا کے معقول سزائیں دلوائیں۔[1]

انگریزوں کو اس (بظاہر ناتجربہ کار) شخص کے سامنے اپنی مفاد پرستی کی بنیادیں کمزور نظر آئیں اس کے علاوہ وہ تمام افراد جن کے خلاف شمس الامراء نے تعذیری کارروائیاں کی تھیں۔ سب کے سب مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ سازشوں کے سبب شمس الامراء کو مدارالمہام کے عہدے پر کام کرتے رہنا تقریباً ناممکن ہو گیا اور انھوں نے مجبور ہو کر نظام کی خدمت میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔[2]

شمس الامراء میں سپاہیانہ شان و شوکت تو تھی لیکن وہ دربار کے داؤ پیچ اور سیاست سے ناواقف تھے چنانچہ انھوں نے مئی ۱۸۴۹ء میں اس اُلجھے ہوئے کام سے دست برداری حاصل کر لی۔ شمس الامراء کا استعفیٰ اُردو میں سائنسی خدمات کا ایک روشن آغاز ثابت ہوا۔ شاید سیاسی امور میں پھنس کر وہ علم و ادب کی ایسی خدمت نہ کر سکتے جو بعد میں انھوں نے انجام دیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان و ادب کی خدمت کے لیے قدرت کی طرف سے یہ فیصلہ ہوا تھا۔ درباری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد انھوں نے اپنی ساری توجہ ادبی اور سائنسی علوم کی طرف مرکوز کر دی چونکہ وہ فطرتاً علم دوست تھے اس لیے انھوں نے زبان و ادب کی خدمت کرنے کے لیے مطبع سنگی ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) میں قائم کر لیا تھا اور اب اسی مطبع کی بدولت اردو ادب اور جدید سائنسی علوم و فنون کی کتابوں کی طباعت کے لیے ایسا راستہ کھُل گیا جس کے ذریعے تقریباً تین پشتوں تک اشاعتِ علم کا کام متواتر جاری رہا۔

۱۔ تاریخ حیدرآباد (حصہ دوم) محمد نجم الغنی خاں، لکھنؤ (۱۹۳۰ء) ص ۵۱۲

2. Nizam British Relations, Sarojini Regani, Hyderabad : 1963, p.280.

اس پریس سے جدید علوم وفنون پر قابلِ ذکر کتابیں شائع ہوئیں۔

شمس الامراء نے برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک سے سائنسی کتابیں حاصل کیں اور ان کا اُردو ترجمہ اپنے مطبع سے شائع کرانے کا اہتمام کیا۔ وقت کے بدلتے تقاضوں نے شمالی ہند کے مصنّفین کو سادہ نثر لکھنے کی طرف مائل کیا یہاں تک کہ انگریزوں نے بھی یہ اندازہ لگالیا کہ ملک کی ترقی اور خصوصاً اقتدار کی سلامتی کے لیے اُردو کا سہارا لینا ضروری ہے۔ کلکتّہ میں جان گل کرسٹ کی توجّہ سے فورٹ ولیم کالج کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ فورٹ ولیم کی کتابیں جب حیدرآباد پہنچیں تو اہلِ علم نے ان کی تقلید کرنا چاہی لیکن شمس الامراء نے ایسی عامیانہ قصّہ کہانیوں کی کتابوں کے مقابلے میں علمی تصنیفات و تراجم پر زیادہ توجّہ دی اور انھوں نے طے کیا کہ جدید علمی، سائنسی و تکنیکی کتابیں اُردو میں ترجمہ کر کے شائع کی جائیں۔ یورپ کی سائنسی اور صنعتی ترقی سے وہ پہلے ہی متأثر تھے اور اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف تھے کہ اگر ہندوستانی محض قدیم علوم کی پیروی اور جدید مغربی علوم سے چشم پوشی برتتے رہیں گے تو ان کی علمی، معاشی اور ثقافتی ترقی کے تمام راستے مسدود ہوجائیں گے چنانچہ جدید علوم پر مبنی انھوں نے فرانس، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک سے کتابیں منگوائیں اور ان زبانوں کے ماہر مترجموں کی خدمات حاصل کیں اس طرح مختلف سائنسی مضامین پر کتابیں اپنے سنگی چھاپہ خانے سے شائع کرنے کی بنیاد ڈالی۔

شمس الامراء نے اُردو تراجم کے لیے سائنسی اصطلاحات کو اُردو میں منتقل کرنے کے لیے اُردو اصطلاح سازی کا کام بھی انجام دیا جس کا فائدہ تقریباً ایک صدی بعد دارالترجمہ جامعۂ عثمانیہ کو ہوا اور ان کے بنائے ہوئے اصولوں پر مزید اصطلاح سازی کا کام آسان ہوگیا۔

کیپٹن ہیسٹنگ فریزر نے شمس الامراء کے بارے میں لکھا ہے:

> ”انھوں نے یورپ جیسی زندگی کی سہولیات مہیا کر رکھی تھیں۔ انھیں مکان، فرنیچر اور دوسرے لوازماتِ زندگی کو یورپی طرز پر لانے کا بہت شوق تھا۔ مشینری کے کام میں گرم جوشی سے حصّہ لیتے تھے اس کے علاوہ ہاتھ کی کاریگری اور روزمرّہ کے سائنسی تجربات سے بہت شغف تھا۔ ان کاموں میں وہ اپنا

زیادہ وقت گزارتے تھے۔"[1]

شمس الامراء علم دوست ہی نہیں تھے، بلکہ اہلِ علم و فن کے قدردان بھی تھے اپنے ذاتی سرمایے سے حیدر آباد میں انھوں نے بہت سے مدارس قائم کیے جن میں مدرسہ فخریہ ان کی یادگار کے طور پر باقی رہا۔ بقول نصیر الدین ہاشمی: "شمس الامراء کا دوسرا علمی کارنامہ 'مدرسہ فخریہ' کا قیام تھا۔"[2]

انھوں نے اپنے مطبع سے شائع شدہ کتابوں پر اپنے مدرسہ فخریہ کے نصاب کی بنیاد رکھی اس مدرسہ کی سرپرستی اور مدرسوں کی تنخواہ کا انتظام بھی انھوں نے اپنے ہی ذمہ لیا یہی مدرسہ وہ پہلا ادارہ تھا جس میں تمام جدید علوم و فنون اور سائنسی موضوعات پر مشتمل نصاب رائج ہوا اور روایتی نصاب کے مقابلے میں جدید علوم کی تدریس پر زور دیا گیا۔ جدید علوم کی منجملہ تعلیمات پر مبنی شمس الامراء کا یہ قدم ہندوستان کی علمی تاریخ میں فالِ نیک کا درجہ رکھتا ہے۔ پروفیسر محی الدین قادری زورؔ کا خیال ہے:

> "شمس الامراء کی قدردانیوں نے تو اردو کے اکھڑتے قدم پھر سے مضبوط کر دیے چنانچہ یہی وہ علم دوست امیر ہیں جنھوں نے سب سے پہلے ملک میں اجتماعی (جدید) تعلیم کی طرف قدم اٹھایا اور اس سلسلے میں اپنے خرچ سے اسکول قائم کیا۔"[3]

مدرسہ فخریہ کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہوا جب ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں ہندوستان کا پہلا مدرسۂ طبابت ریزیڈنسی میں قائم کیا گیا اور مدرسہ فخریہ کے تعلیم یافتہ طلبا ہی سب سے پہلے داخلے کے لیے آگے آئے کیوں کہ وہ طب اور سائنسی علوم سے نہ صرف واقفیت رکھتے تھے بلکہ عملی طور پر وابستہ بھی رہ چکے تھے۔" مدرسہ طبابت میں ۱۸۵۴ء میں طلبا کی تعداد ۹۲۸ تک

---

1. The Freedom Struggle in Hyderabad, Vol.I, Hyderabad : 1956, p.213.

۲۔ عہدِ آصفی کی قدیم تعلیم، نصیر الدین ہاشمی۔ حیدر آباد (۱۹۵۷ء) ص ۴۱

۳۔ عہدِ عثمانی میں اردو کی ترقی، پروفیسر محی الدین قادری زورؔ۔ حیدر آباد (۱۹۳۴ء) ص ۱۰۵

پہنچ گئی تھی"۔ [1]

شمس الامراء کا پہلا قدم تراجم اور سنگی چھاپہ خانہ کا قیام، دوسرا قدم مدرسہ فخریہ اور تیسرا قدم تجربات کے لیے رصدگاہ کا قیام ہے۔ اس رصدگاہ میں فلکیاتی مشاہدوں کے لیے یورپ سے سائنسی آلات حاصل کیے گیے۔ ان آلات کے ذریعے تجرباتی طور پر مفید معلومات حاصل ہوئیں جو اہلِ ہند کے لیے دلچسپ بھی تھیں اور عجوبۂ روزگار بھی۔

جدید علوم کو عوام سے روشناس کرانے کے لیے دارالترجمہ نے بہت سی کتابیں شائع کیں یہ دارالترجمہ شمس الامراء کی حویلی "جہاں نما" میں قائم کیا گیا تھا۔ شمس الامراء پہلے ہندوستانی ہیں جنھوں نے یورپی زبانوں سے اُردو میں سائنسی تصنیفات کے تراجم پیش کیے۔ ان کی مخلصانہ کوشش تھی کہ ہندوستانی بھی ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ علمی معیار میں کم نہ رہیں اور انھیں جدید سائنسی ایجادات اور ترقیات کی مفید معلومات حاصل ہوتی رہیں انھوں نے سائنسی موضوعات سے متعلق بہت سے رسائل غیر ممالک سے منگوائے اور ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں انھوں نے ان رسائل اور تصنیفات کو اُردو میں منتقل کرنے کے لیے دارالترجمہ کی بنیاد رکھی:

> "شمس الامراء نے جو جاگیراتِ پائیگاہ کے امیر، جو مغربی زبانوں میں انگریزی اور فرانسیسی سے بھی واقف تھے ایک دارالترجمہ قائم کیا تھا جہاں سائنس کی کتابیں ترجمہ ہوتی تھیں۔ شمس الامراء کے گرد و پیش شعراء، اُدباء، فلاسفر، مؤرخ اور ریاضی دانوں کا جمگھٹا ہوتا تھا۔ جس میں ہندو، مسلم، انگریز اور فرانسیسی شامل تھے"۔ [2]

دارالترجمہ کے قیام میں شمس الامراء کے علاوہ اس عہد کے بہت سے عالم اور دانش ور شریک رہے جنھوں نے تراجم کے سلسلے میں اپنا عملی تعاون دیا اور بہت سی تصنیفات کو اُردو میں منتقل کیا ان میں غلام محی الدین حیدرآبادی، مسٹر جونس، مسٹر جوزف، رتن لال اور میر

---

1. The Freedom Struggle in Hyderabad, Vol.I, Hyderabad : 1956, p.215.

۲۔ دکنی کلچر، نصیر الدین ہاشمی، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور، پاکستان دسمبر ۱۹۶۳ء، ص ۷۰۔

شجاعت علی کرم قابلِ ذکر ہیں[1]۔ دارالترجمہ سے اشاعت ہوئی تقریباً پچاس کتابیں دستیاب ہوئی ہیں جن میں دینیات، حساب، جیومیٹری، فزکس، کیمسٹری، فلکیات، طبِ یونانی اور میڈیسن وغیرہ سبھی شامل ہیں۔

مدرسہ، پریس اور دارالترجمہ کے علاوہ شمس الامرار نے اپنی حویلی میں ایک بہترین لائبریری بھی قائم کر رکھی تھی، جس میں اُردو، فارسی، عربی، انگریزی کے علاوہ فرانسیسی کی بہت سی کتابیں موجود تھیں۔ جن کی کچھ فائلیں آج بھی پائیگاہ کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ شمس الامراء فخرالدین خاں امیرِکبیر کی علمی صلاحیتیں ان کی اولادوں میں بھی منتقل ہوئیں۔ ماحول اور تربیت کی وجہ سے فخرالدین خاں کے بیٹے رفیع الدین خاں کو بھی ادب، علم وفن اور سائنس سے خصوصی دلچسپی ورثہ میں ملی۔ انھوں نے اپنے والد کی علمی روایت کو زندہ رکھا وہ ان کاموں میں پہلے ہی اپنے والد کے دستِ راست رہ چکے تھے اور عنفوانِ شباب ہی سے ان کی تصنیف وتالیف میں مدد کرتے رہتے تھے والد کے انتقال کے بعد تقریباً پندرہ سال یعنی اپنی وفات تک وہ اس موروثی فن کی آبیاری کرتے رہے اور اس میں قابلِ رشک اضافہ ہوا۔

رفیع الدین خاں نے رسالہ علم ہندسہ اور رفیع الحساب[2] دو گراں قدر کتابیں تصنیف کیں جن کی اشاعت ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) اور ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) میں ہوئی۔ اس کے علاوہ تکملۂ رفیع الحساب اور رفیع البصر بھی ان کی ہی تصانیف ہیں جن کے دیباچوں میں انھوں نے اپنے تجربے اور استفادے کا ذکر کیا ہے۔ تصنیفات کے علاوہ انھوں نے کچھ کتابوں کے ترجمے بھی کیے لیکن موضوع کی تشنگی دور کرنے کے لیے اپنی طرف سے جو اضافے کیے اس کی بدولت ان کے تراجم بھی تالیف کا درجہ رکھتے ہیں۔

شمس الامرار کا عہد اپنی علمی اور سائنسی کوششوں پر مبنی ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۳ء) سے ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) تک ہے ویسے اس خاندان کی سائنسی خدمات سو سال سے بھی زیادہ عرصہ تک جاری رہیں۔ شمس الامرار کے علاوہ ان سے متعلق اہلِ علم حضرات نے بھی اپنے اپنے طور پر

---

1. The Freedom Struggle in Hyderabad, Vol.I. Hyderabad : 1956, [illegible]

انفرادی کوششیں بیں بن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو اس خاندان کے چشم و چراغ تھے اور کچھ وہ بھی جو اس خاندان سے علمی طور پر وابستہ رہے ان قابلِ ذکر اصحاب میں بدرالدین خاں رفعت جنگ تمیزؔ، وزیرالدین خاں، شمس الدین خاں فیقؔ، میر عبداللطیف حکیمؔ، شاہ علی، رتن لال، رام پرشاد، رائے منو لال، مسٹر جوزف ولیم میکنزی، موسیو نند وسی، مسٹر جونس، مسٹر مرّی، حکیم قمرالدّین، خواجہ نورالدین خاں عظمت جنگ، شیر علی بن محمّد قاسم، غلام امام خاں، شمس العلماء سیّد علی بلگرامی، میر طفیل علی، مولوی محمد احمد، سیّد محمّد عبدالرحمٰن، اور ابو علی وغیرہ تھے۔ ان سب حضرات نے اپنی اپنی علمی استعداد اور صلاحیت کے مطابق شمس الامراء کے لیے مختلف علمی موضوعات پر گراں بہا کارنامے انجام دیے۔

بدرالدّین خاں رفعت جنگ تمیزؔ (شمس الامراء فخرالدین خاں کے صاحب زادے) حافظِ قرآن اور اس عہد کے ممتاز شاعر تھے۔ تمیزؔ تخلّص تھا۔ انھوں نے کئی کتابیں تالیف کیں جس میں "وقائع مظفریہ" قابلِ ذکر تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

وزیرالدّین خاں، شمس الامراء فخرالدین خاں کے پوتے اور سلطان الدین خاں کے صاحب زادے تھے۔ انھوں نے بھی کئی کتابیں لکھیں۔ "تقریظِ فرہنگ منتشی" ان کی مقبول تصنیف ہے جو مطبع سنگی شمس الامراء سے ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں شائع ہوئی۔

رتن لال، اس عہد کے مشہور شاعر اور قابلِ رشک صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ شمس الامراء کی سرپرستی میں انھوں نے اپنی زندگی گذاری۔ انھوں نے ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) میں انگریزی کے ایک رسالے "علم جغرافیہ" کا اردو میں ترجمہ کیا جو ان کی غیر معمولی استعداد کا ثبوت ہے۔ اس ترجمے میں انھوں نے نقشوں اور قلمی تصاویر کے ذریعے ہر مسئلے کو مختصر اور جامع انداز میں تحریر کیا ہے اپنے اس ترجمے کا نام "منقطع الارض" رکھا تھا جو ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) ہی میں شمس الامراء کے سنگی چھاپہ خانے سے شائع ہوا اس کے علاوہ ایک اور رسالہ انھوں نے طلباء کی معلومات کے لیے مرتب کیا جو رسالہ علم ہندسہ کے نام سے طبع ہوا۔ رفیع الدین خاں کی خواہش پر ایک رسالہ رفیع البصر لکھا جو ۲۱۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں

مطبع سنگی سے شائع ہوا۔

رام پرشاد، شمس الامراء کے موروثی ملازمین میں سے تھے۔ لیکن اپنی علمی لیاقت کے سبب شمس الامراء نے انھیں بہت قدر و منزلت سے نوازا۔ ایک اردو رسالہ "قواعدِ منتخب" ۱۸۵۶ء میں تصنیف کیا جو ۱۹ ابواب اور ۹۵ صفحات پر مشتمل ہے اس رسالے میں ریاضی کی جدید اصطلاحیں عام فہم اور پُر معنیٰ انداز میں مرتب کی ہیں۔

رائے متولال، شمس الامراء کے عہد میں مدار المہام کے تعمیرات کے شعبہ میں بطور مددگار شامل تھے۔ بعد میں یہ مدرسہ انجینیری حیدرآباد کے پرنسپل ہوگئے۔ جدید علوم کی استعداد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے رفیع الدین خاں نے 'برناڈ ہنٹر' کی انگریزی کتاب "علم ہندسہ" انھیں سے ترجمہ کرائی جو ۵۶۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۱۶ ابواب پر تقسیم اس کتاب کا بامحاورہ اُردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ دیباچے میں متولال نے لکھا ہے:

> "اُردو زبان میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو ہندسۂ بالوتر کے موضوع پر نواب رفیع الدین خاں کی دلچسپی کی وجہ سے قلم بند کی جارہی ہے۔ اس میں نظری مساوات کو اشکال کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔"[1]

مسٹر جوزف، مشہور انجینیر جان کے صاحب زادے اور شمس الامراء کے ادارے سے وابستہ تھے۔ اسی وابستگی کے سبب اُردو زبان کے ماہر تصوّر کیے جاتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بھی تصنیف و تالیف کے کاموں میں حصہ لیا اور یورپی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ ان کا "رسالہ علم واعمال کُروی" اور "رسالہ علم جرثقیل" بہت مقبول ہوا۔ رسالہ علم واعمالِ کُروی میں زمین اور آسمان کے کُروں اور سیّاروں کے حالات۔ زمین کے زلزلوں اور طوفانوں وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جس میں رتن لال سے بھی مدد لی گئی ہے۔ مطبع سنگی شمس الامراء سے ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء) میں یہ رسالہ شائع ہوا۔ رسالہ علم جرثقیل میں ان خصوصی معلومات کو یکجا کیا گیا جو علم جرثقیل سے متعلق ہوسکتی تھیں ۱۵۵ صفحات پر

۱۔ رسالہ علم ہندسہ، مصنّف برناڈ ہنٹر، مترجم متولال، مطبوعہ مطبع سنگی شمس الامراء حیدرآباد (۱۸۴۰ء)

مشتمل اس رسالے کی اشاعت ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) ہی میں شمس الامراء کے چھاپے خانے سے ہوئی تھی۔

ولیم میکنزی، حیدرآباد کے طبی گودام کے محافظ تھے۔ شمس الامراء کی فرمائش پر انھوں نے کمپاؤنڈروں اور عوام کے فائدے کے لیے ایک ہدایت نامہ "کفایت العلاج" تصنیف کیا۔ جس میں مختلف موذی بیماریوں سے بچاؤ کی تدبیریں اور سستے علاج کے طریقے دیے گیے ہیں یہ کتاب شمس الامراء نے اپنے سنگی مطبع سے ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) میں شائع کی۔

موسیو تندوسی، ایک فرانسیسی عالم تھا اور فلکیات کا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شمس الامراء اس کی بہت قدر کرتے تھے "ستۂ شمسیہ" کے جملہ رسائل کی تالیف و ترجمہ میں شمس الامراء نے اس سے مدد لی اس کے علاوہ ان کے بیشتر تراجم میں تندوسی کی اصلاحیں شامل ہیں۔

مسٹر جونس، انگریزی زبان کے عالم تھے لیکن شمس الامراء کی سرپرستی میں اُردو بھی سیکھ گیے تھے اور اسی سبب شمس الامراء نے مددگار کے طور پر انھیں اپنی تصنیفات اور تالیفات میں شامل رکھا انھوں نے ستۂ شمسیہ کے مشہور رسائل کے تراجم میں بھی مدد کی۔

مسٹر مرّی نے ڈاکٹر میکلن کے انگریزی رسالۂ چیچک کا اُردو میں ترجمہ کیا اس رسالے میں چیچک کے دہشتناک اثرات کو واضح مثالوں کے ساتھ سمجھایا گیا ہے اور احتیاطی تدابیر کے ساتھ ساتھ چیچک کے مریض کی جملہ کیفیت، پرہیز اور علاج بھی تحریر کیا گیا ہے یہ رسالہ نستعلیق میں چھوٹے سائز پر شمس الامراء کے سنگی مطبع سے ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۸ء) میں شائع ہوا اور بہت مقبول ہوا۔

شاہ علی، متوطن ادھونی، عربی و فارسی کے مستند عالم تھے انھوں نے بھی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ترجمہ شرح چغمنی، انوار بدریہ اور افضل الآداب قابلِ ذکر ہیں۔ شرح چغمنی علمِ ہیئت کی مشہور کتاب ہے جس کا ترجمہ موصوف نے شمس الامراء کے حکم پر اُردو میں کیا۔ اور اپنی علمی سوجھ بوجھ کے مطابق جگہ بہ جگہ اختصار اور اضافے سے کام لیا ہے۔

حکیم قمرالدین نے ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں رفیع الدین خاں کی تحریک پر ایک طبّی لغت "منتخب الادویہ" تصنیف کی جس میں حروفِ تہجّی کے اعتبار سے تمام دواؤں کے افعال و خواص تحریر کیے گیے ہیں۔ یہ لغت شمس الامراء کے سنگی چھاپہ خانہ سے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) میں شائع ہوئی۔

خواجہ نورالدین خاں عظمتِ جنگ، اپنے عہد کے ممتاز عالم اور صاحبِ طریقت بزرگ گذرے ہیں ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں انھیں نے ایک اُردو کتاب "عظمت الساعت" کے نام سے تصنیف کی جس کے دیباچے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ رفیع الدین خاں کی خواہش پر تصنیف کی گئی تھی:

> "تالیف کی یہ استعداد مجھے عمدۃ الملک رفیع الدین خاں کی صحبت اور ان کی تالیفات کے مطالعے سے حاصل ہوئی اور میں نے علوم ریاضی اور علم تیاریِ ساعت نما حاصل کیا۔"[۱]

مذکورہ کتاب کی مدد سے کوئی شخص بغیر گھڑی کے رات اور دن میں اوقات کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے یہ کتاب سنگی چھاپہ خانہ سے ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء) میں شائع ہوئی۔

شیر علی بن محمّد قاسم، مدرسہ فخریہ شمس الامراء میں مدرّس تھے انھوں نے ریاضی سے متعلّق دو رسالے تصنیف کیے جن میں ایک رسالہ "رشیدیہ" ہے جو چوتھے امیر رشید الدین کے نام سے منسوب کیا گیا اور دوسرا رسالہ "شمسیہ فی اعمال حسابیہ" ہے یہ بھی رشید الدین خاں کے لیے ہی تصنیف کیا گیا جو تین ابواب اور ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

غلام امام خاں، بھی شمس الامراء کے عہد کے بڑے مذہبی اور علمی شخصیتوں میں سے ہیں ان کی تصنیفات زیادہ تر تاریخی نوعیت کی ہیں یا صوفیائے کرام کی زندگی کے حالات کے بارے میں بھی رسالے ملتے ہیں جو مطبع سنگی شمس الامراء سے شائع کیے گیے ہیں۔ رشید الدین خانی کی سوانح

۱۔ عظمت الساعت، نور الدین خاں عظمت جنگ سنِ تالیف (۱۲۶۸ھ) مطبع سنگی شمس الامراء حیدرآباد (۱۲۷۱ھ)
(ادارہ ادبیاتِ اُردو، حیدرآباد میں موجود ہے)

جو ۱۸۵۳ء میں مطبع ریاضِ ہند علی گڈھ کی طبع شدہ ہے آزاد لائبریری علی گڈھ میں موجود ہے۔

شمس العلماء سیّد علی بلگرامی حیدرآباد کے مشہور عالم تھے۔ انھوں نے شمس الامراء سلطان الدین خاں کے صاحب زادے مظہر الدین کے نام ایک انگریزی کتاب "میڈیکل جورس پروڈینس" مصنفِ پیٹرک ہیرو ڈی بی گریلی کا ترجمہ اردو میں "طبِ متعلقہ مقدماتِ فوجداری" کے نام سے کیا۔ یہ کتاب ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) میں سنگی چھاپہ خانہ سے طبع ہوئی اس کے علاوہ ایک رسالہ "طب جدولی" ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰ء) میں اور "جدول تحویلات شمس" ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) میں تالیف کیا۔ موخر الذکر رسالہ مطبع شمس الامراء سے ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) میں شائع ہوا اوّل الذکر رسالے کا قلمی نسخہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں محفوظ ہے۔

مولوی محمد احمد بھی شمس الامراء کے عہد میں تصنیفات و تالیفات سے وابستہ رہے اور بہت سی تصنیفات میں بذاتِ خود حصّہ لیا۔ ان کا قابلِ ذکر کارنامہ چارلس واکر کی انگریزی تصنیف کا اُردو ترجمہ ہے جو ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں کیا گیا۔ اس میں ایک دھات سے دوسری دھات پر ملمع سازی کے آسان طریقے سہل اور عام فہم زبان میں تحریر کیے گیے ہیں۔ یہ پانچ ابواب اور ۱۹ ذیلی سرخیوں پر مشتمل ہے۔

میر طفیل علی نے رسالہ گھڑیال تصنیف کیا جس میں وقت معلوم کرنے کے اصول سمجھائے گیے ہیں۔ اس رسالے کے ذریعے نہ صرف مقامی بلکہ متعدد مشہور شہروں کے اوقات علم جغرافیہ کے اصولوں کے تحت تحریر کیے گیے ہیں۔

سیّد محمد عبدالرحمٰن نے فارگیوسن کے رسالۂ علم ہیئت کے ایک جز کا ترجمہ "تختۂ گران" کے نام سے کیا یہ صرف ایک باب کا ترجمہ ہے جس کی طباعت مطبع سنگی شمس الامراء سے ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں ہوئی۔

ابو علی نے ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں ایک رسالہ علم جرِ ثقیل ترتیب دیا۔ متعدد تصاویر سے آراستہ یہ رسالہ شمس الامراء کے مطبع سنگی سے شائع ہوا۔ اس رسالے میں متعدد شکلوں اور تصاویر کے ذریعے موضوع کو وضاحت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے اس کے علاوہ ان کی کوئی تصنیف یا ترجمہ دستیاب نہیں ہے ممکن ہے حادثاتِ زمانہ کے سبب ان کی تصانیف تلف

ہوگئی ہوں۔

شمس الامرا اور ان کے عہد میں ہونے والی تالیفات و تراجم کے تعارف سے پیش تر یہ وضاحت ضروری ہے کہ خاندانِ پائیگاہ، آصف جاہی حکمرانوں میں ہر لحاظ سے ممتاز رہا۔ جاگیرات و مناصب حاصل کرنے کے علاوہ شاہی خاندان کی لڑکیاں اس خاندان کے اُمرا سے منسوب کی گئیں۔ اکثر افراد سپہ سالاری کے عہدے کے علاوہ وزارتوں کے عہدۂ جلیلہ پر بھی فائز رہے اور خطابات و مرحمتِ شاہی سے سرفراز ہوتے رہے چنانچہ اس خاندان کے چار اُمرا کو شمس الامرا کے خطاب سے نوازا گیا۔ یہ ہیں ابوالفتح خاں، فخرالدین خاں، رفیع الدین خاں اور محی الدین خاں۔ یہ اصحاب وہ اُمرائے پائیگاہ ہیں جن کی علم دوستی، علم پروری اور اُردو نوازی آج تک بہ نظرِ تحسین دیکھی اور سمجھی جاتی ہے:

"آں سرخیل اُمرائے نام دار امیریست صاحبِ شان و شوکت و شکوہ و صاحب تصانیفِ علوم حکمت، علی الخصوص در علم ریاضی کہ عبارت از ہندسہ و ہیئت باشد و نیز در علم جبر ثقیل رسالہ ہائے عمدہ تصنیف فرمودہ" [1]

شمس الامرا ابوالفتح خاں کے بڑے فرزند شمس الامرا فخرالدین خاں نے حکمت، ہندسہ اور ریاضی میں سب سے پہلے یورپی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کرایا اور خود بھی تصنیفات میں حصہ لیا چونکہ انھیں علم ریاضی اور ہیئت سے زیادہ شغف تھا اس لیے زیادہ تصنیفات انھیں موضوعات سے متعلق ہیں۔

مندرجہ ذیل کتابیں ان ہی کی سرپرستی میں تصنیف و ترجمہ ہوئیں۔ ان میں زیادہ تر سنگی مطبع شمس الامرا سے ہی شائع ہوئیں۔

۱۔ ترجمہ شرح چغمنی (قلمی) کتابت ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء)

۲۔ اصول علم حساب مطبوعہ ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء)

۳۔ رسالہ کسوراتِ اعشاریہ مطبوعہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء)

۱۔ گلزارِ آصفیہ، خواجہ غلام حسین خاں، مطبع سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدرآباد ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) ص ۲۸۸

۴- ترجمہ شمس الہندسہ مطبوعہ ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء)
۵- رسالہ علم جرثقیل (ستۂ شمسیہ جلد اوّل) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء)
۶- رسالہ علم ہیئت (ستۂ شمسیہ جلد دوم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء)
۷- رسالہ علم آب (ستۂ شمسیہ جلد سوم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء)
۸- رسالہ علم ہوا (ستۂ شمسیہ جلد چہارم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء)
۹- رسالہ علم مناظر (ستۂ شمسیہ جلد پنجم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء)
۱۰- رسالہ علم برق (ستۂ شمسیہ جلد ششم) مطبوعہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء)
۱۱- رسالہ علم و اعمال کرے کے بیان میں مطبوعہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء)
۱۲- منتخب البصر (دور نما) مطبوعہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء)
۱۳- کیمسٹری کا مختصر رسالہ مطبوعہ ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء)
۱۴- رسالہ مفتاح الافلاک مطبوعہ ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء)
۱۵- رسالہ کیمسٹری مطبوعہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء)
۱۶- خلاصۃ الادویہ مطبوعہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء)
۱۷- نافع الامراض مطبوعہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء)
۱۸- ترکیب ادویہ مطبوعہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء)
۱۹- رسالہ حیوانات مطلق مطبوعہ ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء)
۲۰- مرقع تصویر حیوانات مطبوعہ ۱۲۶۶ھ (۱۸۵۰ء)

شمس الامراء رفیع الدین خاں کے سرپرستی میں جو کتابیں تصنیف و ترجمہ ہوئی ہیں ان کی تعداد بھی خاصی ہے لیکن سائنسی موضوعات پر مشتمل تصانیف و ترجمہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- رسالہ علم ہندسہ مطبوعہ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء)
۲- رفیع الحساب مطبوعہ ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء)
۳- تکملۂ رفیع الحساب مطبوعہ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء)
۴- رفیع البصر مطبوعہ ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء)

۵- رفیع القنعت — مطبوعہ ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۲ء)

۶- رفیع التر کیب — مطبوعہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء)

۷- تختۂ گرداں — مطبوعہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء)

مندرجہ بالا مطبوعات کے علاوہ کئی قلمی کتابیں، کتب خانہ سالارِ جنگ میں آج بھی بہتر حالت میں موجود ہیں جن کی طباعت نہ ہو سکی۔

شمس الامراء کے تیسرے فرزند نواب محمد بدر الدین خاں بھی پُر صلاحیت اور علمی شخصیت کے حامل تھے۔ انھوں نے بھی تصانیف میں شمس الامراء کی کافی مدد کی۔ ان کی صرف ایک تصنیف "انوار بدریہ" دستیاب ہے۔

شمس الامراء نے مدرسے کی سطح سے سائنسی تعلیم کو شروع کر کے اعلیٰ مدارج تک انتظام کیا[1] اور یورپی کتابوں کے تراجم اردو میں پیش کر کے اُردو کی بیش بہا خدمت انجام دی۔ یہ خدمت ادب اور سائنس کے اوّلین کارنامے کی حیثیت سے کافی عرصہ گوشۂ گمنامی میں رہی اس لیے ان کی شہرت حیدر آباد سے آگے نہ بڑھ سکی۔

ترجمہ شرح چغمنی

۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں دار الترجمہ کے قیام کے بعد سنگی مطبع کی کارکردگی کا باقاعدہ آغاز ہوا تو سب سے پہلے اسی سال ترجمہ شرح چغمنی شائع کیا گیا۔ علم ہیئت اور فلکیات کی یہ مستند کتاب سمجھی جاتی تھی۔ اس کتاب کا سلیس اُردو میں ترجمہ شاہ علی متوطن قلعہ ادھونی سے شمس الامراء کی فرمائش پر کیا:

"اس مخطوطہ کا جو نسخہ حاصل ہوا وہ بہ طورِ تحفہ نواب عنایت یار جنگ بہادر نے ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد کو ۱۶ر رمضان ۱۳۶۰ھ کو پیش کیا۔"[2]

---

1. The Freedom Struggle in Hyderabad, Vol.1, Hyderabad : 1956, p.216.

۲- ترجمہ شرح چغمنی، مترجم شاہ علی متوطن ادھونی، ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) ص (سرِورق) (مخطوطہ نمبر ۲۰۰ ادارہ ادبیات اُردو حیدر آباد)

اس میں ۱۸۹ اوراق ہیں ہر صفحہ پر دس سطریں ہیں۔ سیاہ و سُرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ متعدد رنگین نقشے بھی کتاب میں جا بہ جا بنے ہوئے ہیں۔ ۱۵×۲۱ سینٹی میٹر سائز پر یہ مخطوطہ بہ خط نستعلیق لکھا ہوا ہے کہیں کہیں حاشیہ میں نوٹ بھی تحریر ہیں۔ اور جگہ بہ جگہ تصحیح بھی کی گئی ہے۔ اس مخطوطہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مترجم کا ذاتی نسخہ ہے۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"سبحان اللہ کہ جس کی قدرت کا ذرا سا نمونہ ہے کہ اجرامِ علویہ اور اجرامِ سفلیہ کو عدم سے وجود میں لایا اور ان کے فعل و افعال سے انواع و اقسام کے مصنوع اور ایک سے ایک بہتر سطح زمین پر اُتارا اور درود بے غایات اور صلوٰۃ بے نہایت اوس صاحب لولاک اور اس کی آل اتقیاء اور اصحاب اصفیاء پر ہمیشہ نازل ہووے کہ یہ غرقاب فنا ہونے کے واسطے کشتیِ نوح ؑ کی مثال اور دلے ہم گمراہونے کے واسطے ستاروں کی مانند ہیں۔"[1]

مترجم شاہ علی متوطن ادھونی نے اپنا تعارف دیباچے میں کرایا ہے وہ کتاب اور اس کے اصل موضوع سے متعلق لکھتا ہے:

"اس ذرّہ بے مقدار شاہ علی متوطن ادھونی نے مشہور 'شرحِ چغمنی' کو کہ جس کی عبارت کی دقت اور معانی کی نزاکت، باریک بینانِ نازک خیال پر ظاہر و باہر ہے، زبانِ ہندی میں بہ عبارت سلیس و صاف ترجمہ کر کے اس مہر منیر (شمس الامراء) کی رائے روشن سے مسائل اصلی میں تقدیم و تاخیر کی۔"[2]

یہ کتاب سوال و جواب کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ شروع کے چار صفحات میں دیباچہ ہے اس کے بعد ساٹھ صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے۔ پوری کتاب کو چوبیس[۲۴] گفتگوؤں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن میں منازلِ قمر، آسمانوں کی شکل، نورِ قمر کا گھٹنا بڑھنا، کسوفِ شمس اور خسوفِ قمر، ہیئتِ زمین، خطِ استواء، درجۂ طلوع و غروب کوکب، معرفتِ سمتِ قبلہ وغیرہ کا بیان تفصیل سے کیا گیا ہے اور خاکوں اور تصویروں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ مثال کے

۱۔ ترجمہ شرح چغمنی، مترجم شاہ علی متوطن ادھونی، ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) ص (سرِ ورق)

طور پر چوتھی گفتگو میں آسمانوں کی شکل و ہیئت کے بارے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :

"تلمیذ۔ فلکِ ثوابت اور فلک اعظم کی ہیئت کیسی ؟

اُستاد۔ دونوں متوازی السطحین ہیں اور مرکز ان کا عالم اور کواکب و ثوابت ہیں فلک البروج کے مرکوز ہیں اور جو ثابت سب سے بڑا ہے سطح محدب نے اس کی فلک البروج کے نقطین سطحین پر تماس کیا ہے اور چھوٹوں کی جائے جہاں خدا نے چاہا وہاں ہے۔" [۱]

مترجم نے مقدمے میں واضح کیا ہے کہ جو تعلیم مادری زبان میں دی جاتی ہے وہ بہت سود مند ثابت ہوتی ہے اس میں کم وقت میں بآسانی مسائل کو سمجھایا جا سکتا ہے۔

رفیع الحساب

یہ کتاب ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) میں شمس الامرا کے سنگی چھاپہ خانہ سے شائع ہوئی۔ ½۱۲ × ½۱۲ سینٹی میٹر کے سائز پر یہ کتاب خط نستعلیق میں تحریر کی گئی ہے۔ فہرست مضامین کتاب کے آخر میں دی گئی ہے جو چھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اصل متن ۱۷۷ صفحات پر محیط ہے لاگرتم اور جیب مماس وغیرہ کے لیے ۲۰۱ صفحات مقرر کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں نواب رفیع الدین شمس الامرا ثالث نے رفیع الحساب کی قدر و قیمت کے بارے میں تحریر کیا ہے :

"بعد حمد و نعت کے کہتا ہے کہ محمد رفیع الدین خاں المخاطب بہ عمدۃ الدین ابن امیر کبیر شمس الامرا بہادر اطال اللہ اقبالہ کہ یہ رسالہ ہے لاگرتم کے علم میں اور یہ علم علمِ حساب سے وضع ہوا ہے اور یہ علم انگریزی زبان میں تھا اس فن کی کتابوں سے اس کی معلومات کر کے اُردو زبان میں لکھا اور اس کے سوائے بھی جو اس علم کو ضروری تھا داخل کرنے میں آیا اور اس کے جدول بھی دس ہزار تک لکھنے میں آئے اور علم بہت نادر ہے اور مہندسوں کو لازم اور ضروری ہے کہ پہلے اس علم

۱۔ ترجمہ شرح چغمینی، شاہ علی متوطن ادھونی، ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) ص (سرورق) مخطوطہ ۳۰۰ ادارہ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد)

کا فائدہ حاصل کریں تاکہ اس سے بہت سے مسائلِ ہندسی اور حسابی مستخرج ہوتے ہیں اور یہ علم اکثر علمِ ہیئت اور جبر ثقیل وغیرہ میں کام آتا ہے اور اس رسالے کا نام 'رفیع الحساب' رکھا گیا ہے۔"[1]

کتاب کے آغاز میں ایک مقدمہ ہے جو اعداد کی تعریف پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ متن کے سات ابواب ہیں۔ پہلے باب میں حساب کے ابتدائی مسائل بیان کیے گیے ہیں۔ دوسرے باب کو سات فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل ضرب و تقسیم کے بیان میں ہے دوسری فصل کسور عام کی تعریف میں ہے۔ تیسری فصل نسبتوں کے اقسام اور اُن کے معلوم کرنے کے طریقوں پر محیط ہے۔ چوتھی فصل تقسیم کسور کے بیان میں تحریر ہے۔ پانچویں فصل جذر کے بیان پر مشتمل ہے۔ چھٹی فصل کعب نکالنے کے بیان میں اور ساتویں فصل کسور کے بیان میں ہے۔

تیسرا باب لاگرتم سے بحث کرتا ہے۔ اس باب کے تحت پہلی فصل میں لاگرتم کو سمجھانے کے لئے بہت سی مثالیں دی گئی ہیں۔ دوسری فصل میں لاگرتم تیار کرنے کے قاعدے اور طریقے بتائے گیے ہیں۔

چوتھے باب کو لاگرتم کی جدول تیار کرنے میں اور اُس کے قاعدے بتانے میں صرف کیا ہے۔ اس کی پہلی فصل میں جذر کعب اور ضرب تقسیم کا بیان ہے۔ دوسری فصل میں کسور اعشاریہ اور کسرِ عام کا بیان ہے۔ تیسری فصل میں جدول سے عدد اور لاگرتم حاصل کرنے کا طریقہ درج ہے اور چوتھی فصل میں لاگرتم کی مشق کے لیے تفصیلات درج ہیں۔

پانچویں باب میں جیب و مماس کی تعریف اور چھٹے باب میں جیب و مماس کی جدولیں تیار کرنے کی ترکیبیں بیان کی گئی ہیں۔ ساتواں باب علم مثلث کے بیان میں رقم کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا کتاب رفیع الحساب بڑی اہمیت کی حامل ہے اس میں جو لاگرتم کا فارمولا تفصیل کے ساتھ سمجھایا گیا ہے وہ علم حساب کی ایک اہم کڑی ہے۔ کسور اعشاریہ اور لاگرتم دونوں

---

[1] رفیع الحساب، رفیع الدین خاں شمس الامراء ثالث، سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدرآباد ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) (ص ۲)

(یہ کتاب کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے نشان ۵۰۱ پر موجود ہے)

کا جدید حساب سے گہرا تعلق ہے کیونکہ اس کے ذریعہ بڑی سے بڑی ضرب اور بڑی سے بڑی تقسیم کے مسائل کو بہت کم وقت میں حل کیا جا سکتا ہے اگر یہ کتاب زبان کی تبدیلی کے ساتھ دوبارہ شائع کی جائے تو محتسب ہی کو نہیں عوام الناس کے لیے بھی مفید رہے گی۔

رسالہ اصولِ حساب

۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) میں اسی سنگی چھاپہ خانہ سے ایک کتاب 'رسالہ اصولِ حساب' شائع کی گئی۔ یہ رسالہ ۲۰×۱۵ سینٹی میٹر کے ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع کے دو صفحات میں اعداد کی اشکال اور اُن کے لکھنے کے طریقے درج ہیں۔ یہ رسالہ سوال وجواب کے پیرائے میں لکھا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"اصولِ علم حساب ہندی زبان میں اہلِ فرنگ کے دستور پر نوسکھیوں کے لیے بیچ عہدِ نواب فلک جناب بندگانِ عالی حضرت آصف جاہ، نظام الملک، نظام الدولہ فتح جنگ میر فرخندہ علی خاں بہادر مدظلہٗ العالی کے بیچ سنگی چھاپہ خانہ سرکار نواب امیر کبیر شمس الامرا بہادر کے فرخندہ بنیاد حیدرآباد میں بیچ ۱۲۵۲ھ کے چھپا۔"[1]

کتاب کے ابتدائی دو صفحات میں اعداد کی شکل بنا کر دکھائی گئی ہے۔ "تنبیہ" کے عنوان سے حساب میں اختصار کے لیے استعمال کی جانے والی علامتوں کی تفصیل ہے:

'+'	جمع کی علامت
'−'	تفریق کی علامت
'÷'	قسمت کی علامت
'×'	ضرب کی علامت
'='	مساوات کی علامت

۱۔ اصول علم حساب، سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا، حیدرآباد ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) ص ۱

اس کتاب کی زبان سلیس ہے، لیکن جملوں کی ساخت قدامت کا رنگ اختیار کیے ہوئے ہے۔ 'عام کسروں کی تعریف' کے عنوان کے تحت مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

"ایک طریق اُس کے لکھنے کا اس طرح پر ہے کہ دو رقم لکھیں، ایک کو اوپر اور دوسرے کو تلے اور دونوں کے بیچ میں ایک لکیر کھینچیں۔ مثال '$\frac{1}{2}$' آدھا اور $\frac{1}{3}$، تہائی اور '$\frac{3}{4}$' تین چوتھائی اور '$\frac{5}{8}$' پانچ آٹھویں حصے۔ جاننا چاہیے کہ اوپر والے عدد کو 'شمار کنندہ' اور تلے والے کو 'نسبت نما' کہتے ہیں۔"[1]

مندرجہ بالا کتاب علم حساب کے ابتدائی درجوں کے طلبا کے لیے بہت مفید ہے۔ زبان اتنی آسان ہے کہ تھوڑی سی بہت تبدیلی کے ساتھ اگر اس کتاب کو دوبارہ شائع ہونے کا موقع ملا تو ابتدائی درجوں کے نصاب میں شامل کی جا سکتی ہے۔

رسالہ کسوراتِ اعشاریہ

۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں ایک کتاب 'رسالہ کسوراتِ اعشاریہ' کے نام سے تصنیف ہوئی۔ ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) کا کتابت شدہ ایک قلمی نسخہ اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد میں موجود ہے۔ ایک سال بعد ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں یہ کتاب سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا سے شائع ہوئی۔

زیر نظر مخطوطہ ۲۵ × $12\frac{1}{2}$ سینٹی میٹر کے سائز کے ۵۹ صفحات پر مشتمل ہے بہ خط نستعلیق اس مخطوطے کے ہر صفحہ پر گیارہ سطریں ہیں۔ اس کتاب کے مترجم کا نام نہیں دیا گیا۔ شمس الامرا کی اکثر کتابوں کے ساتھ یہی مسئلہ درپیش ہے کیونکہ اس عہد میں اجتماعی کام ہوا اور اسی سبب کتاب پر کسی ایک مصنف کا نام نہیں لکھا گیا۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"... بعد حمد حاسب حقیقی اور نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمانِ حساب پر پوشیدہ نہ رہے کہ یہ رسالہ مختصر زبان اُردو میں بطریق سوال و جواب تلمیذ اور اُستاد

۱۔ اصولِ علم حساب، سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا، حیدرآباد ۱۲۵۲ھ (۱۸۳۶ء) ص ۱۱

کے اصول علم حساب کسورات اعشرین کے کہ اُن کو کسور اعشاریہ بھی کہتے ہیں ...... پہلی گفتگو کسورات عشر کی تعریف اور جمع کسور اور تفریق کسور کے بیان میں ہے۔ دوسری گفتگو ضرب کسور کے بیان میں، تیسری گفتگو جذر و کعب وغیرہ کے بیان میں اور یہ رسالہ مرتب ہوا سن بارہ سے ترپن ہجری نبوی میں اور توقع یہ ہے کہ نظر سے طالبوں اس فن کے گذر کی سہو و خطائے عمل سے صلاح پذیر ہووے والیہ التوفیق" [1]

یہ کتاب حساب جدید کی ڈیسیمل فریکشن شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔ جب سے ڈیسیمل فریکشن رائج ہوا ہے ساری دنیا میں اسی طریقے پر ناپ تول کی اکائیاں بنائی گئی ہیں۔ مثلاً کلومیٹر یا کلوگرام ہی کو لے لیجئے سارا کام اعشاریہ کی وجہ سے مختصر ہو جاتا ہے۔ اُردو زبان میں یہ کتاب نقشِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔

پوری کتاب کو آٹھ گفتگوؤں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلی گفتگو میں عشر کی تعریف بیان کی گئی ہے اس کے بعد کسور کو جوڑنے اور گھٹانے کے طریقے درج کیے گیے ہیں۔ پہلی گفتگو کے آغاز کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"تلمیذ۔ حضرت! بندے کو اگرچہ علم حساب سے واقفیت ہے اور اس کے صحاح و کسور کے اعمال بندے کو سب معلوم ہیں لیکن بندے نے سُنا ہے کہ کسوراتِ اعشاریہ کے چند اصول ہیں کہ وہ اکثر علیم لاگرتم وغیرہ کے کام آتے ہیں وہ کیا ہیں اُمید کرتا ہوں کہ ان کسور عشر کی تعریف اور جمع کسور اور تفریق کسور کے بیان میں ان اصول سے سرفراز ہوں۔

اُستاذ۔ بہت اچھا تم کو اوسکے قاعدے سے جلد آگہی ہوگی کسواسطے کہ کسور کے اصول تم کو معلوم ہیں اور اس کسورات عشر کی حقیقت یہ ہے ....." [2]

اس طرح پہلی گفتگو میں تعریف کے بعد چھوٹی چھوٹی کسور کو سمجھایا گیا ہے جیسے ۷ ۳/۴ + ۲ ۵/۸ کا حل وغیرہ۔ پہلی گفتگو ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ ۱۶ سے دوسری گفتگو کا آغاز ہوتا ہے جس میں

۱۔ رسالہ کسورات اعشاریہ، مخطوطہ کتابت ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) (ص ۱، ۲) (مخطوطہ ریاضی ۴۳، اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد)

۲۔ ایضاً، ص ۳

کسور کو ضرب کر کے طریقے بتائے گیے ہیں تیسری گفتگو کسور کے تقسیم کرنے کے بارے میں ہے ۔ اس گفتگو میں آٹھ قسموں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد چوتھی گفتگو جذر و کعب وغیرہ کے بارے میں ہے جو صفحہ ۴۴ تک محدود ہے ۔ صفحہ ۴۴ پر ایک نقشہ بنایا گیا ہے اسی طرح کا ایک نقشہ ۵۱ پر بھی ہے ۔ کتاب کے اختتام پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے :

"تلمیذ ۔ جو کہ بندہ بھی دس پندرہ روز انھیں قاعدوں کو اپنے ذہن نشین کرتا ہے بعدہٗ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس علم کو حاصل کرے گا کس واسطے کہ حضرت کی عنایت بندے کے حال پر ہمیشہ مبذول و مصروف رہتی ہے اور سب طرح سے بندہ مرہون و ممنون ہے اب رخصت ہوتا ہے آداب بجالاتا ہے ۔

اُستاذ ۔ بہت مبارک ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس سے زیادہ ہدایت دے ۔" [1]

جس طرح لوگارتم علم حساب کو آسان اور کم وقت میں زیادہ فائدہ بخش بناتا ہے اسی طرح کسور اعشاریہ حساب کے بڑے بڑے تقسیم و ضرب کو آسان کر دیتا ہے خاص کر ایسی جگہوں پر جہاں پورا عدد نہ استعمال ہوا ہو بلکہ اس کے حصے اور ٹکڑے ضرب یا تقسیم کیے گیے ہوں صرف اعشاریہ کے نشان سے پوری کسر کو آسان کیا جا سکتا ہے ۔

ستّہ شمسیہ

ستہ شمسیہ کے نام سے چھ رسالے انگریزی سے ترجمہ کر کے شمس الامراء کے چھاپہ خانہ سے ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) میں شائع ہوئے ۔ ۲۰ × ۱۲½ سینٹی میٹر سائز پر یہ کتاب چھ جلدوں میں طبع ہوئی ۔

۱ ۔ علم جرثقیل

۲ ۔ علم ہیئت

۳ ۔ علم آب

---

۱ ۔ رسالہ کسورات اعشاریہ ، مخطوطہ کتابت ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) ۔ ص ۵۹

(مخطوطہ ریاضی ۳۷ ، اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد)

۴۔ علم ہوا
۵۔ علم مناظر
۶۔ علم برق

ان میں سے ہر رسالے کے آغاز میں دیباچہ عمومی ہے۔ ان میں سے پہلی جلد کا مخطوطہ سالار جنگ میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس میں سیاہ اور سرخ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ ہرے، گلابی، پیلے اور نیلے رنگ کے کاغذ استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ رسالہ ۳۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مخطوطے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"لائق حمد کے وہ حکیم مطلق ہے کہ جس کی قدرت کاملہ نے خلقت موجودات کو عناصر سے ایسا مرکب کیا کہ اس کی دریافت حقیقت میں عقل دوربین عاجز و قاصر ہے اور سزاوار نعت کے وہ صاحب لولاک ہے کہ جس کو اس حکیم نے مرکز ثقل کائنات کا اور جاذب اجزائے موجودات کا کیا ہے"[۱]

ہر رسالے کے آغاز میں ایک مجموعی دیباچہ جس میں کتاب کی تالیف کا سبب، اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دیباچہ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"بعد حمد و نعت کے بندہ نیاز مند درگاہ ایزدی کا محمد فخرالدین المخاطب بہ شمس الامراء اس طور پر گذارش رکھتا ہے کہ اکثر اوقات کتابیں چھوٹی بڑی علوم فلاسفہ کی جو زبان فرنگ میں مرقوم ہیں۔ بسبب میلان طبیعت کے بہت اس طرف شوق رکھتا تھا۔ میری سماعت میں آئیں۔ اس جہت سے چند مسائل ان کے ازبر تھے اور اگرچہ بعضے علوم فلاسفہ زبان عرب و عجم میں بھی مشہور ہیں، چنانچہ علم جر ثقیل اور علم انظار وغیرہ مگر اس قدر نہیں کہ جیسا اب اہل فرنگ نے ان کو دلائل اور براہین سے بدرجۂ کمال اثبات کیا ہے۔ بلکہ بعضے علوم اہل فرنگ میں ایسے رواج پائے ہیں... چنانچہ ان دنوں میں بحسب مدعا چند رسالے مختلف علوم فلاسفہ کے بطریق سوال و جواب کے لکھے ہوئے ریورنڈ جالس صاحب کے انگریزی زبان میں جو ۱۸۱۸ء میں بیچ شہر لندن کے چھاپے گئے تھے بہم پہنچے۔

۱۔ ستۂ شمسیہ۔ مخطوطہ کتابت شدہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) (ص ۱)

(مخطوطہ طبیعات ۵۱ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد)

ان میں سے رسالہ علمِ جرِ ثقیل اور علم ہیئت اور علم آب اور علم ہوا اور علم انظار کہ اس کے آخر میں مقناطیس کا رسالہ بھی شریک تھا اور علمِ برقک کا ... اور یہ چھ رسالے جو ترجمہ کیے ہیں وہ چھ علم پر مشتمل ہیں اس واسطے نام ان کا "ستۂ شمسیہ" رکھا گیا مناسب جان کے علم مقناطیس کو علم انظار کی جلد سے علیحدہ کر کے آخر میں جلد 'برقک' کے ساتھ شریک کیا گیا۔" [1]

علمِ جرِ ثقیل

رسالے کے پہلے باب میں، تعریفات اور علمِ جرِ ثقیل سے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں۔ اس باب میں ۳۵ موضوعات کی تعریف کی گئی ہے۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کی گئی ہے کہ اُن کو طلبا زبانی یاد کرلیں۔ ان میں سے کچھ، ہیولیٰ، کشش جسم، خلاصۂ جسمیت، انقسام، جنبش، خلاصۂ ہیولیٰ، اور حرکت وغیرہ ہیں۔ قوت المرکز کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

> "قوت المرکز وہ ہے کہ جس کے باعث سب اجسام بزور مرکز کی طرف میل کرتے ہیں اور اسی قوت کو کشش ثقل کہتے ہیں۔ مرکز ثقل وہ نقطہ ہے کہ جس میں جسم کا تمام وزن جمع رہتا ہے۔" [2]

اس کے بعد تین صفحات کی فہرست ہے جو ایک دیباچہ اور اکیس [21] گفتگوؤں پر مشتمل ہے۔ پہلی گفتگو 'بیچ مقدمے جرِ ثقیل' کے عنوان سے ہے جس میں مختلف انداز میں موضوع کی وضاحت اور اس کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سوال وجواب کے انداز میں لکھا ہے:

> "تلمیذ کلاں و تلمیذ خرد۔ ہم نے سنا ہے کہ علم طبیعی قدرتی اور امتحاناتِ فلسفی اس کے کمال عجیب ہیں اور مسائل اس کے بغایت تعجب انگیز ہیں اگر اس میں کام شروع فرمائیں تو کمال عنایت ہوگی۔

۱۔ ستۂ شمسیہ، مخطوطہ کتابت شدہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۳

(مخطوطہ طبیعات ۱، کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد)

۲۔ علمِ جرِ ثقیل (ستۂ شمسیہ جلد اوّل) مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدرآباد ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۱

اُستاذ۔ مناسب ہے بخوبی متوجہ تمہاری طرف تعلیم کے ہوتا ہوں کیونکہ بہ نسبت تمہاری خواہش و آرزو کے مجھے زیادہ میل ہے طرف جمع کرنے ان حقیقتوں کے۔[1]

دوسری گفتگو میں ہیولی اور اس کے اقسام سے بحث کی گئی ہے۔ تیسری اور چوتھی گفتگو میں کشش انجماد کا بیان ہے، پانچویں، چھٹی اور ساتویں گفتگو کشش اور ثقل پر مبنی ہے۔ آٹھویں، نویں اور دسویں گفتگو میں مرکز ثقل کا بیان ہے۔ گیارہویں تا تیرھویں میں کلیات و جزیات سے بحث کی گئی ہے اور ان کی تین تین قسموں سے مثالیں دی گئی ہیں۔ لچکدار اور غیر لچکدار چیزوں کی تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔ پندرھویں اور سولھویں گفتگو بیرم کے بیان میں ہے جبکہ چودھویں گفتگو جر ثقیل کی قوتوں کو سمجھاتی ہے اور چھ آلات کے نام دیے گئے ہیں جن سے جر ثقیل کی قوت ظاہر ہوتی ہے جیسے چرخ و محور، بیرم یا محل، بقرہ یعنی وہ چرخ جو اپنے محور پر گردش کرے، سطح مائلہ، اسفین جس کو پچر بھی کہتے ہیں اور لولب جسے طلسوط بھی کہتے ہیں۔ قوت جر ثقیل کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی وزنی چیز کو اٹھانا ہوتا ہے تو اس کا مرکز ایسی جگہ پر ہو جہاں زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال ہو سکے۔

سترھویں گفتگو میں جر ثقیل کے دوسرے آلے چرخ اور محور کا بیان ہے۔ اس میں طرح طرح کی چرخیاں اور رسیوں کی تصویریں بنا کر سمجھایا گیا ہے۔ اٹھارھویں گفتگو میں بکرے کے آلے کا بیان ہے جو جر ثقیل کی تیسری قوت ہے۔ اُنیسویں اور بیسویں گفتگو میں پانچویں قوت کا بیان ہے جو اسفن آلہ سے حاصل ہوتی ہے اکیسویں گفتگو میں جر ثقیل کی چھٹی قوت کا بیان ہے۔

نیوٹن کا نظریہ جو اس امر سے بحث کرتا ہے کہ ہر قوت کے برابر دوسری قوت ہوتی ہے جو برخلاف کام کرتی ہے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"اسی طرح سے ثقل اور رکاوٹ توپ و تفنگ کے گولے اور گولی کو حالت روانگی میں اثر کر کے خط مستقیم سے پھیر کر زمین پر لاتے ہیں۔ یاد رکھو زیادتی اور کمی طے مسافت گولے اور گولی کی نسبت رکھتی ہے مقدار باروت سے کہ اپنے مقام میں تفصیلاً مبین ہے۔"[2]

۱۔ علم جر ثقیل (ستہ شمسیہ جلد اوّل) مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدرآباد ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء)
۲۔ ایضاً

کتاب کے آخر میں علم جر ثقیل کے آلوں کی تیس اشکال دی ہیں جو لیتھو پر چھپی ہیں۔ ان اشکال پر نمبر درج ہیں اور کتاب میں جہاں جس شکل کا ذکر ہے۔ حاشیہ پر وہی نمبر تحریر کیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو۔ کتاب کے آخر میں مشق کے لیے سوالات دیے گیے ہیں تاکہ اُستاد شاگردوں سے سوالات کر کے جواب پوچھے۔ اس کتاب میں زبان جملہ کی ساخت وغیرہ قدیم اسلوب میں ڈھلی ہوئی ہے جیسے "چھاپے گیے بیچ شہر لندن کے، عرض خدمت رکھتا ہوں وغیرہ۔

علمِ ہیئت

ستۂ شمسیہ کی دوسری جلد علم ہیئت کے نام سے منسوب ہے جس میں ۴۴۳ صفحات ہیں۔ ابتدا میں تین صفحات کی فہرست ہے جو دیباچہ اور ۲۶ گفتگوؤں پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آخر میں دو۲ صفحات کا غلط نامہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب علمِ ہیئت طلبا کے لیے لکھی گئی ہے۔ صفحہ ۶ اور ۷ پر علمِ ہیئت کی بیس اشکال کی تفصیلی فہرست دی گئی ہے دیباچے کے بعد ۱۶ صفحات میں علمِ ہیئت کی تعریف اور معلومات درج کی گئی ہیں تاکہ طلبا اصل کتاب پڑھنے سے قبل انھیں زبانی یاد کرلیں۔ پہلی گفتگو میں اجرامِ علوی کو سوال وجواب کے طرز میں تحریر کیا گیا ہے۔ دوسری گفتگو میں ثوابت کی وجہ تسمیہ، شکلی اقسام اُن کے نام اور محل وقوع کو سمجھایا گیا ہے۔ تیسری گفتگو میں ثوابت اور منطقۃ البروج کی تعریف کی گئی ہے۔ چوتھی گفتگو میں تقویم کے علم کا ذکر ہے۔ پانچویں گفتگو میں نظام شمسی کے مسائل ہیں چھٹی گفتگو میں زمین کی شکل کو گول ثابت کرنے کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ساتویں گفتگو میں زمین کی گردش کا ذکر ہے۔ آٹھویں اور نویں گفتگو میں روز و شب ہونے کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ نویں سے بارھویں گفتگو موسموں کے بیانات پر مشتمل ہے۔ اور تیرھویں گفتگو میں سال کبیسہ اور اس کے پہچاننے کا ذکر ہے اٹھارھویں سے پچیسویں گفتگو تک مختلف ستارے مثلاً آفتاب، مشتری، زہرہ، زحل، عطارد اور دوسرے ستاروں کا جنھیں دُم دار ستارے کہا جاتا ہے ذکر کیا گیا ہے۔ چھبیسویں گفتگو میں دوبارہ ثوابت کا بیان ہے۔ عبارت کے نمونے کے طور پر مولی

کے بیان میں درج ہے :

"اب حرکتِ سالانہ زمین کو آفتاب کے گرد خیال کرو اس حالت میں کہ اس کا محور اس کے مدار کی طرف قطب شمالی کی جانب سے ۲۳ درجہ مائل ہے اور تمام گردش میں متوازی وضعِ اوّل کا رہتا ہے اس صورت میں تم دیکھو گے کہ زمین اپنے کہیں مدار پر پہنچے، شعائیں آفتاب کی خط استوا اور اُس کے ہر نقطہ سطح پر ۲۳ درجہ شمالی اور جنوبی میں عمود وار گرتی ہیں" [۱]

علمِ آب

ستۂ شمسیہ کی تیسری جلد علم آب ہے جو ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ لیتھو میں چھپی ہوئی ۳۶ اشکال بھی کتاب میں شامل ہیں۔ پوری کتاب اکیس [۲۱] گفتگوؤں میں تقسیم ہے۔ پہلی گفتگو سے ۱۵ ویں گفتگو تک علم آب، سیال اور اجسام وغیرہ کی تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔ پانی کی خصوصیاتِ کیمیائی اور اس کی مدد سے بنائے جانے والے آلوں کا بیان ہے۔ سولھویں اور سترھویں گفتگو میں ہائیڈرومیٹر کا قاعدہ تیرنے کے قوانین اور آرک میڈیز کے تیرنے کے قانون کا ذکر ہے۔ اس قانون میں بتایا گیا ہے کہ جب کوئی شے پانی پر تیرتی ہے تو اس کا اتنا ہی حصہ پانی میں ڈوبتا ہے جتنا پانی اس کی نسبت ہٹایا جاتا ہے۔ وزن کے برابر ہی چیزیں پانی ہٹاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لکڑی کے ٹکڑے پورے نہیں ڈوبتے اسی قانون کی عملی صورت کشتی اور پانی کا جہاز ہے۔

اٹھارھویں گفتگو میں سائیفن آلے کا بیان ہے۔ یہ آلہ کسی سیال کو ایک برتن سے دوسرے برتن میں منتقل کرنے کے کام آتا ہے۔ بیسویں گفتگو میں زبردستی کے پمپ (FORCE PUMP) کا ذکر ہے۔ اکیسویں گفتگو میں پمپ سے پانی کھینچنے کے طریقے سمجھائے گئے ہیں۔ تصویروں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ PRINCIPLE OF RELATIVE DENSITY

۱۔ علم ہیئت (ستۂ شمسیہ جلد دوم)، مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدرآباد ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۴۲

کیا ہے اس بارے میں تحریر کیا گیا ہے:

"سنو! پتھر ایک ثقیل جسم ہے اپنے ثقالت سے چاہتا ہے پانی کی تہہ کو فی الفور جا لگے جیسا ہوا میں حرکت کرتا ہے لیکن چونکہ پانی بھی جسمیت رکھتا ہے اور بہ نسبت ہوا کے ثقل ہے اس واسطے قوت اس قدر پانی کو جو ہم حجم پتھر کے ہے پتھر کو تیزیٔ رفتاری سے مانع ہوتی ہے اور جب تک اتنا جسم پانی کا کہ ہم حجم پتھر کے ہے اپنی جائے سے نہیں سرکنے کا پتھر کا ڈوبنا ممکن نہیں ہے۔" ل

علم ہوا

ستہ شمسیہ کی چوتھی کڑی ہے۔ کل صفحات ۳۳۵ ہیں آخر میں چار صفحات کا غلط نامہ اور پانچ صفحات پر علم ہوا کے آلوں کے نقشے دیے گیے ہیں۔ یہ کتاب ایک دیباچہ اور چوبیس گفتگوؤں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں جن مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے اُن کی وضاحت کر دی گئی ہے" اس میں ہوا کے وزن اور دباؤ اور ہوا کی لچک اور اس کے امتحانات کثیرہ جو ایر پمپ سے ہوتے ہیں اور آواز کی قدرتی تیزروی اور ہوا کی بندوق اور بات کرنے کی نفیری اور گونجوں کی طرح طرح کی تبدیلی اور پون اور بخار کے آلے کی ذاتی استعمالات اور پاپن صاحب کا آلہ تحلیل اور بیرامیٹر اور تھرمامیٹر اور ہیگرامیٹر اور آلہ بارش پیما اور ہوا سے گرمی اور سردی پہنچنے کا اور بارش اور شبنم اور شہاب کا بیان ہے۔" اس کتاب کی تیئسویں گفتگو کی عبارت یہ ہے:

"اُستاذ۔ اب اپنے بیان کو علم طبیعات کے آلات کی گفتگو میں تمام کرنے کے واسطے آج تم کو پیرامیٹر اور ہیگرامیٹر کی ترکیب اور عمل دکھاتا ہوں اور اس کتاب کو آلۂ بارش پیما کے بیان پر ختم کرتا ہوں۔

تلمیذ خُرد۔ حضرت پیرامیٹر کے معنی کہیے۔

اُستاذ۔ لفظ یونانی ہے اور اس کے معنی آتش پیما ہے اور یہ ایک آلہ ہے

ا۔ علم آب (ستہ شمسیہ جلد سوم)، سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدرآباد ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۶۶

منجمد چیزوں علی الخصوص معدنیات کے بڑھاؤ کی پیمائش کے واسطے "۔[۱]
اس کتاب میں مترجم نے پانچ مختلف قسم کے قواروں کے نقشے بھی شامل کیے ہیں جو کسی دوسری کتاب سے مستعار لیے گیے ہیں۔ علم ہوا پر یہ ایک مکمل کتاب ہے جس میں ہوا کی تمام جزیات پر بحث کی گئی ہے۔

علمِ مناظر

ستۂ شمسیہ کی پانچویں جلد علم مناظر ہے۔ اصل متن ۷۷ /۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں علمِ مناظر کی تعریف بھی دی گئی ہے۔ کتاب میں موضوع سے متعلق ۴۲ شکلیں بھی شامل ہیں۔ دیباچے کی عبارت میں تحریر کیا ہے:

" پانچویں جلد جو علمِ انظار کے بیان میں ہے اس میں ان چیزوں کا ذکر ہے روشنی اور اس کے اجزا کی خردی اور اس کی تیزروی اور اس کی انعکاسی اور انحرافی شعاعیں اور طرح طرح کے معذب اور مقعر اور مستوی آئینے اور موازی اور انبساطی اور انقباضی شعاعیں اور چشم کا نقشہ اور سیوپٹرک کی گولیاں یعنی عین الحکمت اور رنگوں کی کیفیت اور اناس فوز یعنی وہ چیزیں جو نظر آتی ہیں اور حقیقت میں موجود نہیں اور طبقاتِ چشم اور نظر کی ترکیب اور عینکیں اور قوس وقزح اور انعکاسی اور انحرافی دُوربین "۔[۲]

کتاب میں بتایا گیا ہے کہ روشنی کی شعاعیں خط مستقیم میں مسافت کرتی ہیں اس کا ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ اگر روشنی کا راستہ روک دیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ صرف اتنا ہی حصہ روشن رہتا ہے جو ٹھیک سامنے پڑتا ہے اور جو سیدھے راستے میں نہیں آتا وہاں اندھیرا رہتا ہے۔ کیمرہ وغیرہ اسی اصول کے تحت کام کرتے ہیں۔ عینک کے بیان سے بھی

۱۔ علم ہوا (ستۂ شمسیہ جلد چہارم)، سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدرآباد ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۳۰۲

۲۔ علم مناظر (ستۂ شمسیہ جلد پنجم)، مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدرآباد ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۲

ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ روشنی کے سات رنگ بتائے گئے ہیں :

"فرض کیا ہے کہ یہ سب رنگ پیدا ہوتے ہیں فقط نورانی جسم کی روشنی کے سبب جیسا آفتاب اور چراغ وغیرہ ہر ایک شعاعِ نور سات رنگ رکھتی ہے۔"[1]

علم مناظر پر مذکورہ بالا رسالہ اپنے موضوع سے متعلق بہت معلومات افزا ہے جو اس عہد میں اپنی نوعیت اور جدّت کے سبب بہت مقبول رہا ہوگا۔

علمِ برقک

ستۂ شمسیہ کی چھٹی اور آخری جلد علم برقک ہے۔ اس میں علمِ برقک اور مقناطیس کے مسائل پر بحث کی گئی ہے اس کتاب میں جو ۳۳۷ صفحات پر مشتمل ہے صفحہ ا سے ۲۰۶ر تک علم برقک اور صفحہ ۲۶۳ سے ۳۰۲ر تک علم مقناطیس اور ۳۰۳ر سے ۳۳۴ر تک فہرست سوالات دی گئی ہے۔ آخری تین صفحات پر گیال وینزم کے مسائل بیان کیے گیے ہیں علم برقک سولہ گفتگوؤں پر گیال وینزم اور علمِ مقناطیس چار گفتگوؤں پر مشتمل ہے :

"چھٹی جلد جو علم برقک اور گیال وَنیزم اور مقناطیس کے بیان میں ہے علمِ برقک میں حال کے جھٹکے کی کیفیت اور دفع اور اُس کے آلات اور لیڈن کے مرتبان اور لین صاحب کے الک ٹرامیٹر اور جھٹکے کے مورچے اور الک ٹرافورس اور بجلی کے مکان وغیرہ اور ہوا کے جھٹکے اور ابرسوزاں اور واٹراسپوٹ یعنی پانی کے فوّارے اور زلزلے اور معالجے کے جھٹکے اور آدمیوں کے جھٹکے وغیرہ کا بیان ہے۔"[2]

مقناطیس کی بہت سی خوبیاں اس کتاب میں دی گئی ہیں مثلاً اگر آنکھ میں لوہے کا باریک سفوف گر جائے اور کسی طرح نہ نکل رہا ہو تو مقناطیس کی مدد سے بہ آسانی نکالا جا سکتا ہے۔ برقک کے بیان میں لکھا ہے کہ اونچی اونچی عمارتوں کے اوپر برسات کے موسم میں اگر لوہے

۱۔ علمِ مناظر (ستۂ شمسیہ جلد پنجم) مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدرآباد، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۵۸

۲۔ علمِ برقک (ستۂ شمسیہ جلد ششم) مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدرآباد، ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۲

کی سلاخ لگائی جائے تو نقصان سے بچایا جا سکتا ہے۔ چوتھی گفتگو میں افتراق قطب نما کے بیان میں تحریر کیا گیا ہے:

"افتراق ہر ہر قطعۂ زمین میں بہت مختلف تفاوت سے ظاہر ہوتا ہے اب افتراق وہ نہیں ہے جو پچاس برس کے پیش از تھا اور اب اس وقت جو لندن میں ہے نہ بنگالے میں نہ ملک مستدکانے میں اور سوئی منحرف ہوتی جاتی ہے آہستہ آہستہ مشرق اور مغرب کی طرف اور یہ بات پہلے دریافت کی مسٹر بروز صاحب نے ۱۵۸۰ء میں" [1]

ستۂ شمسیہ کی سبھی جلدوں میں زبان و بیان کی خصوصیات ایک سی ہیں صرف جملوں کی ساخت سے قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کتابوں میں انگریزی اصطلاحات کا ترجمہ کر لیا گیا ہے۔ جہاں ممکن نہ ہو سکا وہاں انگریزی لفظ کو بجنسہٖ اُردو میں لکھ دیا گیا ہے۔

ستۂ شمسیہ، شمس الامراء کے چھاپہ خانہ سے دو[2] مرتبہ طبع ہوئی۔ پہلے ۱۸۴۰ء میں اور دوسری بار ۱۸۴۹ء میں اس کے بعد تیسری مرتبہ دہلی سے ۱۸۷۸ء میں اور چوتھی مرتبہ مدراس سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مطبوعہ نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ دہلی کا طبع شدہ ایک مطبوعہ نسخہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

منتخب البصر

یہ کتاب شمس الامراء کے سنگی چھاپہ خانہ سے ۱۲۵۷ (۱۸۴۱ء) میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دراصل محمد رفیع الدین کی فارسی کتاب رفیع البصر کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ[2] اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد میں محفوظ ہے اور مطبوعہ نسخہ ادارہ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد

۱۔ علم برقک (ستۂ شمسیہ جلد ششم) مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامراء حیدرآباد۔ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ء) ص ۱۵۵

۲۔ منتخب البصر، مخطوط کتابت ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) ص ۱

(مخطوط ۲۰۵ ریاضی، اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد)

میں موجود ہے۔

اس کتاب کا قلمی نسخہ ۲۲ × ½۱۲ سینٹی میٹر سائز پر سُرخ و سیاہ بخط نستعلیق تحریر کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جس کے ہر صفحہ پر گیارہ سطریں ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں رتن لال[1] نے کیا جو خود نواب شمس الامراء کے درباری شاعر تھے درست تخلص رکھتے تھے۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"بعد حمد اس صانع کے کہ جس نے اشکال کو گوناگوں سطح ہستی پر منقش کیا اور نعت اس کے حبیب کی کہ جس نے آب و رنگ شریعت سے اجسام جہاں کو جلوہ دیا۔ درود اوپر اُس کے اور اوپر آل و اصحاب اُس کے اہلِ بصیرت پر پوشیدہ نہ رہے یہ رسالہ موسوم بہ منتخب البصر بیچ علم دورنما کے کہ اسے علم انظار بھی کہتے ہیں۔"

یہ کتاب سوال وجواب کے پیرائے میں لکھی گئی ہے اس میں چھ مقالے ہیں جو سترہ گفتگوؤں پر مشتمل ہیں۔ پہلا مقالہ ضروریاتِ اعمال ہندسہ پر ہے جس میں نقطہ خطوط، زاویے، مربع اور دائرے وغیرہ کی تعریف اور اُن کے کھینچنے کے طریقے بیان کئے ہیں اور تین صفحات میں اس مقالے سے متعلق چھتیس ۳۶ ہندسی اشکال دی گئی ہیں۔

دوسرے مقالے میں علمِ دُور نمائی کے اصول کا بیان ہے جس میں کیفیتِ نظر، اصولِ نقشۂ ہندسی اور دورنمائی کے بارے میں سمجھایا گیا ہے۔ تیسرا مقالہ سطوح کے نقشے کھینچنے کے بیان میں ہے۔ مثال دے کر پچاس شکلوں میں اُن کا عمل منعکس کر کے دکھایا گیا ہے۔ چوتھے مقالے میں اجسام کے دُور نمائی کی تفصیل درج کی گئی ہے جس میں کمان، زینہ، ستون، مکان، موشور، کعب، ہرم، کرسی اور پرندوں اور ارتفاعی اجسام کی دورنمائی کا ذکر ہے اور وضاحت کے لیے اٹھارہ اشکال بنائی گئی ہیں۔ پانچویں مقالے میں اجسام کے سایہ کے نقشے کھینچنے کا ذکر

۱۔ رسالہ منتخب البصر کے سرورق پر مترجم کا نام غلط لکھا ہے دراصل ان کا نام پنڈت رتن لال مست ولد جینا لال تھا۔ ملاحظہ ہو: نقوش (خاص نمبر)، مرتبہ جاوید طفیل، لاہور ۱۹۸۷ء

ہے اس میں شعاعِ آفتاب، آفتابی سایہ اور چراغی سایہ سے بحث کی گئی ہے۔ اس مقالے کی تفصیل کو سمجھانے کے لیے چودہ اشکال درج ہیں۔ چھٹے مقالے میں عکسِ اجسام جو پانی اور آئینے میں اُجاگر ہوتا ہے اس کے نقشے کھینچنے کا ذکر ہے۔ کتاب کے آخر میں تین صفحات کا غلط نامہ دیا گیا ہے۔ کتاب کی زبان جملوں کی ساخت قدامت کا رنگ اختیار کیے ہوئے ہے جو اس عہد میں ضرور ادبی زبان رہی ہوگی، لیکن بہت سے الفاظ اب متروک ہو چکے ہیں نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"حضرت کی گفتگو سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص مینار کے نیچے سے لگا ہوا کھڑا ہے اور ایک آدمی اسی کے ہم قد مینار کی نوک پر کھڑا ہوا دونوں برابر نظر آنا ایسا کبھو بندے نے نہیں دیکھا کہ دونوں برابر نظر آدیں اُوپر کا آدمی ہمیشہ چھوٹا نظر آتا ہے نیچے کے آدمی سے بانسبت اُوپر کے نیچے کا آدمی چھوٹا نظر آتا ہے"[1]

کتاب کے آخر میں مادۂ تاریخ ایک قطعہ کے ذریعہ نکالا گیا ہے:

مرتب جب ہوا سب رسالہ — بحق سید ابرار نامی
تجسس کی جو میں نے اس کی تاریخ — کہی کل عقل نے انظار نامی
۱۲۵۳ھ

اگرچہ یہ کتاب ریاضی کے ذیل میں لکھی گئی ہے، لیکن درحقیقت یہ کتاب علمِ طبیعات سے متعلق ہے جسے علم مناظر اور انگریزی میں آپٹکس (OPTICS) کہتے ہیں فزکس کی ایک اہم ترین شاخ ہے۔ آپٹکس کے طلبا کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ اگر زبان کی تبدیلی کے ساتھ اسے دوبارہ شائع کیا جائے تو آج بھی کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔

رسالہ علم و اعمال کرے کا

یہ کتاب ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں تالیف ہوئی اور ۱۲۵۷ھ (۱۸۴۱ء) میں شمس الامرا کے سنگی چھاپہ خانہ سے طبع ہوئی۔ مطبوعہ کتاب کی ایک جلد ادارۂ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد میں موجود

۱۔ منتخب البصر، مخطوطہ کتابت ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) ص ۱۴۵
(مخطوطہ ۲۰۵ ریاضی، اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد)

ہے اور ایک جلد لائبریری عثمانیہ یونیورسٹی میں بھی موجود ہے۔

۲۱×۱۳ سینٹی میٹر سائز پر یہ کتاب چار سو آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیباچہ میں وضاحت کی ہے:

"پوشیدہ نہ رہے کہ یہ رسالہ ہے کرے کے علم و اعمال میں کہ جس کو علم اصطرلاب کروی بھی کہتے ہیں۔ ۱۲۵۵ھ نبوی میں حضرت شمس الامراء بہادر کے حسب الحکم مسٹر جوزہ اور بندہ رتن لال نے کہ دونوں ملازم سرکار فیض آثار نواب ممدوح کے ہیں انگریزی زبان سے اُردو میں ترجمہ کیا۔" [۱]

اس کتاب میں حکیم کیٹ کے بھی کچھ مسائل کا ترجمہ کیا گیا جو مسٹر جوزہ اور رتن لال نے مل کر کیا ہے یہ کتاب چار مقالوں پر مشتمل ہے پہلے مقالے میں تیرانوے سرخیاں ہیں۔ دوسرے مقالے میں باون سرخیاں ہیں۔ تیسرے مقالے میں اکیس سرخیاں اور چوتھے مقالے میں پندرہ سرخیاں دی گئی ہیں۔ فہرست مضامین اُنیس صفحات میں ہے۔ پہلے اور دوسرے مقالے کے تحت مضوعہ کی تعریف اور متعلقہ موضوعات کا بیان ہے۔ تیسرے مقالے میں کرۂ ارض کے اعمال سے بحث کی گئی ہے۔ چوتھے مقالے میں سیّاروں اور اجرامِ فلکی کا بیان ہے۔ کتاب کے اختتام پر تین صفحات میں منازل قمر، کی جدول ہے اور اس کی غرض و غایت کو واضح کیا گیا ہے۔ ایک صفحہ پر فائدہ کی سُرخی کے ساتھ تمام مفید باتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے بعد چار صفحات پر مشتمل غلط نامہ اور آخر میں چھ صفحات کرۂ ارضی، کرۂ سماوی، قطب نما، محور اور نصف النہار اور افق کرسی کے آٹھ نقشے دیے گیے ہیں۔ چوتھے مقالے سے ایک اقتباس پیش ہے:

"جب اس کا طول آفتاب کے طول سے کم ہوتا ہے تو طلوع آفتاب سے قبل نظر آتا ہے اس وقت اس کو کوکب صباحی یعنی صبح کا تارا کہتے ہیں اور جب زیادہ ہوتا ہے تو غروب آفتاب کے بعد دکھائی دیتا ہے اس وقت اس کو کوکب مسائی یعنی شام کا تارا کہتے ہیں اور یہ اپنا دورۂ محوری نو ساعت چھپّن دقیقے میں تمام

۱۔ رسالہ علم و اعمال کرے کا، مترجم جوزہ و رتن لال، مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا، حیدرآباد (۱۸۴۱ء) ص ۲
(یہ کتاب ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد میں ۵۱۹ پر اور عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری میں ۸۲۳۰/۴۰۷ پر موجود ہے)

کرتا ہے۔"[1]

مذکورہ بالا رسالہ اپنی موضوعی دلچسپی کے سبب اس عہد میں بہت مقبول رہا ہوگا کیونکہ اس سے اس کی جامعیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شمس الامرا نے اُردو ادب اور خصوصاً سائنسی اور ریاضی علوم کے میدان میں ہندوستان میں پہلی اجتماعی کوشش کی جس میں پر صلاحیت عالموں کو تلاش کر کے جمع کیا اور ان سے تراجم اور تالیفات کرائیں جب کہ وسائل کے اعتبار سے یہ عہد ترقی یافتہ نہیں تھا اور سیاسی اعتبار سے بھی طرح طرح کی دشواریاں حائل تھیں۔ پریس ناپید تھے۔ لیکن ایسے بے آب و گیا عہد میں انھوں نے اپنے تمام عیش و آرام کو پس پشت ڈال کر تعلیمی ترقی اور سائنسی شعور بیدار کرنے کے لیے نہ صرف دارالترجمہ کا اہتمام کیا بلکہ کتابیں چھاپنے کے لیے اپنا ذاتی مطبع قائم کیا اور ایسی درس گاہیں بھی کھولیں جن میں جدید تعلیم کا معقول انتظام تھا۔ انھوں نے صرف ہندوستان کے علما کی ہی خدمات نہیں حاصل کیں بلکہ غیر ملکی عالموں سے بھی اس میں مدد لی اور خود بھی تالیفات کے سلسلے میں نمایاں حصہ لیا۔ انھوں نے اپنے وطن کو نہ صرف سائنسی شعور سے روشناس کرایا بلکہ اس وسیع علم سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ بھی بیدار کیا اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے دولت کو اس عظیم خدمت کے لیے وقف کر دیا اور عرصۂ دراز تک اس طرح کی خدمت باقاعدہ اور تسلسل کے ساتھ ہوتی رہی۔

یقیناً اہلِ علم شمس الامرا اور اس عہد کے علمی کارناموں کو کبھی نہ بھلا سکیں گے اور اس زرّیں عہد کو علم و عمل کا روشن باب سمجھ کر یاد رکھیں گے۔

۱۔ رسالہ علم و اعمال کرے کا، مترجم جونہ دو تن لال، مطبوعہ سنگی چھاپہ خانہ شمس الامرا حیدرآباد (۱۸۴۱ء)

(یہ کتاب ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں ۵۱۵ پر اور عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری میں ب ۸۲۳۰ ج ع پر موجود ہے)

باب سوم

شاہانِ اودھ

شاہانِ اودھ کی علمی، ادبی اور سائنسی خدمات کا ذکر کرنے سے بیش تر اس دور کے ہندوستان کے سیاسی و سماجی پس منظر پر نظر ڈالنا ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ کیا عوامل تھے جن کے سبب ہندوستان کی تعلیمی حالت پس ماندہ رہی۔ پندرھویں اور سولھویں صدی کے ہندوستان میں علوم و فنون کی ترقی تمام دیگر ممالک سے بلند درجے پر تھی۔ یہاں کے علماء طب، ادب، علمِ نجوم اور ریاضی میں بہت ترقی کر چکے تھے یہ الگ بات ہے کہ یہ ترقی ایک محدود دائرے میں سمٹی ہوئی تھی اور وہ علماء جنھوں نے اس سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں اس کے باوجود ان کی اشاعت و فروغ کے وسائل مہیا نہ تھے۔ ان کے علوم کی روشنی قلمی کتابوں کے ذریعے مغربی ممالک تک پہنچ چکی تھی، تجارتی قافلے جہاں اشیائے خورد و نوش کے تبادلے کا کام ایک ملک سے دوسرے ملک تک کرتے تھے وہیں تہذیب و تمدن علوم و فنون کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ فرانس علوم و فنون کی بدولت دنیا میں سب سے آگے تھا اور اسی سبب وہاں کا تعلیمی نظام بھی دوسرے ممالک کی بہ نسبت معیاری اور اعلیٰ قدروں کا حامل تھا۔ لیکن بہ قول احمد الدین احمد مارہروی:

"سولھویں صدی سے قبل ہماری تعلیم یورپ سے ہر طرح افضل تھی۔۔۔۔
مشینوں کی ایجاد اور زراعت، صنعت و تجارت میں سائنس کے دخل سے

مغربی ممالک کو پیش قدمی حاصل ہو گئی ۔ ہندوستانی بدستور مابعد الطبیعیات کے پرانے نظریوں پر غور کرتے اور علم کو محض علم کی غرض سے حاصل کرتے رہے، لیکن مغربی محققین نے علم کو ابنائے جنس کی بہبودی کے واسطے استعمال کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی تعلیم پیچھے رہ گئی ...." [1]

ہندوستانی تعلیم کے پیچھے رہنے کی ایک بڑی وجہ اس عہد کے وہ سیاسی حالات بھی ہیں جس میں ہندوستان کشمکشِ اقتدار اور حصولِ حکومت کی رسّا کشی کا شکار ہوا، اور اسی کشمکش اور رسّا کشی کا فائدہ انگریزوں کے تجارتی ادارے "ایسٹ انڈیا کمپنی" نے بخوبی اٹھایا [2] انگریزوں کی سازشی ریشہ دوانیاں فرمانرواؤں پر اظہر من الشمس تھیں پھر بھی بہت سے فرمانروا انگریزوں سے مخالفت لینے کو تیار نہ تھے، لیکن جنوبی ہند میں مدراس کے حالات نواب علی وردی خاں پر روشن ہوئے تو نواب موصوف نے کمپنی کے نمائندوں کو بلا کر ان سے کہا :

" تم لوگ سوداگر ہو تمھیں قلعوں کی کیا ضرورت ؟ جب تم میری حفاظت میں ہو، تب تمھیں کسی دشمن کا ڈر نہیں ہو سکتا " [3]

لیکن انگریزوں نے عذر پیش کر کے نواب کو مطمئن کر دیا اور تجارت کی آڑ میں ہندوستان پر اپنا تسلّط قائم کرنے کی ابتدا کی ۔ انگریزوں نے جہاں اس ملک کو اپنا غلام بنایا اور یہاں کی دولتوں کو سمیٹا وہیں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ادارے بھی قائم کیے جو بعد میں تعلیمی اداروں میں تبدیل کر دیے گیے اور ان اداروں میں جدید علوم اور سائنسی تعلیم کی بھی ابتدا ہو گئی جس کا مقصد تعلیم کم اور عیسائیت کی تبلیغ زیادہ تھا ۔ برطانوی تعلیم کی ابتدا میں سب سے پہلے مدبّروں اور منتظموں نے نہیں بلکہ مذہبی مصلحوں نے اپنی خواہش کا

---

۱ ۔ نظام تعلیمات، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، دیباچہ مترجم احمد الدین احمد مارہروی، الٰہ آباد، (۱۹۳۳ء) ص ۴

2. GLIMPSES OF BENGAL IN THE NINETEENTH CENTURY, R.C.MAJUMDAR, CALCUTTA: 1960, p. 21.

۳ ۔ بھارت میں انگریزی راج (جلد اوّل) پنڈت سندرلال، پرکاشن وبھاگ بھارت سرکار دلّی (۱۹۶۰ء) ص ۱۲۷ (ہندی)

اظہار واضح طور پر کیا کہ انگلستان کو چاہیے کہ وہ انگریزی زبان کی ترویج کر کے ہندوستانیوں کو اپنے تمام علوم و فنون سے آگاہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ مذہبی تبلیغ کے لیے راستے ہموار کرے۔ چارلس گرانٹ کی وکالت (۱۷۹۲ء) کو ہندوستان کی انگریزی تعلیمی تحریک کی ابتدا سمجھنا چاہیے۔[1]

انگریز مذہبی مصلحوں کا مقصد ہندوستان میں مسیحیت کی تبلیغ تھا۔ اور اسی نکتۂ نظر سے وہ انگریزی تعلیم کے ذریعے اپنے سیاسی اقتدار کے لیے بھی کوشاں رہے۔[2] ہندوستان اس وقت صوبائی ریاستوں اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں بٹ کر اپنی سالمیت کے ٹکڑے کر چکا تھا اور یہ چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں اور سلطنتیں آپسی جھگڑوں میں اس قدر منہمک تھیں کہ انھیں انگریزوں کے اس مقصد سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ ہی تعلیمی نظام کی طرف کوئی خاص توجہ تھی۔ اس عہد کے تاریخی مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی زبان کی تعلیم کے واسطے سب سے پہلے ۱۸۱۸ء میں کاری مارشمین اور وارڈ نے سیرام پور میں مشن کالج قائم کیا تھا اور پہلی یونی ورسٹی جامعہ دینیات تھی۔ جس کا اجازت نامہ شاہ ڈنمارک نے (۱۸۲۷ء) میں دیا تھا۔ ۱۸۳۴ء میں فارسی کے دفتروں کو خارج کر دیا گیا۔ اور یہ طے ہوا کہ آئندہ کالجوں اور ہائی اسکولوں میں تعلیم انگریزی زبان میں دی جایا کرے گی۔[3]

ہندوستان میں جدید علوم و فنون کی راہیں انگریزوں کے تسلّط سے پہلے ہی استوار ہو گئی تھیں جن میں ایک ادارے کی حیثیت سے شاہانِ اودھ کو مرکزیت حاصل رہی۔ یوں تو انفرادی طور پر بہت سی کوششیں ریاضی، کیمیا، طبیعیات، حیاتیات، طب، ہیئت، نجوم اور موسیقی وغیرہ پر کی گئیں لیکن ان میں باقاعدگی نہ تھی دوسرے ان کی اشاعت و ترویج کے لیے اس عہد میں وہ ذرائع و وسائل بھی مہیا نہ تھے جو بعد میں ہندوستان کو میسر آئے۔ شاہانِ اودھ کے بارے

۱۔ نظامِ تعلیمات، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، مترجم احمد الدین احمد مارہروی۔ الٰہ آباد (۱۹۳۳ء) ص ۳۲۳

2. OUDH AND THE EAST INDIA COMPANY, PURNENDU BASU, LUCKNOW: 1943, p.100.

۳۔ نظامِ تعلیمات، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، مترجم احمد الدین احمد مارہروی۔ الٰہ آباد (۱۹۳۳ء) ص ۳۲۲

میں ان کی عیش پرستی اور اقتدار کی رسّاکشی کے متعلق تو بہت کچھ ملتا ہے بہ قول مولوی عبدالحلیم شررؔ:

"..... تاریخ میں حکمرانانِ اودھ کی بُری تصویر دکھائی گئی ہے جس میں ان رپورٹوں نے بڑی مدد دی ہے جو لکھنؤ کے رزیڈنٹ تیار اور مرتب کر کے بھیجا کرتے تھے مگر ہم مصنف سے عرض کرتے ہیں۔ ع

"عیب او جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو"

انھیں بدنام فرمانرواؤں کے ہاتھوں نے بہت سے اچھے کام بھی کیے ہیں۔"[1]

انگریزوں کی اس پست ذہنیت کے بارے میں گارساں دتاسی نے نواب واجد علی شاہ فرمانروائے اودھ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"واجد علی شاہ اور اُن کی حکومت کو بدنام کر کے اودھ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے ناپاک مقصد سے انگریزوں اور ان کے ضمیر فروش ہندوستانی پِٹھوؤں نے پروپیگنڈہ کر کے وہ مہم چلائی کہ واجد علی شاہ کا نام عیش کوشی اور نفس پرستی کا مترادف بن گیا کون تصوّر کر سکتا ہے کہ اس بدنام بادشاہ کو اپنی ہوسناکیوں اور عشق بازیوں سے کتابیں لکھنے کی فرصت ملی ہوگی۔ پھر کتابیں بھی دو چار نہیں دس بارہ نہیں، تو سے زیادہ۔"[2]

شاہانِ اودھ کی علم دوستی اور سائنسی معلومات سے شغف کے بارے میں مؤرخوں نے بخل اور مصلحت کوشیوں سے کام لیا ہے اور ان کے ان تاریک پہلوؤں کو اُجاگر کرنے میں اپنا زورِ قلم دکھایا جن میں وقتی مفاد پوشیدہ تھا۔ ایسا بھی غالباً ہو سکتا ہے کہ یہ مؤرخ بھی انگریزوں کے اسی پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے ہوں[3] جو انھوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اختیار کر رکھے تھے۔ قدیم تاریخوں میں کہیں کہیں صرف تذکرے کی حد تک اس بارے میں

۱۔ تاریخ اودھ حصہ اوّل مولوی حکیم نجم الغنی خان رام پوری، دیباچہ عبدالحلیم شررؔ، مطبع نول کشور لکھنؤ (۱۹۱۹ء) ص ۹

۲۔ خطباتِ گارساں دتاسی خطبہ ہفتم بہ حوالہ تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ، امجد علی خاں، واجد علی شاہ اکادمی لکھنؤ (۱۹۷۸ء) ص ۱۹۷

۳۔ اتر پردیش میں سوادھینتا سنگرام کی ایک جھلک، کنہیا لال مسرا، راما پریس لکھنؤ (۱۹۷۱ء) ص ۲ (ہندی)

لکھا گیا ہے مثلاً ''سوانحاتِ سلاطین اودھ'' میں صرف چند سطروں میں ہی ان کی علمی خدمات کو سراہا گیا ہے نواب معتمد دلہ آغا میر کے تذکرے میں تحریر ہے :

''۱۸۱۵ء میں اسٹریچی صاحب رزیڈنٹ گوالیار جو جنرل مارکم صاحب کے ساتھ کابل وایران گئے تھے انھیں ریزیڈنٹ کیا جب وہ داخل لکھنؤ ہوئے کرنل صاحب بسواری بجرہ ہائے سرکاری دریائے گومتی سے روانہ کلکتہ ہوئے وہاں سے سیدھے ولایت چلے گئے بہت سا اسباب تحفۂ ہندوستان خصوصاً کتب قلمی خط ولایت وغیرہ لے گئے۔''[۱]

اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد میں تصنیف و تالیف کا کام خوب ہوا، جس کی قلمی کتابیں ہندوستان سے باہر لے جائی گئیں ان کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کتابیں کن موضوعات سے تعلق رکھتی تھیں۔ یقیناً یہ ایسے ہی موضوعات سے متعلق ہوں گی جو اس عہد میں اپنی اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے ممتاز رہی ہوں گی ''سوانحاتِ سلاطین اودھ'' میں نواب منتظم الدولہ کی علمی اصلاحات کے سلسلے میں ملتا ہے :

''چھاپہ خانہ سلطانی لیتھ گرافک یعنی پتھر کا ارچر صاحب کو دیا پانسو روپیہ درماہہ کر کے''[۲]

نواب منتظم الدّولہ کا عہد ۱۸۳۰ء تک ہے اور مندرجہ بالا تذکرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۳۰ء میں لیتھو پریس[۳] شاہانِ اودھ کے پاس موجود تھا۔

شاہانِ اودھ کا سائنسی اور جدید علوم سے متعلق باقاعدہ عہد کا احاطہ ۱۸۳۲ء (یعنی تصنیف کا کام تو پہلے ہی شروع ہو چکا تھا لیکن طباعت و اشاعت کی باقاعدہ ۱۸۳۲ء سے ابتدا ہوئی) سے ۱۸۵۳ء تک ہے۔ اس عرصے میں نواب غازی الدین حیدر، نواب نصیر الدین حیدر

۱۔ سوانحاتِ سلاطین اودھ، جلد اوّل، سید محمد میر صاحب، مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ (۱۸۹۶ء) ص ۲۱۱

۲۔ سوانحاتِ سلاطین اودھ، جلد اوّل، سید محمد میر صاحب، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، (۱۸۹۶ء) ص ۲۲۱

3. THE RAJ THE INDIAN MUTINY AND THE KINGDOM OF OUDH, JOHN. PEMBLE, LONDON: 1977, p. 9.

امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ، اودھ کے قابلِ ذکر حکمراں رہے ہیں اور ان سبھی نے اپنی اپنی توفیق کے مطابق خود بھی نئے علوم سے متعلق کتابیں ترتیب دیں اور دیگر اصحابِ علم سے سائنسی کتابوں کے ترجموں اور تالیفات میں مدد بھی لی۔ اربابِ اقتدارِ اودھ کے علاوہ عبدالسلام لکھنوی، سید کمال الدین حیدر وغیرہ وہ شخصیتیں ہیں جنھوں نے متعدد انگریزی کتابوں کے اُردو میں ترجمے کیے۔

نواب غازی الدین حیدر کی پیدائش ۲۴ اگست ۱۷۷۴ء بروز جمعرات کو ہوئی۔ غازی الدین حیدر، نواب سعادت علی خاں کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ نواب سعادت علی خاں کے انتقال کے بعد اسی خاندان کے کسی فرزند کا مسند نشیں ہونا ایک کرشمہ ہے کیوں کہ انگریز چاہتے تو ان کی حکومت پر اپنا تسلط جما سکتے تھے، لیکن اس وقت خود انگریز بھی کس مپرسی میں مبتلا تھے، خزانہ خالی ہو چکا تھا اور بہ قول پنڈت سندر لال "خود انگریزی علاقوں کے اندر بھی کمپنی کی ہندوستانی رعایا بے حد تکلیف میں اور غیر مطمئن تھی"۔ [1]

بچپن میں نواب آصف الدولہ نے غازی الدین کو اپنے زیرِ نگرانی تربیت دینا چاہی۔ لیکن نواب سعادت علی خاں کو یہ منظور نہ ہوا اور خود اپنے ہی زیرِ نگرانی بیٹے کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کیا۔ نواب سعادت علی خاں خود بھی فلسفہ، لسانیات اور ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے اس لیے غازی الدین کو بھی اس فن میں مشاق کر دیا۔ ۱۸۱۴ء میں نواب سعادت علی خاں چوں کہ انگریزوں کی بالا دستی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اسی سبب انگریزوں نے انھیں زہر دے کر ختم کروا دیا[2] اس کے بعد غازی الدین حیدر مسند تخت پر جلوہ افروز ہوئے:

"شاہِ زمن غازی الدین حیدر بادشاہِ اوّل ۱۸۲۷ - ۱۸۱۴ء موصوف بہ قول نواب وزیر علی خاں اودھ کے ساتویں نواب اور نواب سعادت علی خاں کے بڑے بیٹے تھے۔ انگریزوں کے بہکانے سے انھوں نے شہنشاہِ دہلی سے رشتہ توڑ کر ۱۸۱۹ء

۱۔ بھارت میں انگریزی راج (جلد اول)، پنڈت سندر لال، پرکاشن وبھاگ بھارت سرکار دلّی، ۱۹۶۷ء، ص ۵۳۱ (ہندی)

۲۔ واجد علی شاہ اور اودھ کا پتن، پری پورنا نند ورما، سمیلن پریس پریاگ (۱۹۵۹ء)، ص ۴۶ (ہندی)

میں اپنی (خود مختار) بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس طرح موصوف اودھ کے پہلے بادشاہ زیرِ اقتدار سرکار کمپنی تھے۔" [۱]

نواب غازی الدّین حیدر کے اعلان کرتے ہی کمپنی کے کارندوں اور حریص انگریزوں نے ان کی شہنشاہیت کو پامال کرنے اور عوام میں متنفر کرنے کے لیے انھیں اقتصادی اعتبار سے تباہ کرنے کی سازش کی اور قرضے کے نام پر ۲ کروڑ پچاس لاکھ روپیہ وصول کر لیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی جو اقتصادی اعتبار سے کمزور ہوگئی تھی ازسرِ نو طاقت ور ہوگئی۔ غازی الدّین حیدر کو احسان کا بدلہ تو کیا ملتا کمپنی کے افسران کا رویہ توہین آمیز ہوگیا اس طرح کمپنی ان کی عوامی ساکھ کو پامال اور اہلِ خاندان میں رسوا کرنا چاہتی تھی اور اس سے بڑے فائدے (اقتدار کا حصول) کی آرزومند تھی جس کے سبب اودھ کی حکومت مشکلات کا شکار ہوگئی۔ نواب غازی الدّین انگریزوں کی شرارت کو بہ خوبی سمجھتے تھے لیکن سیاسی مصلحتیں انھیں کوئی سنگین قدم اٹھانے سے روک دیتی تھیں۔ آخر کار ۵۶ برس کی عمر میں ۲۰ راکتوبر ۱۸۲۷ء کو وہ تمام الجھنوں سے نجات حاصل کرتے ہوئے انتقال کر گئے۔ [۲]

غازی الدّین حیدر خود بھی ذی علم اور کثیر المطالعہ شخص تھے۔ ایک انگریز سیّاح بشپ ہیبر نے ان کے کردار اور وسعتِ معلومات کی تعریف کی ہے ان کی خدمات کے بارے میں امجد علی خاں کا خیال ہے کہ:

> "ان کے علمی مذاق کے باعث ان کے دورِ حکومت میں علمی سرگرمیوں کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ مدرسہ علومِ مشرقی کا قیام، چھاپے خانوں کا رواج، کتابوں کی اشاعت وغیرہ کے لیے اس دور کو یاد کیا جاتا ہے۔" [۳]

یوں تو شاہانِ اودھ کا سائنسی علوم و فنون سے متعلق عہد کا آغاز ۱۸۲۳ء سے ہوتا ہے

۱۔ بیگماتِ اودھ، شیخ تصدق حسین، کتاب نگر دین دیال روڈ لکھنؤ (۱۹۵۷ء) ص ۶۲

2. TARIKH-e-BADSHA BEGUM; MOHD. TAQI AHMAD, DELHI: 1938, p.55.

۳۔ تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ، امجد علی خاں، سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۷۸ء) ص ۱۴۶

لیکن ابتدا، غازی الدّین حیدر سے ہوتی ہے اس بارے میں مولانا عبدالحلیم شرر کا بیان اہمیت کا حامل ہے:

"لکھنؤ میں عہدِ غازی الدّین حیدر (۱۸۱۴ء تا ۱۸۲۷ء) آرچی نام ایک یورپین نے آ کے لوگوں کو مطبع کا خیال دلایا اور جب اہلِ علم مشتاق ہوئے تو اس نے پہلا مطبع لکھنؤ میں کھولا۔ اس نے پریس اور تمام سامان یہیں تیار کرا کے چھاپنا شروع کیا۔" [1]

غازی الدّین حیدر کا عہد علمی اعتبار سے سائنسی اور مغربی علوم و فنون پر مبنی عہد کے آغاز کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ مطبع سلطانی سے جس کا آغاز ہوا۔

نصیر الدّین حیدر شاہ عرف مرزا علی حیدر ۲۲ رجمادی الاوّل ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) میں غازی الدّین حیدر کے خاص محل میں نواب بادشاہ بیگم کے بطن سے پیدا ہوئے۔ باپ کے انتقال کے بعد ۱۸۲۷ء کو تخت نشین ہوئے [2] اور ابوالنصر قطب الدّین سلیمان جاہ شاہ جہاں نصیر الدین حیدر بادشاہِ غازی کا لقب اختیار کیا۔ ان کے عہد میں رفاہِ عام کے بہت سے کام سرانجام ہوئے:

"وکٹوریہ اسٹریٹ پر ڈاکٹری اسپتال اور چوک بازار میں یونانی شفاخانہ قائم کیا گیا۔ اسپتال کے قریب غریبوں محتاجوں کے لیے ایک غریب خانہ اور کوڑھیوں کے لیے ایک صحت خانہ کی بنیاد بادشاہ نگر کے قریب ڈالی گئی۔ ان کے علاوہ ایک رصد خانہ (موجودہ امپیریل بنک) اور کربلا بھی محلہ ارادت نگر میں موجودہ شیعہ کالج کے قریب تعمیر کرائی۔ مدرسہ اور چھاپہ خانہ جاری کیا۔" [3]

نصیر الدّین حیدر کے عہد سے باقاعدہ کتابوں کے تراجم کا آغاز ہوا، لیکن ان کے مخالفوں

۱۔ گذشتہ لکھنؤ، مولانا عبدالحلیم شرر، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ نئی دہلی ستمبر (۱۹۷۱ء) ص ۱۷۶

۲۔ اودھ کی لوٹ، ترجمہ راجیندر پانڈے، بھارتی ودیا پرکاشن پریس بنارس (۱۹۶۶ء) ص ۳۰۲ (ہندی)

۳۔ بیگمات اودھ، شیخ تصدق حسین، کتاب نگر، دین دیال روڈ لکھنؤ (۱۹۵۶ء) ص ۹۱

نے ان کو بھی اپنے رشک و حسد کا ہدف بنایا اور ۲۰ر اکتوبر ۱۸۲۷ء کو عین عالم شباب میں نصیر الدین حیدر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔[1]

امجد علی شاہ کی پیدائش خاص محل نواب ملکہ آفاق کے بطن سے ہوئی۔ ان کے والد نے ۱۸۳۷ء میں ولیِ عہد سلطنت نامزد کیا۔[2] اپنے والد محمد شاہ کی وفات کے بعد ۱۶ر مئی ۱۸۴۲ء کو اودھ کے مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت سے تاجِ شاہی زیبِ فرق کیا اور صرف پانچ سال تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد ۱۳ر فروری ۱۸۴۷ء کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔

امجد علی شاہ کے عہد میں تصنیف و تالیف کا بڑا اہتمام رہا۔ انھوں نے اپنی ولی عہدی کے دور سے ہی علمی کاموں میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ وہ اپنی علمی لیاقت کے سبب اپنی ذات میں خود ایک ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس بارے میں سبط محمد نقوی رقم طراز ہیں کہ:۔

"عہد امجدی کا سب سے اہم علمی کارنامہ مدرسہ سلطانیہ کا قیام ہے جو وقف حسین آباد کی بدولت آج بھی جاری کی صورت میں ان کی بقائے نام کا باعث بھی ہے اور ترویجِ رُوح کا ذریعہ بھی۔"[3]

امجد علی خاں نے سائنسی علوم کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا انھیں ہیئت کے مشاہدوں کا بے حد شوق تھا ان کے عہد میں اس رصد خانۂ سلطانی کی بھی تکمیل ہوئی جس کا آغاز نصیر الدین حیدر کے عہد میں ہوا تھا اور اس زمانے میں دس سال کی محنتِ شاقہ کے بعد کرنل ولکاکس (COL. WILCOX) نے مشاہداتِ کواکب کے متعلق اپنی کتابیں مکمل کی تھیں۔ ان کتابوں کی اشاعت کے لیے مطبع الہ آباد تجویز ہوا تھا اور اس کے لیے حکومتِ اودھ نے سات ہزار روپیہ بھی منظور کر دیا تھا۔ لیکن عین وقت پر کرنل ولکاکس کا انتقال ہو گیا۔ جس کے سبب یہ کتابیں

---

1. THE ORCHID HOUSE, MICHAEL EDWARDES, LONDON : 1960, p. 106.

۲۔ تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ۔ امجد علی خاں۔ واجد علی شاہ اکادمی لکھنؤ (۱۹۷۸ء) ص ۱۲۳

۳۔ امجد علی شاہ۔ سبط محمد نقوی۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۷۶ء) ص ۱۱۹

شائع نہ ہوسکیں۔

امجد علی شاہ اپنے جدِ امجد نصیرالدین حیدر کی طرح علوم و فنون کا دلدادہ تھا اور نصیرالدین نے جو رصد خانہ قائم کیا تھا اس میں تعطل کا سبب دوسرے فرماں رواؤں کی کوتاہیاں ہی نہ تھیں، بلکہ اس عہد کی سیاسی مجبوریاں بھی حائل رہیں۔ امجد علی شاہ نے اس رصد خانے کی تجدید و تکمیل میں نمایاں حصہ لیا:

"رصد خانہ، چھ سات لاکھ روپے کے خرچ سے مکمل ہوا اور کچھ کتابیں بھی چھپیں۔"[۱]

رصد خانے کی تجدید کرنے کے بعد تالیفات کا دور شروع ہوا اور امجد علی شاہ اور اس عہد کے مجتہد العصر سلطان العلماء نے بھی رصد خانے کی خدمت کو اپنا شعار بنایا[۲]۔ جس کے سبب اس عہد میں بہت سی جدید علوم سے متعلق کتابیں دیگر زبانوں سے اردو میں ترجمہ ہوئیں اور نئی تصنیفات بھی کی گئیں اس مقام پر مولانا مرتضیٰ حسین فاضل کا یہ تبصرہ نقل کرنا مناسب ہوگا:

"سائنس کی کچھ کتابوں کے ترجمے کمال الدین حیدر نے کئے۔ ایک جنتری شائع ہوئی..... اس میں ملک اودھ کا جغرافیہ اور اس سے متعلق کچھ چیزیں ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابیں طبع ہوئیں۔ شاہی پریس نے بہت سی کتابیں مفت شائع کیں۔"[۳]

امجد علی شاہ نے رصد خانہ مقناطیسی بھی قائم کیا۔ انھوں نے اور سلطان العلماء نے اس رصد خانے کے عملے کی زبانی حوصلہ افزائی ہی نہیں کی، بلکہ عملی طور پر خلعت اور انعامات سے بھی نوازا۔ کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں بھی ان کا رویہ فیاضانہ رہا۔ رصد خانے کی تکمیل کے

۱۔ امجد علی شاہ، سبط محمد نقوی، سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۷۶ء) ص ۱۲۱

2. THE ORCHID HOUSE, MICHAEL EDWARDES, LONDON: 1960, p.133.

۳۔ امجد علی شاہ، سبط محمد نقوی، سرفراز قومی پریس لکھنؤ، (۱۹۷۶ء) ص ۱۲۱

بعد اشاعتِ کتب کے لیے امجد علی شاہ نے رصد خانے کو بھرپور مدد بہم پہنچائی اس بارے میں سبط محمد نقوی رقم طراز ہیں :

"... چھ ہزار روپے (تراجم و تصنیفات کی) اشاعت کے لیے عطا کیے رصد خانے سے زوالِ شمسی کی توپ چلتی تھی ۔ بابو رسک موہن بنگالی نے ایک گھڑی بھی بنائی تھی ۔" [1]

امجد علی شاہ کے عہد میں سائنسی اور جدید معلومات سے متعلق مطبوعات کے علاوہ عربی اور فارسی کی تاریخی اور ادبی کتابیں بھی شائع ہوئیں ۔

جانِ عالم سلطان واجد علی شاہ (شاہِ اودھ) امجد علی شاہ کی وفات کے بعد اودھ کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے ۔ ان کی تاریخ پیدائش ۳۰ ر جولائی ۱۸۲۲ء اور تخت نشینی کی رسم ۱۳ ر فروری ۱۸۴۷ء کو ادا ہوئی ، بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی علمی کاموں میں دل چسپی لینا شروع کیا [2] اپنے باپ کی طرح انھیں بھی ورثہ میں علوم و فنون کی محبت ملی تھی ۔ ان کی ادبی خدمات کا اعتراف گارساں دتاسی نے اپنے ایک خطبہ میں کیا ہے ، جس میں انھوں نے کہا ہے کہ :

"مجھ کو واجد علی شاہ سے اس بنا پر دل چسپی ہے کہ وہ ایک ممتاز مصنّف اور اچھے شاعر ہیں ۔ ان کا تخلص اخترؔ ہے اور وہ ہندوستانی شاعری کے آسمان پر چند روشن ستاروں میں سے ایک ہیں ۔ میں تمھارے سامنے ان کی کتابوں اور نظموں کا ذکر دوسرے موقع پر کر چکا ہوں ۔" [3]

واجد علی شاہ اودھ پر اور بہادر شاہ ظفر دلّی پر شخصی حکومت کی عمدہ مثال ہیں ۔ دونوں اپنے طرز کے منفرد بادشاہ گذرے ہیں جو علم دوست ، صلح و آشتی اور امن کے علم بردار رہے ۔ واجد علی شاہ کو موسیقی سے بے حد لگاؤ تھا جس کا ناجائز طور پر فائدہ اُٹھا کر انگریزوں

---

۱ ۔ امجد علی شاہ ، سبط محمد نقوی ، سرفراز قومی پریس لکھنؤ (۱۹۷۶ء) ص ۱۲۲

۲ ۔ واجد علی شاہ اور اودھ راج کا پتن ، ہری پورنانند ورما ، سمیلن پریس پریاگ (۱۹۵۹ء) ص ۱۶۶ (ہندی)

۳ ۔ خطباتِ گارساں دتاسی : خطبہ ہفتم ، بہ حوالہ واجد علی شاہ ، مسعود حسن رضوی ، نامی پریس لکھنؤ (۱۹۷۷ء) ص ۹۰

نے طرح طرح کے جھوٹے اور من گھڑت افسانے اِن کی شخصیت سے وابستہ کر دیے۔ بہ قولِ سیّد مسعود حسن رضوی ادیب:

"انگریز اپنی الحاق کی پالیسی کے ماتحت ہندوستان کی چھوٹی بڑی ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے تقریباً سارے ملک پر قبضہ کر چکے تھے۔ اب سب سے بڑی ریاست اودھ پر قبضہ کرنے کی فکر تھی۔ اس مقصد کو سامنے رکھ کر انگریزوں نے اودھ کے آخری شریف النفس ہر دل عزیز بادشاہ سلطانِ عالم واجد علی شاہ کے خلاف پروپیگنڈے کی ایسی کامیاب مہم چلائی کہ ان کا نام عیّاشی، بد نظمی، رقص و موسیقی کی علامت بن گیا۔"[۱]

مسلسل پروپیگنڈے کے اثر سے واجد علی شاہ سے متعلق جو خیالات لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیے ہیں اُن کی تردید آسان نہیں ہے۔ ان کی موسیقی سے محبت کو بہانہ بنا کر کتنی ہی من گھڑت افسانے ان سے منسوب کر دیے گیے۔ حالانکہ موسیقی سے شغف کے علاوہ وہ ایک کامیاب مصنف بھی تھے۔ ان کی اپنی تصنیفات کی تعداد تقریباً پچاس تک پہنچتی ہے جس میں نظم و نثر، تاریخ، مذہب اور موسیقی سے متعلق متعدد کتابیں لکھی گئیں۔[۲] اس کے علاوہ انھوں نے اپنے جدِ امجد نصیر الدین حیدر کے شاہی رصد خانے کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اس کی تجدید نو میں دل جمعی سے حصہ لیا:

"واجد علی شاہ کافی علمی استعداد اور تصنیف و تالیف کا غیر معمولی ذوق رکھتے تھے۔ اچھی کتابوں کے قدردان تھے۔ ان کے عہد میں لکھنؤ کے شاہی کتب خانے میں دو لاکھ کتابیں موجود تھیں اور کتب خانے کا عملہ ہزاروں روپے تنخواہ پاتا تھا۔"[۳]

۱۔ واجد علی شاہ، دیباچہ سیّد مسعود حسن رضوی، نامی پریس لکھنؤ، (۱۹۷۷ء) ص ۱۹

2. THE RAJ, THE INDIAN MUTINY AND THE [illegible] OF OUDH, [illegible], PEMBLE, LONDON: 1977, p.89.

۳۔ واجد علی شاہ، سیّد مسعود حسن رضوی ادیب، نامی پریس لکھنؤ (۱۹۷۷ء) ص ۸۳

واجد علی شاہ نے کتب خانے کی افادیت کے خیال سے خود معائنہ کر کے خالی جگہوں کو پُر کرانے کے لیے اپنی تخت نشینی کے صرف ایک سال بعد ہی کوشش شروع کر دی تھیں انھوں نے ایک اشتہار اسی سبب سے شائع کرایا تھا جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ :

"کتابوں کی مفصلہ ذیل فہرست میں سے ہر نسخہ جو اس مہینے (یعنی ذی قعدہ) کی چوبیسویں تاریخ روز جمعرات ۱۲۶۳ھ مطبع سلطانی کے مہتمم محمد حسین کے مکان پر تکیہ شاہ فصیح میں پہنچے گا۔ اس کی قیمت بیچنے والے کی شرط کے مطابق اسی وقت دے دی جائے گی "

اس اشتہار کی فہرست میں تقریباً ڈھائی سو کتابوں کے نام ہیں جن میں اکثر نادر اور کم یاب ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فنِ موسیقی کے علاوہ بھی واجد علی شاہ نے دیگر علوم و فنون کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے عہد میں بھی مغربی کتابوں کے اُردو ترجمے کیے گئے۔

شاہی کتب خانہ لکھنؤ میں بہت سی قلمی کتابیں موجود تھیں، لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر کی لُوٹ مار میں شاہی کتب خانہ بھی تباہ ہوا۔ عمدہ تالیفات و تصنیفات کو باغیوں کی لیٹ کے سیلاب نے خس و خاشاک کی طرح ڈبو دیا کہ اب ان کے ایک حرف کا نشان بھی باقی نہیں ہے۔

اس غدر نے بادشاہ کی تصنیفات کے علاوہ اور نہ جانے کتنی قیمتی اور گراں مایہ کتابوں کو تباہ کیا۔ غدر سے قبل ۱۸۴۸ء میں انگریزوں نے شاہانِ اودھ کے کتب خانوں میں عربی اور فارسی کتابوں کے وسیع ذخیرے کی فہرست بنانے کے لیے دہلی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر اشپرنگر کو لکھنؤ بھیجا تھا جس کا تذکرہ سیّد مسعود حسن رضوی نے بھی کیا ہے:

"صرف اٹھارہ مہینے کے قریب فہرست بنانے میں صَرف کیے۔ اس مدّت میں اس نے دس ہزار جلدوں کے قریب دیکھیں اور ان کی فہرست تیّار کی۔ یہ فہرست چار جلدوں میں تھی، جن میں سے صرف ایک جلد شائع ہوئی باقی تین جلدوں کا پتہ نہیں "[1]

۱۔ واجد علی شاہ، سید مسعود حسن رضوی ادیب، مطبع نامی پریس لکھنؤ (۱۹۷۷ء) ص ۸۶

ڈاکٹر اشپر نگر نے اودھ کے کتب خانے دیکھ کر ان کے بارے میں اپنے خیالات تحریر کیے ہیں جس میں کتب خانے کے نگراں اور محافظوں کی تعریف بھی شامل ہے اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے کہ جو محافظ اس وقت کتب خانے کی حفاظت اور نگرانی پر معمور ہیں، ایسے ایمان دار، مہذب اور قابلِ تعریف محافظ اب سے پہلے نہ رہے ہوں گے کیوں کہ قدیم کُتب کی حالت ناگفتہ بہ تھی جو پہلے محافظوں کی غفلت کا ثبوت تھی۔ بہ قول مسعود حسن رضوی:

"مہذب، ایمان دار اور قابلِ تعریف دروغاؤں کا انتخاب اور تقرر بادشاہِ وقت واجد علی شاہ کی توجہ خاص کا نتیجہ تھا۔"[1]

یہ حقیقت ہے کہ زمانے کے سرد و گرم میں وہ تمام مطبوعات و مخطوطات جو اس کتب خانے کی زینت تھے برقرار نہ رہ پائے لیکن جو سرمایۂ علم و فن باقی رہا وہ ان کتب خانوں کی یادگار کے طور پر ہمیشہ واجد علی شاہ کو خراجِ تحسین پیش کرتا رہے گا۔

سائنسی علوم کی بہ زبان اُردو، اشاعت میں اودھ کے حکمرانوں نے جو نمایاں کردار ادا کیا وہ قابلِ ستائش ہے۔ غازی الدّین حیدر اور نصیر الدّین حیدر (۱۸۱۹ء تا ۱۸۳۷ء) کے عہد میں لکھنؤ میں ٹائپ اور لیتھو کے پریس قائم ہوئے جن میں بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ اودھ کے آخری فرماں رواؤں کو جدید علوم اور بالخصوص علم ہیئت سے اس قدر دلچسپی تھی کہ انھوں نے انگریزی زبان سے مختلف سائنسی علوم کی کتابوں کے ترجمے کرائے جو مطبع سلطانی سے طباعت و اشاعت کے مرحلے سے گذر کر قارئین کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ رصد خانۂ سلطانی میں ایک انگریز عالم کو بطورِ مہتمم رکھا گیا تاکہ وہ مغربی کتابوں کے ترجمے کرانے میں معاون و مددگار ثابت ہو سکے اس مطبع سے سب سے زیادہ ترجمے سید کمال الدّین حیدر نے کیے جس کی تصدیق "مغربی تصانیف کے اُردو تراجم" میں ملتی ہے:

"... شاہانِ اودھ نے لکھنؤ میں جدید مغربی علوم و فنون کی بعض کتابوں کے ترجمے کرائے جو مطبع سلطانی میں چھپ کر شائع ہوئے۔ سید کمال الدّین حیدر نے

۱۔ واجد علی شاہ، سید مسعود حسن رضوی ادیب، مطبع نامی پریس لکھنؤ (۱۹۵۷ء) ص ۸۶

جدید علوم پر انیس رسالوں کا ترجمہ انگریزی سے اُردو میں کیا"۔[1]

سیّد کمال الدّین حیدر کی تمام کتابیں اور ان کے نام تو دستیاب نہ ہو سکے، لیکن جو کچھ تلاشِ بسیار کے بعد کتابیں حاصل ہوئی ہیں یا تذکروں میں آئی ہیں ان میں صرف گیارہ کتابوں کا سراغ ملتا ہے۔

۱۔ رسالۂ علومِ طبیعیہ، ۲۔ رسالۂ مقناطیس، ۳۔ رسالۂ علم الحرارت، ۴۔ رسالۂ علم المناظر، ۵۔ رسالۂ علم الکیمیا، ۶۔ رسالۂ مقاصد العلوم مصنفہ لارڈ بردوم، ۷۔ رسالۂ علم المار، ۸۔ رسالۂ علم ہیئت مصنفہ جان بزنکلی ۹۔ بحرِ حکمت از پادری پرکنس، ۱۰۔ رسالۂ علم الہوا، ۱۱۔ رسالۂ ہیئت مصنفہ ڈاکٹر ولسن وغیرہ۔

مفتاح الافلاک

یہ رسالہ نصیر الدین حیدر کے حکم سے تصنیف کیا گیا۔ دراصل یہ رسالہ فارگیوسن کی علم ہیئت کی شہرہ آفاق تصنیف کا اُردو ترجمہ ہے جسے عبد السّلام لکھنوی نے بحسن و خوبی انجام دیا ہے۔ زیرِ نظر مخطوطہ جو کہ اسٹیٹ آرکائیوز حیدر آباد میں محفوظ ہے ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے ½ ۲۲ × ۱۵ سینٹی میٹر سائز کے کاغذ پر ہر صفحہ پر پندرہ سطریں تحریر کی گئی ہیں خوب صورت نستعلیق طرز کی عبارت میں سیاہ و سرخ روشنائی کا استعمال ہوا ہے۔ کتاب کی ابتدا میں موضوع سے متعلق اظہارِ خیال کے طور پر تحریر کیا گیا ہے کہ:

"علمِ ہیئات وہ علم ہے جس سے کواکب کی شکلیں اوضاع وغیرہ دریافت کیے جاتے ہیں ..... یہ علم شریف ہر عہد اور ہر ملک میں کم و بیش مروّج ہوتا چلا آتا ہے۔ چنانچہ قدیم تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں لوگ ہنر و دانش سے ناواقف محض تھے۔ لیکن شب و روز جاڑے، گرمی اور ساعات کی شناخت رکھتے تھے اور جو فوائد بنی آدم کو اس سے حاصل ہوئے ہیں بے شمار ہیں"۔[2]

عبد السّلام کا تعلق اودھ کے دربار سے تھا۔ سوال و جواب کے پیرایے میں ایک فرانسیسی تصنیف سے اُردو زبان میں ترجمہ کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد السّلام کو فرانسیسی زبان سے نہ صرف واقفیت

۱۔ مغربی تصانیف کے اُردو تراجم، مولوی میر حسن، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدر آباد (۱۹۳۶ء) ص ۴۹

۲۔ مفتاح الافلاک، مصنف حکیم فارگیوسن، ترجمہ عبد السّلام لکھنوی، مخطوطہ علم طبعی۔ ۱۶۴ اسٹیٹ آرکائیوز حیدر آباد ص ۲

تھی، بلکہ وہ اس زبان کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اس رسالے کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

"یہ رسالہ حسب الحکم جناب سلطنت مآب ابو النصر قطب الدین سلیمان جاہ عادل نوشیروان زمان نصیر الدین حیدر بادشاہ زاد خلد اللہ ملکہٗ وسلطانہٗ کے حکیم فرگیوسن صاحب کے اصول علم ہیئات سے مترجم نے بوسیلۂ عبد السلام لکھنوی کے اردو زبان میں ترجمہ کیا اور دار الامارت کلکتے میں مطبوع ہوا ۱۸۳۲ مسیحی"[1]

صفحہ دو۲ سے صفحہ آٹھ۸ تک نو۹ فوائد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ صفحہ نو۹ سے بعض عیسائی فرماں رواؤں اور اسلامی اقتدار والوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اس علم کو ترقی بخشی، ان میں جیولیوس قیصر، فرزانہ الیہاس لنسوس، خلیفہ مامون رشید عباسی، مرزا الغ بیگ نبیرۂ تیمور گورگانی، شہنشاہ ہمایوں، سلطان قطب الدین سلیمان جاہ ذخیرہ کے تذکروں کے بعد عادل نوشیروانِ عادل، شاہ نصیر الدین حیدر والیِ اودھ کے بارے میں تذکرے شامل ہیں:

"یہ بادشاہ والا جاہ کیوانی بارگاہ بھی مثل سلاطین سلف کے ترقی اور ترویج اس علم میں مصروف ہے..... زمانے کو واجب و لازم ہے کہ اس کی تقلید کریں۔ در ینولا جو تعمیر رصد کی دار السلطنت لکھنؤ میں مرکوز خاطر اشرف ہوئی ہے۔ بلند نامی اس امیر نیک کی بادشاہ ذی جاہ خلافت مآب فلک انتساب کے واسطے سالہا سال قائم رہیں گی اور جب تک اجزا اس کے حوادث زمانے سے منتشر نہ ہوں گے عقلائے روزگار اس کی تعریف و توصیف کیا کریں گے"[2]

اس کے بعد صفحہ ۱۴ سے نظام موجودات کا ذکر ہے جو صفحہ ۱۶ تک اور صفحہ ۱۶ سے فیثا غورثی نامحدود کا بیان ہے۔ صفحہ ۲۰ سے ۲۱ تک بیان ترقی اور تحقیق اسی علم کا اور نئی ایجادات اور نئی دریافت شدہ اشیاء کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۲۱ سے ذکر مفتاح الافلاک شروع ہوتا ہے۔ رسالے کو بارہ ذیلی سرخیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ابتدائی عنوان کے تحت زمین کی شکل

۱۔ مفتاح الافلاک، مصنف حکیم فارگیوسن، مترجم عبد السلام لکھنوی، مخطوطہ ریاضی - ۱۶۴ اسٹیٹ آرکائیوز حیدر آباد ص ۱

۲۔ مفتاح الافلاک، حکیم فارگیوسن، مترجم عبد السلام لکھنوی، مخطوطہ ریاضی - ۱۶۴ اسٹیٹ آرکائیوز حیدر آباد ص ۱۳

اس کی حرکت اور حدود اربعہ کا بیان ہے، دوسری میں نظامِ شمسی، تیسری میں میل مرکزی، اور عاداتِ نور، چوتھے عنوان کے تحت مکانوں کے عرض و طول کو سمجھایا گیا ہے، پانچواں عنوان دن، رات کے گھٹنے بڑھنے اور موسموں کی تبدیلیوں سے متعلق ہے، چھٹا چاند کی حرکت، چاند اور سورج کے گہن کے لیے وقف کیا ہے، ساتویں عنوان کے تحت دریاؤں کے مد و جزر کا تذکرہ ہے، آٹھواں عنوان شمس اور کوکبی زمانوں سے متعلق ہے، نویں حصے میں تعدیل کا زمانہ اور دسویں سرخی کے تحت اصلاحِ تقویم کا ذکر ہے۔ گیارہویں میں نقطۂ اعتدال کا بیان اور آخری بارہویں عنوان کے ذیل میں ثوابت کا حال درج ہے۔

انگریزی اصطلاحات کے ترجمے بھی کر لیے گئے ہیں جیسے (- MICROSCOPE -) کا ترجمہ شیشۂ کلاں بیں کیا گیا۔ کتاب میں فلکی سیاروں کی تصاویر اور نقشے بھی دیے گئے ہیں۔ دوسرے عنوان کے آغاز کی عبارت اس طرح ہے:

"تلمیذ۔ کل کی سب باتیں جو آپ نے ارشاد فرمائیں میں نے لوحِ دل پر نقش کی ہیں بلکہ اس خوف سے مبادا کوئی بات ان کے بہا تعلیمات کی میرے حافظۂ ناقص سے جاتی رہے تمام گفتگو جو سوال و جواب کے طور پر کل واقع ہوئی رات میں نے زبان اُردو میں لکھی۔ چنانچہ بوقتِ فرصت اسے آپ کی نظرِ اصلاح میں گذار لوں گا۔ اب اگر اجازت ہو تو میں کل کے سوال کو پھر عرض کروں کہ آفتاب کیوں کر قائم ہے اس واسطے کہ آپ نے دلیلوں سے ثابت کیا کہ زمین کے گرد نہیں پھرتا۔

اُستاد ـــــ آفتاب نہ کسی چیز پر قائم ہے اور نہ کسی سے بندھا ہے اور اس طرح پر نہ ہونا اس کو کچھ ضروری بھی نہیں کل جو میں نے کہا تھا تم کو یاد ہو گا کہ زمین کی طرف جسموں کا گرنا محض کششِ زمین کے سبب ہے۔" [1]

اس کتاب میں زمین کی شکل، نظامِ شمسی، میل مرکزی اور عاداتِ نور، دن اور رات کے گھٹنے بڑھنے، نقص و کمالِ ماہ، مد و جزر، تعدیلِ زمانہ، ثوابت، پیمائش اجرام کا بالتفصیل بیان

---

[1] مفتاح الافلاک، حکیم فارگیوسن، مترجم عبدالسلام لکھنوی، مخطوطہ ریاضی ۱۶۳، اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد۔ ص ۱۶۴

ہے جسے علیحدہ علیحدہ پہلے اور دوسرے عنوان کے تحت ذیلی سرخیاں دے کر بیان کیا گیا ہے۔ اُستاد اور شاگرد کے مکالماتی انداز سے موضوع سے متعلق مواد کا احاطہ کرتے ہیں۔ کتاب کا اختتام مندرجہ ذیل عبارت پر ہوتا ہے:

"اُمیدوار ہوں کہ اسی طرح شفقت اور عطوفتِ پدرانہ اور نوازش و لُطفِ بزرگانہ اس نیازمند کے حال پر مبذول رہے اب اس سے زیادہ تصدیع دینا میرا مقصود نہیں اجازت ہو تو آداب تسلیمات عرض کروں۔

اُستاد —— بہت اچھا اب تم رخصت ہو۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے اور ہر طرح کے علوم تم کو نصیب کرے۔ اپنے قبلہ گاہ صاحب کو میرا سلام نیاز کہو۔

تو قیمہ، تمت، تمام شد۔ یہ رسالہ مسمیٰ مفتاح الافلاک بتاریخ یازدہم رمضان المبارک ۱۲۵۷ ہجری (۱۸۴۱ء) روز چہار شنبہ تمام ہوا۔"[۱]

پہلی مرتبہ اس رسالے کی اشاعت ۱۸۳۳ء میں کلکتہ سے ہوئی۔ دوسری بار شمس الامراء نے ۱۸۴۴ء میں اپنے سنگی چھاپہ خانے میں اسے طبع کرایا۔ تیسری بار پھر کلکتہ سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی۔

رسالہ ہیئت

$22\frac{1}{2} \times 15$ سینٹی میٹر سائز کے دیسی کاغذ پر بہ خط نستعلیق گیارہ سطور فی صفحات، ۱۲۶ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۸۴۱ء میں "رسالہ ہیئت" کے نام سے لکھا گیا۔ مصنف کا نام تحریر نہیں ہے۔ یہ رسالہ سوال و جواب کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے اس میں نقشوں اور تصاویر کی مدد سے بھی موضوعات کو وضاحت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ غالب گمان ہے کہ یہ رسالہ کسی انگریزی کتاب کا اُردو ترجمہ ہے۔ لیکن انگریزی کتاب کا نام نہیں دیا گیا۔ کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ "یہ ایک سوال نامہ ہے بیچ علم ہیئت کے کہ وہ اجرام فلکی کی خاصیتوں کی تفصیلی معلومات پر مشتمل ہے۔" اس کے بعد سمجھایا گیا ہے کہ زمین سورج کے اِرد گرد گھومتی ہے اور سورج ایک جگہ ساکن ہے:

"اس بات کے جاننے کا واجبی سبب یہ ہے کہ متقدمین نے یہ سمجھا تھا کہ زمین ساکن ہے

۱۔ مفتاح الافلاک، حکیم فارگیوسن، مترجم عبدالسلام لکھنوی، مخطوطہ نمبر (ہئیت) ۱۹۲۰، اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد۔ ص ۲۵۶

اور آفتاب متحرک ہے۔ پہلا شخص جوان کے قاعدوں کے موافق سکھانے لگا فیثاغورث نام ایک فاضل محقق یونانی تھا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام سے قریب پانچ سو برس کے پہلے تھا"۔[1]

اس کے بعد صفحہ ۳ پر سورج کی تصویر بنائی گئی ہے۔ پوری کتاب کو ۲۸ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے پہلا باب تمہیدی ہے جس میں علم ہیئت، کشش اور ہوا کی تعریف کا تذکرہ ہے۔ دوسرے باب میں علم ہیئت کے بارے میں اسمائے خطوط وغیرہ دیے گئے ہیں۔ جس میں خطِ استوار، قطبین فلکی، برج آسمان، اُفق، آفتاب اور سیاروں کی تفصیل سے آگاہ کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں سورج کا ذکر ہے۔ چوتھے باب میں ستاروں کا بیان ہے۔ پانچویں باب میں عطارد کا مفصّل ذکر ہے، چھٹے میں زہرہ، ساتویں میں زمین کا آٹھویں میں چاند کا، نویں میں مریخ کا اور اسی طرح موضوعات کے مختلف باب قائم کیے گیے ہیں۔ آخری باب اٹھائیسواں ہے جو کہ علم ہیئت کے فوائد کے بارے میں ہے:

"س۔ اس کے طبیعی کام کیا ہیں؟۔

ج۔ اکثر علم ہیئت کے اوّل تر طبیعی کام یہ ہیں کہ موسموں کے سبب کا اور ان کی مدتوں کا اور رات دن کی درازی اور پابستگی اور گھٹنے بڑھنے کا اور گہن کی بازگشت کی مدّت اور یہ کہ کتے دیر تک رہے گا اور سوا ان باتوں کے یہی ادتے جانا جاتا ہے"۔[2]

کتاب کے آخر میں یہ عبارت لکھی گئی ہے:

"الحمد للّٰہ رب العٰلمین کہ تمام ہوا یہ رسالہ علم ہیئت میں تاریخ بارہویں شہر ربیع الثانی سن بارہ سی ستاون ہجری مطابق بارہویں ماہ ۱۸۴۱ء اٹھارہ سی اکتالیس عیسوی کے موافق فرمائش جناب مرزا صاحب قبلہ ارادت مند شفقت فرمائے بے پایان جناب مظہر علی صاحب کے ختم ہوا بخطِ شکستہ واحد علی در بیت السلطنت لکھنؤ وقت روز رسیدہ یوم الجمعہ"۔[3]

۱۔ رسالہ علم ہیئت مخطوطہ ہیئت ۲ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد ص ۱ — ۲۔ رسالہ علم ہیئت، مخطوطہ ہیئت ۲ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد ص ۱۲۳۔ ۳۔ رسالہ ہیئت، مخطوطہ ہیئت ۲، کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد ص ۱۲۶۔

یہ رسالہ بھی شاہانِ اودھ کی تصنیفات اور جدید علوم کے ترجموں کی ایک کڑی ہے جس کی طباعت نہ ہوسکی۔

مقاصدِ علوم

½ ۱۷ × ۱۰ سینٹی میٹر سائز کے ۱۳۹ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ لارڈ بروہم صدر صدور دارالسلطنت لندن کی کتاب A TREATISE ON OBJECTS ADVANTAGES AND PLEASURES OF SCIENCE کا اُردو ترجمہ ہے جو کلکتہ بک سوسائٹی کے لیے سیّد کمال الدین حیدر نے کیا۔ یہ رسالہ ۱۸۴۱ء میں پاٹسٹ مشن پریس سرکیولر روڈ کلکتہ سے شائع ہوا۔

یہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے عنوانات کے تحت فہرست بھی دی گئی ہے۔ مقدمے میں مقاصد علوم اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پہلی فصل میں علمِ ریاضی کا بیان ہے دوسری فصل میں علمِ ریاضی اور علمِ طبیعی کے اختلاف کو واضح کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں علم طبیعی کا بیان ہے چوتھی فصل میں عمل علم طبیعی جو عالم حیوانات اور نباتات سے متعلق ہے۔ پانچویں فصل میں فوائد اور مقاصد کا بیان ہے۔

کتاب کے دیباچے میں مصنّف نے لکھا ہے کہ:

"امابعد عاصی سراپا تقصیر کمال الدّین حیدر عرف محمد میر حسنی الحسنی نے بعد ترجمہ کتاب نیچرل فلاسفی یعنی حکمتِ طبیعی کے رسالہ لارڈ بروہم کو جو مقاصد علم کے بیان میں ہے بموجب حکم صاحبانِ عالیشان محکمۂ اجلاس جنرل کامٹی اسکول بک سوسائٹی دارالسلطنت کلکتہ کے زبانِ اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا ایک صاحب عالی شان سے جو دارالسلطنت لکھنؤ کے رصدخانہ شاہی میں ہیں، بخوبی مقابلہ کیا کہ اہلِ علم کو کیفیت اور ماہیت علم کی بخوبی دریافت ہو۔" [1]

اس کتاب میں انگریزی اصطلاحات کے اُردو ترجمے بھی کیے گئے ہیں۔ جیسے علم حکمتِ طبیعی (PHYSICS) تشریحِ ارض (GEOLOGY) قوت آبی (HYDRO — DYNAMICS) کلاں بیں

۱۔ مقاصد علوم، لارڈ بروہم، ترجمہ سیّد کمال الدین، پاٹسٹ مشن پریس کلکتہ ۱۸۴۱ء ص ۲
(کتب خانہ جامعہ عثمانیہ نمبر ۵۳۸)

(MICROSCOPE) تشریح مشابہ COMPARATIVE ANATOMY (ANATOMY) علم تشریح

علم ادویہ (MEDICINE) علم ادویہ (MEDICINE) علم حیوانات (ZOOLOGY)

نباتات (BOTANY) وغیرہ کچھ الفاظ کی جمع "دن" لگا کر بنائی گئی ہے۔ جیسے اختراعوں، نفادتوں

بُعدوں، احوالوں وغیرہ بعض الفاظ کا املا مختلف ہے مثلاً پہاڑ کی چوٹی (چوٹی) جی امٹری (جیومٹری)

وغیرہ چوتھی فصل کے مندرجہ ذیل اقتباس سے اُسلوبِ بیان کا اندازہ بخوبی ہو جائے گا۔

"یاد رکھنا چاہیے کہ جس وقت ہوا کسی ظرف سے نکلتی ہے تو وہ قوت جو باہر کی ہوا کے دباؤ کے روکنے کے واسطے ضرور ہے جاتی رہتی ہے۔ اس جہت سے پہلو ظرفوں کے بہت زور سے اندر کو دبتے ہیں اور اس طرح سے ایک چپٹا شیشہ اگر بہت دلدار نہ ہوتا تو ٹوٹ جاتا اور گول شیشہ جو مضبوط مثل محراب کے ہے وہ اچھی طرح سے رکاوٹ کا متحمل ہوتا ہے لیکن کوئی نرم مادہ جیسا چمڑا ہے وہ دفعتہً سمٹ جاتا ہے اگر ہوا آہستہ آہستہ نکالی جائے تو وہ سمٹنا بتدریج ہووے یا اگر صرف آدھی ہوا نکالی جاتی تو چمڑا تھوڑا سا سمٹ جاتا۔"[۱]

رسالہ مقناطیس

۲۵ × ۱۵ سینٹی میٹر سائز پر ۱۷۰ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع العلوم دہلی سے شائع ہوا۔ کتاب پر سنِ اشاعت درج نہیں ہے، لیکن کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ دہلی کالج کی ورنیکلر سوسائٹی کی مطبوعات کے دور میں طبع ہوا ہے۔ ورنیکلر سوسائٹی کی مطبوعات کا سلسلہ ۱۸۴۲ء سے شروع ہوا۔ اور اسی عہد میں مطبع العلوم سے سوسائٹی کی مطبوعات کے علاوہ بہت سی دیگر کتابیں بھی طبع ہوئی تھیں یہ رسالہ غالباً ۱۸۴۲ء میں ہی شائع ہوا ہوگا۔

اس رسالے کے سرورق پر انگریزی اور اردو میں کتاب اور مترجم کے نام لکھے گئے ہیں۔ سرورق کی عبارت یہ ہے:

۱۔ مقاصد علوم، لارڈ بروہم، ترجمہ سید کمال الدین، بپالسٹ مشین پریس کلکتہ (۱۸۴۱ء) ص ۸

(کتب خانہ جامعہ عثمانیہ $\frac{۵۳۸}{ک ر}$ حیدرآباد)

"......رسالہ مقناطیس"

ترجمہ کیا ہوا سید کمال الدین حیدر لکھنوی کا گنج علوم مفیدہ سے مطبع العلوم دہلی میں چھپا۔" [1]

یہ رسالہ بھی ان تراجم کے سلسلوں کی ایک کڑی ہے جو شاہانِ اودھ کے زیرِ سرپرستی کرائے گئے۔ کتاب میں فہرست اور دیباچہ نہیں دیا گیا ہے۔ یہ کتاب آٹھ ابواب پر تقسیم کی گئی ہے۔ ترجمہ نگار نے ہر باب کے تحت ذیلی سرخیاں لگائی ہیں۔ زبان سلیس اور عام فہم استعمال کی گئی ہے۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ کریں:

"سب سے عمدہ فائدہ علم کے تصور میں یہ ہے کہ ہم اس کی جہت سے لاانتہا دانائی اور نیکی کو جسے خالق نے اپنے کاموں میں ظاہر کی ہے، سمجھ سکتے ہیں۔ ایک قدم بھی ہم کسی راہ میں بغیر دیکھنے عجیب سراغ اس کے اختراع کے نہیں اٹھا سکتے ہیں اور وہ حکمت جو ہر امر میں ظاہر ہے وہ سب مخلوق کی خوشی کو بڑھاتی ہے اور اگر ہم بالکل خدا کے نظام کو جانتے تو ہم یہ کہتے کہ ہر حصہ بالکل اس کے فیض سے بھرا ہوا ہے۔" [2]

اس رسالے میں مقناطیس سے متعلق تمام ضروری معلومات کو یکجا کیا ہے۔ مقناطیسی قوت کو سمجھانے کے لیے مختلف آلوں کی شکلیں بھی دی گئی ہیں جن کی طباعت لیتھو میں ہوئی ہے۔ ہر باب میں یورپین سائنس دانوں کے نام اور ان کے تجربات بیان کیے گیے ہیں مثلاً" رسل اور گلبرٹ وغیرہ۔

مترجم نے سائنس کی بعض انگریزی اصطلاحوں کے ترجمے نہیں کیے ہیں، بلکہ ان کو بجنسہٖ

۱۔ رسالہ مقناطیس، مترجم سید کمال الدین حیدر لکھنوی، مطبع العلوم دہلی (۱۸۴۲ء) ص ۱
(کتب خانہ جامعہ عثمانیہ نمبر ۵۳۸/م)

۲۔ رسالہ مقناطیس، مترجم سید کمال الدین حیدر لکھنوی، مطبع العلوم دہلی ص ۱۳۷
(کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نمبر ۵۳۸/م)

انگریزی تلفّظ کے لحاظ سے اُردو میں منتقل کردیا ہے جیسے اکسائیڈ، الکٹرسٹی، سلفیورک کاربان، کیمسٹری، اگری نامی ٹرو غیرہ۔

جن انگریزی اصطلاحات کے اُردو تراجم موجود ہیں ان میں میل قطبی، (POLARITY) دوائر برنجی (GAMBALS) مقناطیس مضوی (ARTIFICAL MAGNET) آلاتِ مقناطیسی۔ (MAGNETIC APPARATUS) سوزنِ مستغرق (DIP-NIDDLE) کمپاس جہاز (MARINERS COMPASS) کوفت پذیر لوہا (SOFT IRON) وغیرہ۔

کہیں کہیں فارسی تراکیب سے بھی اصطلاحیں ڈھالی گئی ہیں جیسے مقناطیسی خطوط انحراف نرم گداختہ فولاد، سخت منفراضی فولاد، میل مقناطیسی کمپاس انحراف، مقناطیسی سنجیدہ، استقامت پذیر سوزن وغیرہ۔ اس عہد کی زبان کی خصوصیات کے حامل عبارت میں طویل طویل جملے باکثرت موجود ہیں۔ اختتامیہ عبارت میں تحریر ہے کہ:

> "رسالہ علم جذب مقناطیس کو عاصی پرمعاصی سید کمال الدّین حیدر عرف میرزائر نے صاحب عالی شان کی اعانت و امداد سے جو مہتمم رصدخانہ سلطانی ہیں زبانِ اُردو میں ترجمہ کیا لازم ہے کہ صاحبانِ فہم و فراست جو مشتاق ایسے علوم عجیبہ اور غریبہ کے ہیں فائدہ اوس سے حاصل کریں"۔[1]

رسالہ علمِ ہیئت

یہ رسالہ ۲۲×۱۴ سینٹی میٹر سائز پر ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے جو مطبع سلطانی سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔ یہ جان برنکلی کی انگریزی کتاب (ELEMENTS OF PLAN ASTRONOMY) کا اُردو ترجمہ ہے جو سیّد کمال الدّین حیدر لکھنوی نے مہتمم رصد خانہ سلطانی کی مدد سے اُردو زبان میں منتقل کیا اور سلطان واجد علی شاہ بادشاہ غازی کے حکم سے مطبع سلطانی میں طبع ہوا اس کتاب کا سرِورق انگریزی زبان میں ہے، کتاب، مصنّف اور مترجم کے ناموں کے بعد انگریزی میں یہ

۱۔ رسالۂ مقناطیس، مترجم سید کمال الدین حیدر، مطبع العلوم دہلی۔ ص ۱، ۲

(کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نمبر ۵۳۸/م)

عبارت لکھی گئی ہے:

"AT THE OBSERVATORY OF
H.M. THE KING OF OUDH
PRINTED AT THE PRESS H.M.-1847."

دوسرے صفحے پر شاہانِ اودھ کے شاہی نشان کا ایک خوشنما طغرا ہے اس کے نیچے کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"امابعد یہ رسالۂ علم ہیئت جسے جان برنکلی صاحب نے تصنیف کیا ہے حسب الحکم جناب ابوالمنصور ناصرالدین سکندرجاہ بادشاہِ عادل قیصر زمان سلطان عالم محمد واجد علی شاہ بادشاہ غازی ..... کے عاصی پرمعاصی سید کمال الدین حیدر عرف محمد میر حسنی الحسینی زائرے صاحب عالی شان کی مدد سے جو مہتمم رصد خانہ سلطانی ہیں زبانِ اُردو میں ترجمہ کیا ....."[1]

کتاب میں دوسرے اور تیسرے صفحہ کے درمیان بڑے سائز کے چھ اوراق چسپاں ہیں، جن پر مختلف ہندسی شکلیں اور دائرے کھنچے ہوئے ہیں۔ کتاب کا دیباچہ ۹ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ترجمہ نگار نے علمِ ہیئت کی اہمیت، کتاب کی ترتیب اور مباحث کی وضاحت کردی ہے۔ یہ کتاب ۱۹ ابواب پر تقسیم کی گئی ہے۔

پہلے باب میں "اصول کرے" کا بیان ہے دوسرے باب میں ثوابت وکواکب اور دوربین سے ان کی شکلیں جس طرح نظر آتی ہیں، بیان کی گئی ہیں۔ تیسرے باب میں شکلِ ارضی، چوتھے میں شفق اور پانچ سے سات ابواب میں حرکتِ شمسی اور حرکتِ سیارگان کو سمجھایا گیا ہے۔ آٹھواں باب سیاراتِ ثانی، قمر اور حلقہ زحل کے لیے وقف ہے نویں باب میں نظامِ شمسی پر تفصیلی معلومات درج کی گئی ہیں۔ اور اُنیسویں باب تک علمِ ہیئت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خاتمۂ کتاب کی سرخی کے تحت یہ وضاحت کی گئی ہے کہ علم ہیئت کی معلومات کے لیے کروی مثلثات کے علم سے واقفیت ضروری ہے کیوں کہ ہیئت کے مسائل میں "کرے" "کے دوائرِ عظیمہ" "دوائر صغیرہ" اور "خفیف تغیرات اجزائے مثلثات کروی" کا استعمال ہوتا ہے۔ ان تمام

۱۔ رسالہ علم ہیئت، جان برنکلی، مترجم سید کمال الدین حیدر، مطبع سلطانی (۱۸۴۷ء)، ص ۲
(کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو نمبر ۲۰۷۹)

مسائل کو مثالوں اور دلیلوں کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔

کتاب کی عبارت فارسی آمیز اور طویل جملوں پر مبنی ہے۔ انگریزی اصطلاحوں کی جگہ اردو تراجم کا استعمال کیا گیا ہے مثلاً گلاں بیں، دوربین، انحرافِ کمپاس، سوزن مقناطیسی وغیرہ کتاب کی عبارت سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کریں:

"چاند بہ سبب اپنی حرکت جو غرب سے شرق تک ہوتی ہے ہر روز بہ دیر طلوع کرتا ہے، لیکن دیر ہونا طلوع کا نہایت مختلف ہے کہ شمالی عرض بلدوں میں جس وقت کہ چاند قریب تقاطع حملہ منطقۃ البروج اور خطِ استوار کے یا ابتدائے حمل کے ہوتا ہے دیر طلوع ہونے کی کم ہوتی ہے اور جس وقت کہ قریب ابتدائے میزان کے ہوتا ہے انتہائی مرتبہ پر ہوتی ہے اور تصوّر کرنے سے اس امر کے ظاہر ہوگا کہ جب برج حمل طالع ہوتا ہے وہ حصہ منطقۃ البروج جو تحت افق ہے زاویہ صغیرہ افق سے پیدا کرتا ہے اور جب برج میزان طالع ہوتا ہے زاویہ عظیمہ"[۱]

اگر اس ضخیم کتاب کو از سرِ نو ترتیب دیا جائے تو آج بھی اپنی افادیت اور اہمیت کے سبب اس کو قبولیت عام حاصل ہوگی۔ اور معلومات کے اعتبار سے بھی سودمند ثابت ہوگی۔

بحرِ حکمت

۲۵ × ۱۵ سینٹی میٹر سائز پر اور ۸۵ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۸۴۷ء میں لکھنؤ کے مطبع سیمائی میں لیتھو مشین پریس سے طبع ہوا۔ یہ مختصر رسالہ فادر پرکنس کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے لیکن کتاب پر مترجم کا نام نہیں دیا گیا۔ یہ کتاب زبان کے اعتبار سے قدیم اسلوب بیان کی حامل ہے۔ جملوں کی ساخت اور تراکیب سے اس عہد کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے جیسے "اب آغاز خانی کل کا کرتا ہوں۔ عمود علی الافق، نقطۂ جوش (BOILING POINT) نقطۂ انجماد (FREEZING POINT) وغیرہ۔

۱۔ رسالۂ علم ہیئت، مترجم سید کمال الدین حیدر لکھنوی، مطبع سلطانی لکھنؤ، ۱۸۴۳ء، ص ۴۹۳
(کتب خانہ ادبیات اردو نمبر ۲۰۷۹)

کتاب میں فہرست اور دیباچہ نہیں دیا گیا صفحہ ۲ سے "مقدمہ" کی سرخی کے تحت اصل کتاب کی ابتدا ہوتی ہے۔ سرورق کی عبارت میں تحریر ہے کہ:

"این رسالہ عجیب و غریب در بیانِ تحقیق ساختن سبب روانگی و دریافتن قواعد وحرکت دودخانی کل مسمیٰ بہ بحرِ حکمت کہ بہ سعی و توجہ صاحب والامناقب پادری پرکنس صاحب ترجمہ اس بزبان اردو عام فہم شدہ بتاریخ پنجم شعبان ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) بہ بیت السلطنت لکھنؤ در مطبع مسیحائی بہ اہتمام اضعف العباد مسیح الزماں ولد مولوی نور محمد مرحوم طبع گردید۔"[1]

کتاب کے آخری صفحہ پر مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے:

"حق سبحانہٗ تعالیٰ جل جلالہٗ کی برکت سے یہ کتاب مسمیٰ بہ بحرِ حکمت بیچ دریافت کرنے احوال حکمت روانگی اور ترکیب طیار کرنے دخانی کل کے جو تالیف کی ہوئی پادری پرکنس صاحب کی، حسب فرمائش بعضی صاحبان عالی شان کے مطبع مشتہرہ مسیحائی میں اہتمام اضعف العباد و احقر الافراد مسیح الزماں ولد مولوی نور محمد مرحوم کے بیچ دار السلطنت لکھنؤ کے کشمیری محلّے میں چھاپی گئی۔"[2]

اس کتاب میں (STEAME) یعنی بھاپ کا بیان ہے اور اس کی اہمیت اور افادیت کی وضاحت تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ حرارت کا ذکر کرتے ہوئے تھرمامیٹر کے متعلق تفصیلی گفتگو کی گئی ہے کتاب میں نقشے، شکلیں اور تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

بائلر کے متعلق تمام ضروری معلومات اس کتاب میں یکجا کی گئی ہیں۔ بائلر کے تمام پرزوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور وضاحت کے لیے کئی شکلیں دی گئی ہیں جو لیتھو میں بہت نفیس اور دیدہ زیب انداز میں چھاپی گئی ہیں۔

۱۔ بحرِ حکمت، پادری پرکنس، ترجمہ اردو، مطبع مسیحائی لکھنؤ (۱۸۴۷ء) ص ۱

۲۔ بحرِ حکمت، پادری پرکنس، ترجمہ اردو، مطبع مسیحائی لکھنؤ (۱۸۴۷ء) ص ۵۸

رسالہ ہیضے کا علاج

دس صفحات پر مشتمل یہ مختصر رسالہ سلطان عالم واجد علی شاہ کے عہد میں الآباد سے ۱۸۵۲ء
میں صرف ایک بار شائع ہوا۔ اس رسالہ کا مصنف بلیو سنڈیمن جوائنٹ مجسٹریٹ الہ آباد تھا۔
مختصر رسالہ اپنی افادیت کے سبب اس عہد میں بہت مقبول ہوا، کیوں کہ ہیضے کی ابتدائی معلومات
سے متعلق کوئی ایسی کتاب اس سے پہلے موجود نہ تھی اور اس مرض سے عوام بہت خوف کھاتے
تھے۔ ان کے لیے یہ رسالہ بڑی اہمیت کا حامل رہا۔

"رسالہ ہیضے کا علاج" کے ابتدائی صفحہ پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر کی گئی ہے:

"سب زمینداروں اور دوسرے لوگوں کو جن کے پاس یہ رسالہ پہنچے جینٹ مجسٹریٹ
بہادر کا سلام" [۱]

دوسرے صفحے سے اصل موضوع کو بحث بناتے ہوئے بیانیہ انداز میں مصنف نے
لکھا ہے کہ:

"وہ مرض جس کا ذکر میں کرتا ہوں، ہیضہ ہے اس لفظ کے معنیٰ قے کرنا
اور دست آنا ہے جس میں ہمیشہ کم و بیش ڈرانے کی خاصیت رہتی ہے۔۔۔
کمپنی بہادر کے لشکری اسپتالوں میں اور ضلع کے جیل خانوں اور سرکاری
دواخانوں اور دارالشفاؤں میں جہاں بیماروں کی خبری و حفاظت ہیضے
کے پہلے ہی حملے کے بعد جھٹ پٹ ہوتی ہے۔ موت بہت ہی شاذ و نادر نظر آتی ہے
اس میں دیری کرنا ہمیشہ خطرناک ہے، در اکثر اوقات قاتل ہے" [۲]

رسالے کی عبارت عام فہم اور زبان سلیس ہے اس عہد کے متروک لفظ جیسے دیر
(دیری) خبیر (خبری)، وغیرہ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ افادیت کے اعتبار سے یہ رسالہ اہمیت
کا حامل ہے۔

۱۔ رسالہ ہیضے کا علاج بلیو سنڈیمن، الہ آباد مشین پریس الہ آباد (۱۸۵۳ء) ص ۱

۲۔ رسالہ ہیضے کا علاج بلیو سنڈیمن، الہ آباد مشین پریس الہ آباد (۱۸۵۳ء) ص ۲

باب چہارم

دہلی کالج

ہندوستان میں جن اداروں نے جدید علوم اور سائنس کے میدان میں عملی خدمت کی ہے اُن میں دہلی کالج اور اس کی ورنیکلر سوسائٹی کا نام سرفہرست ہے۔ یوں تو اس عہد میں دیگر اداروں نے اور انفرادی حیثیت سے بھی سائنس کی ترقی اور اس سے حاصل ہونے والے گراں قدر فوائد کے بارے میں اپنے طور پر اور مغربی کتب کے تراجم کے ذریعے بھی خدمات کی ہیں لیکن دہلی کالج کی ورنیکلر سوسائٹی اپنے وجود میں وہ معنوی حیثیت پوشیدہ رکھتی ہے جس کا اظہار اور اعتراف بہت ضروری ہے۔

ورنیکلر سوسائٹی کے ذکر سے پہلے اس کالج کے تاریخی پس منظر پر بھی ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔ جس کے بغیر اس ادارے کی خدمات کا جائزہ نہ صرف ادھورا رہے گا بلکہ اس ادارے سے پورا پورا انصاف بھی ممکن نہیں ہو سکے گا۔

دہلی کالج اس علمی درس گاہ کی ترقی یافتہ شکل ہے جو ۱۷۹۲ء میں مدرسۂ غازی الدّین کے نام سے قایم کی گئی تھی۔ یہ عمارت غازی الدین احمد خاں فیروز جنگ نے احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے عہد میں اجمیری دروازہ کے بالمقابل نواب احسن اللہ خاں کی حویلی میں تعمیر کی تھی۔ یہ حویلی اس عہد کی شاہی حویلیوں میں شمار کی جاتی تھی سترہویں صدی کے

بیش تر رؤسا، امرا، جاگیردار اور نوابین اپنی زندگی ہی میں اپنے لیے یادگاریں، مساجد اور مقبرے تعمیر کرالیا کرتے تھے۔ نواب فیروز جنگ نے بھی اِسی نظریے کے تحت یہ عمارت تعمیر کرائی تھی۔ ۱۷۱۰ء میں احمد آباد میں غازی الدین خاں فیروز جنگ کی وفات کے بعد ان کے ورثا، ان کی لاش کو دہلی لائے اور اسی مدرسے کی عمارت میں اُن کی تدفین کی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی جو ایک تجارتی ادارے کی حیثیت سے کلکتہ میں قائم کی گئی تھی اپنے سیاسی اثرات کے تحت ایک تاریخی حقیقت بن چکی تھی اور تجارت کی آڑ میں انگریز ہندوستان کی بیش تر ریاستوں پر اپنا تسلّط قایم کرچکے تھے تو دہلی جو ہندوستان کا دل اور ہر عہد کی عظیم راجدھانی ہونے کے سبب ایک بڑا شہر تھا، کیسے ان کی دستبرد سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کے علاوہ اپنے سیاسی مقاصد کے پیشِ نظر انگریز کئی بڑے علمی مرکز (کلکتہ کا مدرسۂ عالیہ ۱۷۸۰ء اور بنارس کا سنسکرت کالج ۱۷۹۱ء میں) قایم کرچکے تھے اور اپنا اقتدار پورے ملک میں برقرار کرنے نیز عوام کو ذہنی طور پر محکوم کرنے کے لیے، اپنی تہذیب اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے نئے نئے اداروں کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ان کی نگاہ مدرسہ غازی الدین پر ٹھہری جس کی عمارت مرمّت طلب تھی اور طلبا، کی تعداد بھی برائے نام تھی نیز تعلیمی معیار بھی نہایت پست ہوچکا تھا۔ خصوصاً مسلمان تعلیمی اعتبار سے بہت پیچھے تھے بقول ولیم ایڈم "مسلمانوں میں تعلیم اس درجے میں ہے جیسی یورپ میں چھاپے خانے کی ایجاد سے پہلے تھی" جدید تعلیم خصوصاً سائنسی ادب کا نصاب نہ صرف عنقا تھا بلکہ اس سلسلے میں رُجحان کم پایا جاتا تھا۔ مدرسہ غازی الدین کی بے چارگی پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کے الفاظ میں:

"مسٹر ایچ۔ جے ٹیلر کی رپورٹ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۲۴ء میں مدرسہ غازی الدین میں نو ۹ طالب علم تھے اور مولوی عبداللہ ان کو درس دیتے تھے"۔[۱]

۱۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی مقدمہ از پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، دہلی (۱۹۶۱ء) ص ۵

وہ ادارہ جو ۱۷۹۲ء میں تعلیمی معیار بلند رکھنے کے لیے کھولا گیا تھا اب اپنی تعلیمی پستی پر نوحہ کناں تھا۔ اسی سبب انگریزوں نے اپنی درس گاہ بنوانے کی غرض سے اسے کھدوانا چاہا کیونکہ یہ عمارت اس عہد کے شہر دہلی کے باہر یعنی شہر پناہ سے باہر اجمیری دروازہ کے بالمقابل تعمیر ہوئی تھی۔ عمارت کی پختگی کے سبب مزدوروں کی کدالیں ٹوٹ گیئں دوسرے عمارت کی مضبوطی کو دیکھتے ہوئے انگریزوں کو بے جا مصارف کا بھی خیال آیا اور اس عمارت کو ڈھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا چاروں طرف نہر کھدوا کر اس مدرسے کو بھی شہر میں شامل کر لیا گیا۔ چونکہ مدرسہ شہر کی ہنگامہ خیز فضا سے ہٹا کر شہر پناہ کے باہر اس مقصد کے تحت قائم کیا گیا تھا کہ عام زندگی کا شوروغل طلباء کے علمی مطالعے میں حارج نہ ہو۔ اور دراصل اپنے علمی ماحول ہی کے سبب اس مدرسے کو خاص قدرومنزلت حاصل تھی۔ ۱۸۲۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناظمین کی طرف سے تعلیمی حالات کے جائزے کے لیے مجلسِ تعلیم عامہ (GENERAL COMMITTEE OF PUBLIC INSTRUCTIONS) کا قیام عمل میں آیا جس کا سیکریٹری DR. HORACE HAYMON WILSON کو مقرر کیا گیا۔ مجلسِ تعلیماتِ عامّہ کی طرف سے ایک گشتی خط دہلی، آگرہ اور دوسرے مقامات کی مقامی کمیٹیوں کے نام بھی بھیجا گیا۔ جس کا مقصد موجودہ تعلیمی اداروں کا معیار ان کی ضروریات اور اُن کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لینا تھا۔ اور اس سروے سے یہ بھی اندازہ لگانا تھا کہ کن مقامات پر تعلیم کی ترقی و توسیع کے لیے کیا کیا ذرائع اور وسائل درکار ہیں۔ ان علاقوں میں کتنے مدرسے، کتنے مکتب اور کتنے تعلیمی مرکز موجود ہیں اور ان کی امداد کا بوجھ کن لوگوں کے کاندھوں پر ہے اور ان میں کتنے ادارے سرکاری امداد کے جائز مستحق ہیں اور انہیں کیسی امداد درکار ہے۔ اس کے علاوہ خط میں یہ اطلاع بھی شامل تھی کہ سرکار کا منشا دہلی میں کالج قایم کرنے کا ہے۔ اس لیے دہلی کے مقامی مددگاروں اور اوقاف کی رپورٹ بھی دی جائے جو مجوزہ کالج کے سلسلے میں معاون ثابت ہوں۔

دہلی کی مقامی مجلس کے سربراہ مسٹر ٹیلر نے مدراس کی تعلیم کے کم سود مند ہونے اور ان اداروں کی مالی خستگی کی رپورٹ دیتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ دہلی میں تعلیم کی

حالت افسوسناک ہے۔ پُرانے اوقاف بے توجّہی کا شکار ہیں۔ شرفاء ان مدارس میں اپنے بچّوں کو تعلیم دلانے میں ہچکچاتے ہیں اور معقول تعلیم کا انتظام کرنا اُن کے بس میں نہیں ہے۔ اگر پُرانے مدارس کی ازسرِ نو تشکیل کی جائے تو اچھے نتائج نکل سکتے ہیں۔

اس عہد میں سیاسی تغیّرات کے سبب عوام معاشی بدحالی کا عموماً شکار تھے۔ اس بدحالی کے باوجود وہ اپنے بچّوں کو تعلیم سے روشناس کرانا چاہتے تھے تاکہ تعلیم یافتہ ہوکر وہ اچھے سرکاری عہدوں پر فائز ہوسکیں اور اُن کی خاندانی روایات اور شان و شوکت پر کوئی حرف نہ آئے اور عزّت و ناموس کی پاسداری ہوسکے اور اُن کی اولاد ادنیٰ پیشوں کو اختیار کرنے سے بچ جائے۔

۱۸۲۴ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناظمین کی مخالفت کے باوجود پارلیمنٹ نے ہندوستان کی تعلیمی صورتِ حال کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ایک لاکھ روپے رقم منظور کی اور چارٹر کی دفعہ ۴۳ کی رو سے یہ طے کیا گیا کہ یہ رقم مندرجہ امور پر خرچ کی جائے۔ علم و ادب کے فروغ کے لیے ترقیاتی منصوبوں پر عمل اور ہندوستان کے اہلِ علم کی قدر و منزلت اور سائنسی علوم کو ہندوستان کے ان علاقوں میں فروغ دینا جہاں برطانوی اقتدار رہے۔

منظور شدہ رقم کے ایک حصہ سے جو ۶۰۰۰ (چھ ہزار) روپیہ سالانہ تھی، دہلی میں مسٹر ایچ۔ جے ٹیلر کی کوششوں سے مدرسہ غازی الدین کی عمارت میں دہلی کالج کھولنے کا اعلان کیا گیا اور مدرسے کی مرمّت کے لیے ۱۱۵ روپیہ کی رقم بھی برطانیہ سے منظور ہوگئی مقامی مجلسِ تعلیم کے سکریٹری مسٹر ٹیلر ہی کی سربراہی میں یہ کالج سن ۱۸۲۵ء میں کھولا گیا۔ بقول مولوی عبدالحق:

"...... مجوزہ کالج کا افتتاح ۱۸۲۵ء میں ہوا اور اس شاہانہ عطیے میں سے اس کالج کے لیے پانچ سو روپے ماہانہ مقرر کیے گیے۔ مسٹر ایچ۔ جے ٹیلر، مقامی مجلس کے سکریٹری ایک سو پچھتر روپے ماہانہ پر اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ہیڈ مولوی کی تنخواہ ایک سو بیس روپے قرار پائی اور مولوی بچاس پچاس کے رکھے گئے۔ باقی پچیس پچیس اور تیس تیس کے تھے۔

طلباء کے لیے بھی وظائف مقرر ہوئے۔"[1]

دہلی کالج کے ابتدائی دور میں پرانی تعلیم عربی، فارسی اور فقہ وغیرہ ویسے ہی برقرار رکھی گئی۔ ۱۸۲۶ء میں طلباء کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ بیس طلباء ہوسٹل میں رہنے والے تھے اس کے علاوہ، عربی کلاس میں چالیس، فارسی میں پچاس اور سنسکرت میں ستره طالب علم تھے اور درجۂ ابتدائی میں ستانوے طلباء داخل کیے گئے کل ملا کر طلباء کی تعداد ۲۰۴ ہو گئی تھی اس وقت نصاب کی کتابوں کی کمی تھی اس لیے دہلی کالج کے نصاب میں نمایاں تبدیلی ناممکن تھی اسی سبب مجلس تعلیم نے فقہ اور قدیم فلسفہ کی تعلیم کو بجنسہ برقرار رکھا لیکن ریاضی اور تاریخ پر توجہ دینے کی اپیل کی۔ جہاں تک زبانوں کا تعلق ہے مجلس نے ہندوستانی (اُردو) فارسی اور عربی سیکھنے کی سفارش بھی کی تاکہ لوگ اسلامی قانون سیکھ کر برطانوی عدالتوں کو فیض پہنچا سکیں۔

دہلی کالج کا قیام انگریزوں کی اس تعلیمی پالیسی کی بدولت وجود میں آیا جس پر مشرقی علوم کے حامی (ORIENTALISTS) عمل پیرا تھے اور اس وقت GENERAL COMMITTE OF PUBLIC INSTRUCTIONS میں نمایاں تعداد میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ یورپ میں ہندوستانی علوم کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ گوئٹے کے توصیفی اشعار WILLIAM JONES کے تحقیقی مقالے اور WILLIAM ROBERTSON کے تہذیبی انکشافات نے ان کی مقبولیت میں اور اضافہ کر دیا تھا۔

بہت سے برطانوی حکمراں ہندوستانی علوم کی سرد مہری پر آزردہ خاطر تھے اور ان کا احیاء چاہتے تھے۔ لارڈ منٹو نے اپنی یادداشت میں ہندو علماء کی تعداد کے زوال اور علم کی تنزلی پر افسوس کا اظہار کیا تھا لیکن لارڈ منٹو کی یادداشت کا کوئی سنجیدہ اثر نہ ہوا۔ کلکتہ ریویو کے مقالہ نگار نے طنز کیا تھا کہ ان کی یادداشت تمام تر ہندوستانی علوم کا مرثیہ ہے اور ہندوستانی عیسائی وائسرائے نے بھی مغربی علوم کی حمایت نہیں کی کیونکہ

---

[1] مرحوم دہلی کالج، ڈاکٹر مولوی عبد الحق، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی ۱۹۴۵ء، ص ۹

انگریزوں کا تعلیمی سلسلہ دراصل سیاسی نوعیت کا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں کی تالیفِ قلوب کی جائے۔ اس کے علاوہ انگریزوں اور دوسری یورپی اقوام کے ذریعے سے جو تعلیمی کام بھی ہُوا اس کے لیے تمام تر عیسائی مذہبی حلقے اور پادری ذمّہ دار تھے۔ کمپنی یا اس کے ملازموں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ شروع میں کمپنی نے ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی لیکن جیسے جیسے کمپنی سیاسی راستے پر گامزن ہوتی گئی اس کے مقبوضات وسیع تر ہوتے گئے اور یہ اندیشہ زور پکڑ گیا کہ ہندوستانی عوام پادریوں اور ان کی سرگرمیوں کو مذہبی مداخلت سمجھ کر بغاوت پر کمربستہ ہو جائیں گے۔ اس اندیشے کے پیشِ نظر ابتدا میں دہلی کالج میں بھی رائج الوقت تعلیم کو بعینہٖ برقرار رکھا گیا۔

برسرِ اقتدار انگریزی سرکار اچھی طرح جانتی تھی کہ ہمیں ہندوستان کی حکومت تو مل گئی ہے لیکن ہندوستانیوں کی ہمدردی حاصل نہیں ہوئی ہے یہ سربراہ اس بات سے بھی بخوبی واقف تھے کہ جو علوم ہندوستانیوں کو عزیز ہیں، اُن کی مخالفت کی گئی تو اقتدار کی ساری سیاسی بساط بھی اُلٹ سکتی ہے۔ جنرل کمیٹی نے اسی لیے جو تعلیمی پالیسی بنائی وہ مشرقی علوم کی حمایت میں تھی تاکہ انہیں بساطِ سیاست پر سرخروئی نصیب ہو اور ادنیٰ ہو یا اعلیٰ سب ہندوستانی باشندے اس تعلیم کے فیوض سے بہرہ ور ہو سکیں۔ انگریزوں کی یہ بھی خواہش تھی کہ ہندوستانیوں کو رفتہ رفتہ مغربی علوم سے روشناس کرایا جائے تاکہ اس آمیزہ سے اچھے نتائج برآمد ہوں، دوسرے اس وسیع ملک میں مغربی آگاہیوں کی بنیاد صرف مشرقی علوم پر ہی رکھی جا سکتی تھی۔

۱۸۲۸ء میں سر چارلس مٹکاف برٹش ریذیڈنٹ کمشنر کی سفارش پر کالج میں انگریزی شعبہ کا اضافہ کیا گیا۔ ۶۰۰۰ روپے تعلیمی فنڈ سے اور دو سو پچاس روپے ماہانہ دہلی کے فنڈ سے منظور کیے گئے۔

دہلی کالج کا وجود ابھی ابتدائی منزلوں میں تھا کہ اس کے سامنے مشکلات آنے لگیں، اور انگریزی تعلیمی شعبے کے سبب دہلی کے عوام میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مولوی عبدالحق نے اس بارے میں لکھا ہے:

"..... ہندو مسلمان، دونوں نے اس کی مخالفت کی۔ دین دار بزرگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ ہمارے نوجوانوں کے مذہب بگاڑنے اور اندر ہی اندر عیسائی مذہب کے پھیلانے کی ترغیب ہے۔"[۱]

اس مخالفت کا اصل سبب طلباء کے وہ رویّے تھے جو وہ کالج کے نئے ماحول میں سیکھ کر اپنے گھروں تک لے گئے اور پرانے خیالات رکھنے والے بزرگ اُن سے بدگمان ہو گئے لیکن تھوڑے ہی عرصے میں آہستہ آہستہ یہ بدگمانیاں صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔

۱۸۲۹ء تک دہلی کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کی تعداد ایک سو ساٹھ ہو گئی جب کہ کالج کی منجملہ آمدنی صرف ۹۰۰۰ روپے تھی اور یہ رقم موجودہ ضروریات کے تحت ناکافی تھی حُسنِ اتفاق سے نواب اعتماد الدّولہ میر فضل علی خاں جو بڑے مخیّر اور مذہبی خیالات کے حامی تھے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے ایک لاکھ ستّر ہزار کی رقم اس لیے انگریزی حکومت کے حوالے کر دی کہ اس روپے سے مُسلمان طلباء کے لیے ایسا کالج کھولا جائے جس میں انہیں عربی، فارسی کے علاوہ دینی تعلیم اعلیٰ پیمانے پر دی جا سکے۔ حکومت نے یہ عطیہ شکریے کے ساتھ قبول کر لیا لیکن دہلی کی مجلسِ تعلیماتِ عامّہ نے نواب صاحب سے گذارش کی کہ اتنی سی رقم ایک اوّل درجے کا کالج کھولنے کے لیے ناکافی ہے اس لیے نیا کالج کھولنے کے بجائے اس رقم کو بھی دہلی کالج کی رقم میں شامل کر لیا جس رقم کی حکومت نے منظوری دی ہے۔ نواب صاحب نے یہ مشورہ قبول کر لیا:

"نواب اعتماد الدّولہ فضل علی خاں (لکھنو) نے اس مدرسہ (دہلی کالج) کے خرچ کے واسطے ایک لاکھ ستّر ہزار روپے انگریزی کمپنی کو دیے تھے۔ چنانچہ کمپنی کی طرف سے مقبرہ کی دیوار پر ان کے نام کا ایک کتبہ لگایا گیا جس کی عبارت یہ ہے:

۱۔ مرحوم دہلی کالج، ڈاکٹر مولوی عبد الحق، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی (۱۹۴۵ء) ص ۷

کتبہ مقبرہ غازی الدین خاں

نہ بر لوح نقشے بماند ولیک — جزائے عمل ماند ونام نیک

"بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سیّد فضل علی خاں بہادر سہراب جنگ کہ یک لک وہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم در مدرسۂ ہذا واقع دہلی خاص مولد ووطن خویش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۹ء" [۱]

۱۸۳۰ء میں نواب اعتماد الدولہ نے اپنی وصیت کے ذریعے اپنے داماد سیّد حامد علی خاں کو اُس رقم کا متولّی اور نگراں مقرّر کیا جو دہلی کالج کو دی گئی تھی۔ اپنی وصیت میں انہوں نے لکھا:

"غازی الدین خاں مرحوم نے دلّی میں عربی اور فارسی علوم کی ترقی کے لیے قایم کیا تھا جو میرے مذہبی علوم ہیں اور اخلاق کے سرچشمے ہیں اور میں وصیت کرتا ہوں کہ رقمِ موقوفہ کا منافع ان علوم کے طلباء اور اساتذہ پر خرچ ہو۔" [۲]

مارچ ۱۸۳۱ء میں نواب صاحب رحلت کر گیے اور سیّد حامد علی خاں اس وقف کے باقاعدہ نگراں بنا دیے گیے۔ سیّد حامد کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ جو کالج عربی اور فارسی علوم کی تعلیم کے لیے قایم کیا گیا تھا وہاں اب وقف کی رقم بھی انگریزی شعبے پر خرچ ہو رہی ہے۔ انہوں نے ایک خط میں گورنر جنرل سے شکایت کی:

"ہندوستان میں جتنے بھی تعلیمی ادارے ہیں، سب عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور اس وجہ سے کالج کی موجودہ مسیحی کمیٹی بھی نواب مرحوم کی وصیت کا احترام نہیں کرتی۔" [۳]

۱۔ ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں۔ ابوالحسنات عبدالشکور، دارالمصنّفین اعظم گڑھ (۱۹۲۲ء) ص ۲۴

۲۔ مرحوم دہلی کالج۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق۔ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی (۱۹۴۵ء) ص ۱۰

۳۔ قدیم دہلی کالج نمبر، دلّی کالج اردو میگزین۔ مضمون ایک خط۔ از گوپی چند نارنگ۔ (۱۹۵۳ء) ص ۱۵۷

سید حامد علی خاں کے خط کے جواب میں گورنر جنرل کی طرف سے ایسا خط لکھنے پر تنبیہ کی گئی کہ آئندہ کسی بھی ایسی شکایت پر غور نہ کیا جائے گا جو کہ خط وکتابت کے رائج شدہ طریقے سے یعنی کالج کی مقامی کمیٹی اور جنرل کمیٹی (تعلیم عامہ) کے ذریعے نہ بھیجی جائے گی۔ دہلی کالج کو اس رقم سے بہت فائدہ پہنچا اور اس کی آمدنی میں یک لخت سات سو روپیہ ماہانہ سے زیادہ کا اضافہ ہو گیا اگرچہ نواب مرحوم کا منشا پورا نہ ہوا کیونکہ اب حالات کا رُخ بدل چکا تھا۔ انگریز بساطِ سیاست پر اپنی گرفت مضبوط کر چکے تھے۔ سید حامد علی کی خط وکتابت کا نتیجہ صفر ہی رہا۔ حکومت نے وقف کی رقم ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا البتہ انہیں دہلی کالج کی انتظامیہ کمیٹی کا رکن نامزد کر دیا گیا اور اسی دوران انگریزی شعبہ کالج کے مشرقی شعبے سے علیحدہ کر دیا گیا۔ حالانکہ انگریزی شعبے میں طلباء کی تعداد تین سو تک پہنچ چکی تھی لیکن اس سے مشرقی شعبے کی ہر دلعزیزی میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔[۱]

۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے گورنر جنرل کی کونسل کے رکن کی حیثیت سے ہندوستان آئے جن کے ذمہ محکمۂ قانون اور مجلس تعلیم عامہ کے شعبے کی صدارت سپرد ہوئی۔ لارڈ میکالے فطرتاً بہت مذہبی اور عیسائیت کے دلدادہ تھے ان کے نظریات میں تعلیم کے ذریعے مسیحیت کی تبلیغ بھی شامل تھی لارڈ میکالے کا خیال تھا کہ "ہندوستانی کلچر خرافات اور توہمات کا پشتارہ ہے"۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ تاریخ جو اس وقت ہندوستان میں رائج ہے اور وہ جغرافیہ جس میں تمام سمندر دودھ اور شیرے کے ہیں پڑھانا محض تضیع اوقات ہے۔ ان کے فکری محرکات میں برطانوی سرمایہ داری کی وہ سیاسی اور معاشی ضرورتیں اور مصلحتیں مستزاد تھیں جن کا تقاضہ تھا کہ ملک میں ہمدرد اہل کاروں کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا جائے جو نوآبادیاتی نظام کے قیام میں اعانت کر سکے۔ میکالے کی تعلیمی یادداشت ۱۸۳۵ء ہماری تاریخ میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اس موقع پر [illegible] نے احتجاج کیا تھا:

۱۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی۔ مقدمہ خواجہ احمد فاروقی۔ دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۴۲

"یہ بڑا ظلم ہے کہ ہندوستانیوں کے ذہن کو ان کی تہذیبی بنیادوں سے محروم کر دیا جائے اور وہ اپنے فکر و خیال کے لیے ایک اجنبی ملک کے محتاج ہو جائیں جو سات سمندر پار واقع ہے۔" [1]

تمام مخالفتوں کے باوجود میکالے کی یادداشت کو گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنک نے منظور کر لیا جس کی رو سے مشرقی علوم کے حمایتیوں کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ اور ہندوستان کی ثقافتی غلامی کا وہ دور شروع ہوا جو فوجی محکومی سے زیادہ پُراثر تھا۔ یادداشت کے نام پر جو قرارداد منظور کی گئی اس میں ہندوستانی باشندوں میں علوم و فنون کی ترقی کے علاوہ اس میں یہ تجویز بھی شامل تھی کہ تعلیم کے لیے جو رقم مقرر ہوا اس کا بہترین مصرف یہ ہے کہ وہ صرف انگریزی تعلیم پر خرچ کی جائے اور ان طلباء کو کوئی وظیفہ نہ دیا جائے جو صرف مشرقی علوم سیکھنا چاہتے ہوں۔ مشرقی علوم کی کتابوں کی طباعت روک کر اس رقم کو صرف انگریزی علوم کی ترقی پر خرچ کیا جائے۔

میکالے کی تعلیمی پالیسی نے پورے ہندوستان کو متاثر کیا۔ دہلی کالج کو چھوڑ کر تمام ملک میں اس قرارداد کی مخالفت کی گئی اس کے باوجود کلکتہ اور بنارس کالجوں میں انگریزی جماعتوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ دہلی کالج ہی کی صرف یہ خصوصیت رہی کہ یہاں ذریعۂ تعلیم اردو تھا اور نہ صرف عربی، فارسی اور سنسکرت کی تعلیم کے لیے بلکہ ریاضی، سائنس، فلسفہ، تاریخ اور اخلاق وغیرہ کے لیے بھی اُردو ہی ذریعۂ تعلیم رہا۔ جب کہ دوسرے اداروں میں ذریعۂ تعلیم انگریزی کر دیا گیا۔ نادار اور کم حیثیت طلبا کے وظیفے بھی اس قرارداد کی رو سے بند کر دیے گئے۔ عوام بے چینی محسوس کرنے لگے اور انگریزی تعلیم کے بارے میں شک و شبہات میں مبتلا ہو گئے۔ لارڈ ولیم بینٹنک کے بعد ۱۸۳۶ء میں لارڈ آک لینڈ گورنر جنرل ہو کر آئے اور انہوں نے تعلیمی صورت حال کا از سر نو جائزہ لیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ اگر کمپنی مشرقی مدارس کی آبیاری کے لیے بھی بدستور رقم خرچ کرتی تو موجودہ انگریزی

۱۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی۔ مقدمہ خواجہ احمد فاروقی، دہلی (۱۹۶۱ء) ص ۲۳

تعلیم کی اس قدر مخالفت نہ ہوتی آخر کار ۲۴ نومبر ۱۸۳۹ء کو انہوں نے اپنے فیصلے کی رو سے تمام مشرقی مدارس اور طلبا کی امداد بحال کر دی اور مشرقی زبانوں میں انگریزی کی مفید کتابوں کے ترجموں پر زور دیا۔

دہلی کالج اردو ذریعۂ تعلیم کے سہارے روز بروز ترقی کرتا گیا ۱۸۴۰ء میں ممتحنین نے تعلیمی حالت کی تعریف کی۔ ۱۸۳۸ء میں جماعت اعلیٰ کے عربی تراجم اور فارسی انشا پردازی کے نمونے حکومتِ وقت کو بھیجے گیے، جنہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ٹیلر صاحب جو کالج کے عارضی پرنسپل تھے اس کالج کی ترقی کے لیے کوششوں میں مصروف تھے۔ انھیں کی کوششوں سے ۱۸۳۵ء میں ایک ایجوکیشنل کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تھا جس کا مقصد اردو میں سائنسی اور جدید علوم کی کتابیں مہیا کرنا تھا۔

۱۸۴۱ء میں ٹیلر اپنے عہدے سے مستعفی ہو گیے اور ان کی جگہ فرانسیسی نژاد MR. FELIX BOUTROS دہلی کالج کے نئے پرنسپل اور ایجوکیشنل سوسائٹی کے سکریٹری مقرر ہوئے جنہیں ۶۰۰ روپیہ ماہانہ مشاہرہ دینا منظور کیا گیا۔

بوترو ایک مصلح کی حیثیت سے کالج کی مقبول شخصیت بن گیے انہوں نے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لیے ۱۸۴۱ء میں ایک انجمن THE SOCIETY FOR PROMOTION OF KNOWLEDGE قایم کی جو دلی ٹرانسلیشن سوسائٹی اور ورنیکلر سوسائٹی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سوسائٹی کا مقصد دیسی زبانوں میں سائنسی اور جدید علوم کے تراجم کرنا تھا۔ مجلسِ عاملہ کے منتخب نمائندوں میں ٹامس مٹکاف دلی، چارلس گرانٹ دلی، سی ریونشا دلی، دوارکا ناتھ ٹیگور کلکتہ، ڈبلو بین کومٹن اور دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر بوترو شامل تھے۔ سوسائٹی نے تراجم کے لیے اصول مقرر کیے اور اصطلاحات بھی وضع کیں۔ مترادف دیسی الفاظ نہ ملنے پر انگریزی کے الفاظ بجنسہٖ لکھ دینے کی تاکید کی گئی۔ اگرچہ یہ انجمن انگریزی، عربی، سنسکرت اور فارسی زبانوں میں اعلیٰ درجے کی کتابوں کو اردو، بنگالی اور ہندی میں ترجمہ کرنے کی غرض سے قائم کی گئی تھی، لیکن اُردو کے علاوہ کسی اور زبان میں کوئی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ چونکہ اس سوسائٹی کے سب سے فعال اور متحرک رُکن مسٹر بوترو تھے اس لیے ابتدا ہی سے

اس انجمن کا سارا کام دہلی کالج کے ہاتھوں میں آ گیا اور یہ انجمن دہلی کالج ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کہلائی جانے لگی۔ گارساں دتاسی نے اس سوسائٹی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ”ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی ایک قابلِ تعریف جماعت ہے جس نے ادبی معلومات اور تھیوگرافی کی اشاعت میں بہت بڑا کام کیا ہے اس انجمن کا پہلا سیکریٹری ہمارا ہم وطن موسیو بتروس تھا۔“[۱]

۱۸۴۴ء میں مسٹر بوترو کی ایما پر دہلی کالج کے مشرقی اور مغربی گوشوں کو یکجا کر دیا گیا جس کا مقصد دونوں شعبوں کے تعلیمی معیار کو یکساں کرنا تھا۔ ۱۸۴۲ء میں دہلی کالج کو اجمیری دروازے سے کشمیری دروازے منتقل کر دیا گیا تھا۔

مسٹر بوترو اپنی علالت کے سبب ۱۸۴۵ء میں کالج سے مستعفی ہو کر فرانس چلے گئے جہاں ۱۸۶۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اب کالج کی باگ ڈور نئے پرنسپل DR. SPRINGER کے ہاتھوں میں آئی۔

مسٹر اشپرنگر نے بھی مسٹر بوترو کی طرح تعلیمی خدمت کو اپنا شعار بنایا اور ورنیکلر سوسائٹی کے کام کو آگے بڑھانے میں اپنا بھرپور تعاون پیش کیا۔ ان کے عہد میں کئی مشہور کتابیں ان کی ہی فرمائش پر لکھی گئیں جس میں سر سید کی شہرہ آفاق تصنیف 'آثار الصنادید' قابلِ ذکر ہے۔ گوپی چند نارنگ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”ڈاکٹر اشپرنگر کی سب سے بڑی خدمت ہندوستانی (اردو) زبان کی حمایت ہے۔ دہلی کالج میں جاری شدہ کام کو انہوں نے مدرسہ میں بھی جاری رکھنے کی کوشش کی۔ ہندوستانی کی اہمیت پر انہوں نے ہمیشہ زور دیا۔“[۲]

مسٹر اشپرنگر کو آئے ابھی تین سال کا عرصہ بھی نہ گذرا تھا کہ ۱۸۴۷ء کے آخر میں حکومتِ ہند نے انہیں لکھنؤ جانے اور اودھ کے شاہی کتب خانوں کی فارسی، عربی اور

۱۔ خطباتِ گارساں دتاسی، پانچواں خطبہ ص ۱۰۹، بحوالہ قدیم دہلی کالج نمبر، دلّی کالج میگزین (۱۹۵۳ء) ص ۱۰۳

۲۔ قدیم دہلی کالج نمبر، دلّی کالج میگزین، دہلی کالج کے چند پرنسپل از گوپی چند نارنگ (۱۹۵۳ء) ص ۱۰۰

اُردو کی قلمی کتابوں کی فہرست تیار کرنے کا کام سُپرد کر دیا۔ جس کو انھوں نے ۱۸۴۸ء تک بحسن وخوبی انجام دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال کی قلیل مدّت میں دس ہزار کتابوں کی فہرست تیار کی اور ہر کتاب پر اُس کے مصنّف کا تعارف لکھا۔

ڈاکٹر اشپر نگر کی غیر موجودگی میں مسٹر ٹیلر دوبارہ پرنسپل بنا دیے گئے جو پہلے سے ہی اس فرضِ منصبی کو خوش اسلوبی سے نباہ چکے تھے۔ ڈاکٹر اشپر نگر کے لکھنؤ سے کلکتہ چلے جانے کے بعد ۱۸۵۰ء میں مسٹر کارگل (JOHN KARGILL) دہلی کالج کے باقاعدہ پرنسپل بنا دیے گیے اور کالج میں اردو ذریعۂ تعلیم پر مبنی سائنس کی ایک علیحدہ جماعت قایم کی گئی۔ مسٹر کارگل کو ابھی اپنے عہدے پر آئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ۱۸۵۲ء میں کالج کے بعض قدیم طلبا، جو اس کالج میں ملازمت اختیار کیے ہوئے تھے، انگریزوں کے حُسنِ اخلاق اور لٹریچر سے متاثر ہو کر عیسائی ہو گیے۔ جس سے دہلی اور اس کے قرب وجوار میں بے چینی پھیل گئی اور کالج کی ساکھ بھی خطرے میں پڑ گئی لوگوں کے اندیشوں نے پھر سر اُبھار لیا جو وہ انگریزی تعلیم کے خلاف پہلے ہی سے قائم کیے ہوئے تھے کہ "انگریزی تعلیم کے نام پر ہندوستانیوں کو اپنے مذہب سے مرتد کیا جا رہا ہے" اس ضمن میں مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> "اس سال ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے کالج کو کسی قدر دھچکا لگا وہ یہ تھا کہ ماسٹر رام چندر جو اردو میں سائنس پڑھاتے تھے اور لالہ چمن لال فرسٹ سب اسسٹنٹ سرجن دہلی، دونوں کے دونوں عیسائی ہو گیے۔ اس سے دہلی کی مخلوق بہت بگڑی اور شہر میں بڑا غلغلہ ہوا ..... ۱۱ جولائی تک کالج میں داخلہ برابر ہوتا رہا اور طلبا کی تعداد ۳۴۲ تھی لیکن اس خبر کے اُڑتے ہی دفعتاً داخلہ بند ہو گیا اور چوبیس پچیس لڑکوں نے فوراً اپنے نام کٹوا لیے" [1]

اس سلسلے میں یوں تو کالج بہت رُسوا ہوا، لیکن بہت جلد یہ واقعہ لوگوں کے ذہنوں

---

[1] مرحوم دہلی کالج، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی (۱۹۴۵ء) ص ۴۸

سے محو ہو گیا نئے سال ۱۸۵۳ء میں دوبارہ طلبا داخلے کے لیے آنے لگے اور سوسائٹی بھی پہلے کی طرح اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

مسٹر جان کارگل نے تجویز رکھی کہ چونکہ مسلمان جدید علوم سے پوری طرح مانوس نہیں ہیں اور وہ انگریزی زبان اور ان کے علوم سے بہت بدگمان ہیں، اس لیے انہیں جدید علوم سے روشناس کرانے کے لیے قدیم مشرقی کتابوں کا مغربی زبان میں ترجمہ کرنے کے بجائے جدید علوم اور مغربی علوم کا مشرقی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور مشرقی شعبے کا طالب علم کسی طرح انگریزی شعبے کے طالب علم سے کمزور نہ ہونا چاہیے۔ حکومت نے ان کی اس تجویز کو منظور کر لیا اور از سر نو ترجمہ و تالیفات کا کام حسب دستور جاری ہو گیا۔ مسٹر کارگل بھی اپنے پیش رو پرنسپلوں کی طرح اس کالج کی فلاح و بہبودی میں لگ گیے۔ مسٹر کارگل بھی زیادہ عرصہ اپنے عہدے پر برقرار نہیں رہے۔ ۱۸۵۴ء میں صرف چار سال خدمت انجام دینے کے بعد وہ اپنے منصب سے مستعفی ہو گیے اور ان کی جگہ پر دہلی کالج کے پرانے ہمدرد اور مخلص جون ہنری ٹیلر کا تقرر پھر قایم مقام پرنسپل کی حیثیت سے ہو گیا۔

دسمبر ۱۸۵۵ء میں دہلی کالج کے طلباء کی تعداد بڑھ کر ۳۷۰ ہو گئی اسی دوران ناظم تعلیمات کی طرف سے نئی تعلیمی پالیسی کا اعلان ہوا، جس کی رو سے طلباء کے لیے حدبندیاں نافذ کر دی گئیں۔ بنارس، ساگر اور اجمیر کے علاوہ تمام کالجوں سے ہندی کو یکسر ختم کر دیا گیا اور عربی و فارسی طلباء کے لیے اردو پڑھنا لازمی قرار دیا گیا اور انہیں کوئی تیسری زبان سیکھنے کے لیے ممانعت کر دی گئی۔ ۱۸۵۶ء میں دہلی کالج کے طلباء کی تعداد گھٹ کر ۳۴۵ رہ گئی۔ اس کمی کی وجوہات دہلی کالج کے پرنسپل جان ہنری ٹیلر نے یوں بیان کی ہیں:

۱۔ شعبۂ سنسکرت دلی کالج سے اڑا دیا گیا۔ اس سے تیرہ (طلباً) کی کمی ہوئی۔

۲۔ سرکاری اور دوسرے محکموں میں دلی کالج کے ۲۷ طلباء ملازم ہو کر چلے گیے۔

۳۔ بعض غریب اور نادار طلباء کے پاس اتنے دام نہ تھے کہ کتابیں خرید کر

اگلی جماعتوں میں شریک ہوتے۔

۴۔ غیر حاضری کے متعلق نہایت سخت قواعد کا نفاذ، جس کے سبب سے ۵۰ طلبا کے نام خارج کر دیے گئے۔

۵۔ ناظم صاحب کے حکم کے بموجب ہر چھماہی پر داخلہ عمل میں آیا اس لیے طلبا کم داخل ہوئے۔

۶۔ شہر میں مشن ہائی اسکول نے نادار طلبا کی دست گیری کا ایسا بیڑہ اُٹھایا کہ کالج کی طرف غریب طلبا نے رُخ کرنا چھوڑ دیا۔"[1]

دہلی کالج کے علاوہ ہندوستان کے تمام کالجوں میں اس پالیسی کے اثر سے طلبا کی کافی تعداد گھٹ گئی خصوصاً بنارس، ساگر اور اجمیر کے کالج بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکے۔

۱۸۵۷ء کا سال ہندوستان کی تاریخ میں بڑا انقلاب آفریں ہے۔ دہلی میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کی حکومت سمٹ کر قلعے کی چہار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ انگریز مٹھی بھر ہوتے ہوئے اپنی حکمتِ عملی کے سبب سادہ لوح ہندوستانیوں کو اپنا محکوم بنا چکے تھے۔ ان کی فوجوں میں بھی ہندوستانی سپاہیوں کی کثرت تھی جو اقتصادی مجبوریوں اور کچھ عہدوں کے لالچ کے سبب انگریزوں کی ملازمت اختیار کیے ہوئے تھے لیکن ایسے افراد بھی ہندوستان میں موجود تھے جو انگریزی عمل دخل کو بار محسوس کرتے تھے اور یہ سمجھ بوجھ بھی رکھتے تھے کہ یہ لوگ ہماری کمزوریوں کے سبب غیر ملکی ہوتے ہوئے بھی ہم پر حاکم بنے ہوئے ہیں، ایسے خیالوں کی بھی ہندوستان میں کمی نہ تھی جو اُن سے ٹکر لینے اور ان کو اپنے ملک سے باہر نکال دینے کا حوصلہ رکھتے تھے اور مناسب موقع کے متلاشی تھے۔

لارڈ ڈلہوزی کے مسئلہ الحاق نے ریاستوں کے حکمرانوں کے دلوں میں یہ خوف پیدا کر دیا تھا کہ کسی نہ کسی دن ان کے لاولد ہونے پر ان کی ریاستیں بھی انگریزی سلطنت

---

[1] مرحوم دہلی کالج، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۵ء، ص ۸۵

میں شامل کر لی جائیں گی اس لیے ریاستوں کے حکمراں بھی انگریزوں کے مخالف ہو گیے تھے۔ جھانسی کی رانی لکشمی بائی کی ریاست اسی ایکٹ کے تحت انگریزی راج میں شامل کر لی گئی تھی۔ اسی طرح نانا صاحب جنہیں پیشوا کی وفات کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے پینشن نہیں دی تھی انگریزوں سے بغاوت پر کمر بستہ ہو گیے۔

دہلی میں بہادر شاہ ظفر کے بیٹے کو شاہی القاب سے محروم کر دیا گیا اور وہ باغیوں کے ساتھ مل گیا۔ اودھ کی ریاست انگریزی سلطنت میں شامل ہونے کے سبب وہاں کے زمینداروں اور تعلقہ داروں کا اقتدار جاتا رہا جس کے سبب یہ لوگ بھی انگریزوں سے متنفر ہو گیے۔ اس کے علاوہ عیسائی مبلغوں سے بھی لوگ شک و شبہات میں مبتلا ہو گیے تھے۔

لارڈ کیننگ نے دیسی سپاہیوں کے لیے یہ قانون نافذ کیا کہ انہیں لڑنے کے لیے سمندر پار بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ بنگال کے برہمن سمندر کا سفر کرنا مذہبی طور پر معیوب سمجھتے تھے اس لیے اس قانون سے وہ بھی چراغ پا ہو اُٹھے۔

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں دیسی سپاہیوں کے ایک دستے کو نئی قسم کی بندوقیں دی گئیں جس کے کارتوس پر چربی لگی ہوئی تھی اور استعمال کرنے سے پہلے اُسے مُنہ سے چکنا کرنا پڑتا تھا۔ سپاہیوں میں یہ افواہ گشت کر گئی کہ ان کارتوسوں میں گائے اور سُور کی چربی استعمال کی گئی ہے یہ سن کر سپاہی بھڑک اُٹھے اور انہوں نے یہ کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ انگریزی فوجی افسروں نے انہیں جیل بھیج دیا۔ دوسرے دن میرٹھ کی تمام دیسی فوجوں نے بغاوت کر دی اور اپنے ساتھیوں کو جیل سے چھڑا کر انگریز افسروں کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد میرٹھ کے باغی سپاہیوں نے دہلی کا رُخ کیا اور بہادر شاہ ظفر کو اپنے ساتھ ملا کر دلی کے تخت پر ان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ کانپور میں نانا صاحب نے باغیوں کی رہنمائی میں جرنیل ہیولاک سے مقابلہ کیا جہاں نانا صاحب شکست کھا کر روپوش ہو گیے۔ لکھنؤ کے باغی سپاہیوں نے انگریزی ریذیڈنسی پر حملہ کر کے عمارت کا

محاصرہ کرلیا۔ رانی جھانسی اور نانا صاحب کی مشترکہ فوجوں کے کمانڈر تانتیا ٹوپے نے باغیوں کی رہنمائی میں انگریزوں سے مقابلہ کیا۔ کچھ عرصہ کے لیے کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن بعد میں انگریزوں کی تازہ کمک پہنچ جانے سے دوبارہ نومبر ۱۸۵۷ء میں پھر ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہوگیا۔ رانی جھانسی کو جنگ میں شکست ہوئی اور اسی جنگ میں ان کی موت واقع ہوگئی۔ دہلی کے بہادر شاہ ظفر کو بغاوت کے الزام میں قید کرکے رنگون بھیج دیا گیا۔

۱۸۵۷ء کے اس غدر سے دہلی کالج بھی متاثر ہوا ہندوستانی فوج کے دہلی پہنچنے کے بارے میں واقعات دارالحکومت میں لکھا ہے:

"۱۱ر مئی کی صبح تک دلی میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی نہ کسی قسم کا خطرہ تھا۔ گرمی کے دن تھے اور کچہریاں صبح کی تھیں علی وقف العادۃ کاروبار جاری تھا کہ دفعۃً یہ خبر گوش زد ہوئی کہ باغی میرٹھ سے آن پہنچے ہیں اور آتے آتے انہوں نے جمنا کے کشتی کے پل اس پار جو ٹول چوکی تھی جلادی"۔[1]

دہلی پہنچ کر باغیوں نے انگریزوں کا قتلِ عام شروع کردیا۔ سرکاری دفتر جلایے گیے اور باغی دہلی کالج تک بھی پہنچ گیے۔ اس سلسلے میں مولوی عبدالحق کا بیان ہے:

"...گیارہویں مئی پیر کا دن تھا۔ کالج کا وقت صبح کا تھا پڑھائی حسبِ معمول ہورہی تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے چند لالہ ہانپتے کانپتے آیے۔ ان کی سراسیمگی اور وحشت کا عجیب عالم تھا۔ دوڑے دوڑے آیے اور جماعتوں میں بے تحاشہ گھس گیے اور اپنے لڑکوں سے کہا! "گھر چلو" بھاگو غدر مچ گیا ہے"۔[2]

دہلی کے انگریز فوجی کمانڈنٹ کے خط پر کالج کے پرنسپل جان ہنری ٹیلر اور دوسرے عیسائی مدرسین رابرٹس، اسٹوارٹ، وغیرہ نے سرکاری میگزین میں پناہ لی لیکن باغی

۱۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول، بشیر الدین احمد دہلوی، آگرہ (۱۹۱۹ء) ص ۴۰۰

۲۔ مرحوم دہلی کالج، مولوی ڈاکٹر عبدالحق، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی (۱۹۴۵ء) ص ۵۹

میگزین تک بھی پہنچ گئے اور محاصرہ کر لیا۔ چند انگریز افسروں اور سارجنٹوں نے باغیوں کا مقابلہ کیا اور جب مدد پہنچنے کی کوئی توقع نہ رہی تو انہوں نے میگزین کے بارود کو آگ لگادی اور ہزاروں باغی سپاہیوں اور ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور خود بھی لقمۂ اجل ہو گئے۔ اسٹوارٹ اور رابرٹس بھی میگزین کے شعلوں کی نذر ہو گئے:

"یہیں صاحبانِ انگریز اور میم صاحبوں نے پناہ لی تھی ان سب پر گولیاں برسنے لگیں ان سب کا ستھراؤ ہو جاتا اگر خزانے کی کچہری پاس نہ ہوتی کیونکہ سپاہیوں کا غول کا غول خزانہ لوٹنے کے لیے اُدھر ٹوٹ پڑا اور ان لوگوں کو جو دن بھر موت کے مُنہ میں تھے بھاگ کھڑے ہونے کا موقع ملا۔" [۱]

مسٹر ٹیلر اور جان اسٹینر جان بچا کر بھاگ نکلے تھے۔ اسٹینر میرٹھ چلے گئے اور اس ہنگامے کی نذر ہونے سے بچ گئے لیکن مسٹر ٹیلر حواس باختہ ہو کر دوبارہ کالج میں داخل ہو گئے اور اپنے بوڑھے باورچی کی کوٹھری میں گھس گئے۔ بوڑھے باورچی نے انہیں مولوی محمد باقر کے مکان میں پہنچا دیا۔ مولوی محمد باقر ٹیلر کے دوست تھے انہوں نے حقِّ دوستی ادا کیا اور انہیں اپنے امام باڑے کے تہہ خانے میں چھپا دیا۔ کسی طرح ان کے روپوش ہونے کی خبر پورے محلّے میں پھیل گئی۔ مولوی محمد باقر نے اپنے دوست کی جان بچانے کی غرض سے ان کو ہندوستانی لباس فراہم کیا اور اپنے گھر سے رخصت کر دیا کیونکہ محلّے کے لوگ انہیں وطن دشمن سمجھنے لگے تھے اور انہیں اپنی جان کا خطرہ بھی لاحق ہو گیا تھا۔ پروفیسر ہندوستانی لباس میں ان کے گھر سے نکل تو آئے لیکن بے منزل، جس طرف کو مُنہ اٹھا چل دیے بقول مولوی عبدالحق:

"ان کا بڑا افسوسناک حشر ہوا۔ غریب بیرام خاں کی کھڑکی کے قریب

۱۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی حصّہ اوّل، بشیر الدین احمد دہلوی، آگرہ (۱۹۱۹ء) ص ۲۰۷

جب اس بیچ دھج سے پہنچے تو لوگوں نے پہچان لیا اور اتنے لٹھ برسائے کہ بے چارے نے وہیں دم دے دیا"[۱]

ٹیلر کے اس حسرتناک انجام میں حالانکہ مولوی محمد باقر کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن انگریزوں کے دوبارہ برسرِ اقتدار آنے پر انہیں ٹیلر کے قتل کا مجرم ٹھہرایا گیا ایسے عالم میں ان کا کوئی بھی عذر تسلیم نہ کیا گیا اور ۱۶؍ ستمبر، ۱۸۵۷ء کو انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

مولوی محمد باقر کے صاحبزادے مولوی محمد حسین آزاد کو بھی مجرم ٹھہرا کر وارنٹ گرفتاری جاری کیا گیا تھا جس کی اطلاع پاکر آزاد اپنا گھر اور شہر چھوڑ کر ایران چلے گئے اور جب ان کے اوپر سے الزام ہٹالیا گیا تو دوبارہ ہندوستان واپس ہوئے۔

اس سورش میں دہلی کالج کا بے حد نقصان ہوا۔ اساتذہ میں جو لوگ باغی سپاہیوں کے چنگل سے بچ گئے وہ اِدھر اُدھر روپوش ہوگئے۔ کتب خانہ لوٹ لیا گیا۔ کتابوں کو پھاڑ کر فرنیچر جلا دیا گیا۔ دہلی اُردو اخبار کے مطابق:

"... جانبِ مدرسہ جو نظر کی تو دیکھا کہ تمام اسباب میز و کرسی و تصاویر، صدہا ہزار روپے کے آلات و ادویاتِ تجربہ اور ہزار ہا روپے کا کتب خانہ انگریزی و فارسی و نقشہ جات سب لوگ لوٹے لیے جا رہے ہیں انجام کو یہاں تک نوبت پہنچی کہ شطرنجی وغیرہ فرش لے کر فرشِ زمین یعنی چوکہ ہائے سنگ اور چوکھٹ و دروازے تک نکال لے گئے۔"[۲]

اس ہنگامے کے بعد دہلی کالج کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ حکومت اور عوام سیاسی نشیب و فراز میں الجھے رہے۔ کالج کے مخلصین کا شیرازہ بکھر چکا تھا نہ اب ٹیلر جیسے علم دوست تھے نہ رام چندر جیسے عالم۔ تقریباً سات سال تک یہ کالج اپنے حال پر ماتم کرتا رہا۔ اس درمیان میں ہندوستان میں بہت سی سیاسی تبدیلیاں رونما ہو چکی

۱۔ مرحوم دہلی کالج: ڈاکٹر مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی (۱۹۴۵ء) ص ۶۱

۲۔ دلّی اردو اخبار ۱۷؍ مئی ۱۸۵۷ء بحوالہ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء ص ۲۲

تھیں ۱۸۵۸ء میں پورے ہندوستان میں ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کا اعلان ہو چکا تھا۔

آخر دہلی کالج کی قسمت کا ستارہ پھر طلوع ہوا اور مئی ۱۸۶۴ء میں پروفیسر ہیٹن کے زیر انتظام اسے دوبارہ چاندنی چوک میں گھنٹہ گھر کے بالمقابل موجودہ کارپوریشن کے دفتر میں کھولا گیا اور اکتوبر ۱۸۶۴ء میں مسٹر ایڈمنڈ ولموٹ (ELMOND WILMOT) برطانیہ سے پرنسپل ہو کر آیے تو ہیٹن انگریزی کا درس دینے پر مقرر ہو گیے اور ۱۸۶۵ء میں انسپکٹر مدارس بن کر پنجاب منتقل ہو گیے۔

ان کے جانے کے بعد انگریزی کا درس دینے کے لیے C.K.COOK (برطانیہ سے ہندوستان آیے تھے) مقرر کیا گیا۔ ۱۸۶۸ء میں مسٹر ولموٹ نے بھی دہلی کالج کی پرنسپل شپ سے استعفاء دے دیا اور انبالہ میں انسپکٹر آف مدارس کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی۔ مسٹر کک کی ترقی کر دی گئی اور انہیں کالج کا پرنسپل بنا دیا گیا۔

دہلی کالج یوں تو کھل گیا تھا لیکن ویسا تعلیمی معیار نہ تھا جیسا کہ اب سے پیش تر اس کا رہا تھا اسی سبب ۱۸۶۵ء میں ایف۔ اے کا نتیجہ اچھا نہ رہا اور ۱۸۶۶ء میں یونیورسٹی کے امتحانات کا نتیجہ بھی کمزور رہا۔ ان دونوں سال میں پرنسپل کی رپورٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی پروفیسر کالج میں موجود نہ تھا اور نہ ہی کسی پروفیسر کا عارضی ہی تقرر ہوا جس کے سبب طلباء اپنا کورس مکمل نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ کالج میں طلباء کی تعداد بھی گھٹ گئی تھی جس کا بڑا سبب کالج کے قواعد کا سخت ہو جانا اور وظائف کا کم ہو جانا بھی شامل تھا۔

۱۸۶۷ء میں کالج کی تعلیمی حالت کچھ سدھر گئی اور پنجاب کے تمام کالجوں کے نتیجے میں دہلی کالج کو فوقیت حاصل ہو گئی جس کے سبب دہلی کالج کے طلباء نندر کشور کو سلور میڈل اور بھیروں پرشاد کو آرنلڈ گولڈ میڈل دیا گیا۔ غرض یہ کالج نشیب و فراز سے گزرتا رہا۔ تصنیف و تالیف اور ترجمے کا کام کرنے والی ورنیکلر سوسائٹی ختم ہو چکی تھی دوسرے اردو تراجم کے بجائے اب انگریزی پر زیادہ توجہ دی جانے لگی تھی۔

دہلی کالج بظاہر پنجاب یونیورسٹی سے ملحق تھا لیکن طلباء کو امتحان کلکتہ یونیورسٹی سے دینا پڑتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پنجاب یونیورسٹی کی حیثیت مسلمہ نہ تھی۔

دہلی کالج کی انفرادی خصوصیت جو اردو ذریعۂ تعلیم کی وجہ سے تھی وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر لائٹنر (G.W. LEITNER) کو پسند نہ تھی وہ تمام کالجوں کی تعلیم کو انگریزی ذریعۂ تعلیم کی حیثیت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ حکومتِ وقت میں کافی اثر و رسوخ رکھنے کے سبب انہوں نے اپنی کوششوں سے یہ کانٹا جو دہلی کالج کی صورت میں ان کے دل کا آزار بنا ہوا تھا، آخر کار نکال پھینکا اور دہلی کالج اپریل ۱۸۷۷ء میں بند کر دیا گیا بقول مولوی عبدالحق:

"اپریل ۱۸۷۷ء میں (کالج) توڑ دیا گیا اور اس کا سارا اسٹاف لاہور کالج بھیج دیا گیا یعنی اس کالج کو لاہور کالج میں ضم کر دیا گیا۔ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر لائٹنر، جو گورمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور پنجاب گورمنٹ میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے وہ گورمنٹ کالج لاہور کو فروغ دینا چاہتے تھے لفٹنٹ گورنر کا بھی یہ منشا تھا کہ صوبے کی تمام اچھی اچھی چیزیں سمٹ کر مرکز حکومت یعنی لاہور میں آجائیں چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلی اپنے عزیز کالج سے محروم ہو گئی اور سب اساتذہ اور طلبا لاہور چلے گئے۔"[1]

دہلی کالج کی روح ۱۸۵۷ء میں پامال ہوئی اور جسم ۱۸۷۷ء میں لاہور اورنٹیل کالج میں ضم ہو گیا۔ یہ کالج وہ تاریخی ادارہ تھا جس نے اپنے عہد میں جدید سائنسی علوم کے خزانے جمع کیے اور انہیں نہ صرف دہلی بلکہ پورے ہندوستان کی ذہنی اور فکری آبیاری پر خرچ کیا۔ یہی وہ عظیم درس گاہ تھی جو ہر قوم، ہر نسل کے فرد کے لیے اپنی مذہبی اور قومی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پوری ایمانداری کے ساتھ جدید علم اور سائنس کا فیضان جاری کرنے میں کامیابی سے خدمت کرتی رہی۔ مولوی عبدالحق اس علمی درس گاہ سے متعلق تین خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہیں:

"یہ پہلی درس گاہ تھی جہاں مشرق و مغرب کا سنگم قائم ہوا اور ایک ہی چھت کے

۱۔ مرحوم دہلی کالج۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۵ء، ص ۱۷

نیچے ایک ہی جماعت میں مشرق و مغرب کا علم و ادب ساتھ ساتھ پڑھایا جاتا تھا۔
اس ملاپ نے خیالات کے بدلنے، معلومات میں اضافہ کرنے اور ذوق کی
اصلاح میں بڑا کام دیا ہے اور نئی تہذیب اور نئے دور کی بنیاد رکھی ہے اور
ایک نئی جماعت ایسی پیدا کردی جس میں سے ایسے پختہ کار روشن خیال اور
بالغ نظر انسان اور مصنف نکلے جن کا احسان ہماری زبان اور سوسائٹی پر
ہمیشہ رہے گا"[۱]

دہلی کالج کی ان خدمات کے سبب سرسید احمد خاں کو علی گڑھ تحریک میں مدد ملی
کیونکہ لوگوں کے ذہن اس کالج کی بدولت روشن اور جدید علوم سے یگانہ ہو چکے تھے۔
دہلی کالج کو اگر علی گڑھ تحریک کی پہلی کڑی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ دوسری خصوصیت
کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبدالحق کا بیان ہے:

"اس کا ذریعۂ تعلیم اردو زبان تھا۔ تمام مغربی علوم اردو ہی کے ذریعہ
پڑھائے جاتے تھے اور باوجود ان موانعات کے جو معترضین ذریعۂ تعلیم کی
بحث میں ہر موقع پر پیش کرتے تھے وہ نہایت کامیاب رہا۔"[۲]

اردو اور اس زبان کے ادب کے علاوہ سائنس، ریاضی، جغرافیہ اور طب وغیرہ
اور یورپ کے علم و ادب سے استفادہ کی راہ اسی کالج سے نکلی جس کی بدولت ہندوستانیوں
کے لیے نئے زاویے، نئے پیمانے اور نئے تجسس کے لیے روشن دروازے کھل گئے اور
محدود ذہنوں کو لامحدود وسعتیں حاصل ہوگئیں۔ اس کے علاوہ تیسری بڑی خصوصیت کے
بارے میں مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

"اس سے متعلق ایک ٹرانسلیشن سوسائٹی (مجلس ترجمہ) تھی جو کالج کے لیے
انگریزی سے اردو میں درسی کتابوں کے ترجمے کا کام انجام دیتی تھی۔ یہ ترجمے
سب کے سب کالج کے اساتذہ اور طلبہ کے کیے ہوئے ہیں۔ اس مجلس کے

۱۔ قدیم دہلی کالج نمبر، دلی کالج اردو میگزین، جدید دلی کالج: مرزا محمود بیگ (۱۹۵۹ء) ص ۱۸

۲۔ خطباتِ عبدالحق، ڈاکٹر عبادت بریلوی، انجمن ترقی اردو پاکستان (۱۹۵۲ء) ص ۳۳

ترجموں اور تالیف کی تعداد قریب سوا سو کے ہے۔ جو تاریخ، جغرافیہ، اصول قانون ریاضت اور اس کی مختلف شاخوں کیمسٹری، مکانیات، فلسفہ، طب، جراحی نباتات، معاشیات وغیرہ علوم وفنون نیز ادبیات پر مشتمل ہیں۔ اس کالج نے صحیح طریقۂ تعلیم کو رواج دینے اور اردو کو علمی زبان بنانے میں عظیم الشان خدمت انجام دی"۔[1]

دہلی کالج ۱۸۲۴ء سے ۱۸۷۷ء تک تقریباً نصف صدی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس عرصے میں اس نے جو نمایاں کارنامے انجام دیے ان کی فہرست اُس کی عُمر کے مقابلے میں دراز ہے۔ اساتذہ اور طلباء کی ایک کثیر تعداد ہے جو اس کالج سے فیض یاب ہو کر تاریخ ادب میں اپنے نقش چھوڑ گیے ہیں۔ ماسٹر رام چندر، امام بخش صہبائی، شیو نرائن آرام، مولوی مملوک علی نانوتوی، منشی حکم چند، رائے بہادر، ماسٹر پیارے لال آشوب، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد، محمد حسین آزاد، شمس العلماء منشی ذکاء اللہ اور مولوی کریم الدین وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اس کالج کے انگریز اساتذہ میں وہ لوگ بھی جو پرنسپل کے اعلیٰ منصب پر فائز رہے اُن میں سب سے بڑی اور قد آور شخصیت جان ہنری ٹیلر کی ہے جنہوں نے اپنی زندگی اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اس درس گاہ کی تعمیر و ترقی پر صرف کیں اور ابتدائی مرحلوں میں اس کی نگرانی کے فرائض انجام دیے۔ ۱۸۴۱ء میں مسٹر بوترو ۱۸۴۵ء میں اشپرنگر، ۱۸۵۰ء میں کارگل ۱۸۵۴ء میں پھر دوبارہ ٹیلر پرنسپل کے عہدے پر قابلِ تحسین انداز میں جلوہ افروز ہوئے

مسٹر بوترو کا سب سے بڑا کارنامہ اس کالج کی "ورنا کیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی" ہے، جس نے منطق، فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، قانون، ریاضیات، معدنیات، طبیعات، ہیئت، کیمسٹری فزکس اور طب وغیرہ پر اردو میں کتابیں مہیا کیں۔ ان کتابوں کی تعداد ۱۲۸ تک پہنچتی ہے اس کے علاوہ اس کالج سے متعلق افراد غالبؔ، آزردہ، سرسید احمد خاں اور مولانا حالیؔ وغیرہ ہیں جو اس کے خوشہ چینیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہر چند غالبؔ نے دہلی کالج کی ملازمت

۱۔۔۔ دلی کالج اردو میگزین، دہلی کالج اور ہندوستان کی تاریخ از ڈاکٹر عبدالحق (۱۹۵۹ء) ص ۳

قبول نہیں کی لیکن ان کا ذہن وضع داری گو اگر تے اصول اور سائنس کی جدید تعلیمات سے متاثر تھا۔

مولوی محمد باقر، مولانا محمد حسین آزاد کے والد اور دہلی کالج کے پرنسپل جان ہنری ٹیلر کے دوستوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دلی کا سب سے پہلا اخبار ان کی ادارت میں "دلی اردو اخبار" کے نام سے شائع ہوا۔ یہ اخبار ایسٹ انڈیا کمپنی پر تنقیدی مضمون اور انگریزی حکومت پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا اور قومیت کے اس مبہم تصور کو ابھارتا تھا جو اس وقت کے حالات میں رائج تھا اس اخبار میں خاص طور پر دہلی کی سیاسی، مجلسی اور تمدنی زندگی سے متعلق خبریں ہوتی تھیں یہ اخبار جدید تعلیمات کا بھی حامی تھا اور اکثر نئے سائنسی تجربات اور دہلی کالج سے متعلق اہم مضامین بھی اس اخبار میں شامل کیے جاتے تھے۔ ۱۲ر دسمبر کے "سراج الاخبار" سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۴۳ء میں مولوی محمد باقر نے ایک اخبار اور نکالا تھا جس کا نام "مظہر حق" تھا۔ گارساں دتاسی نے اپنے خطبے مورخہ ۲۹ر نومبر ۱۸۵۲ء میں اس کے ایڈیٹر کا نام محمد علی لکھا ہے۔

دلی اردو اخبار میں ماسٹر رام چندر بھی شریک رہے ہیں کیونکہ اس کی پریس لائن میں "باہتمام ماسٹر رام چندر بیچ چھاپہ خانہ دہلی اردو اخبار کے دلی میں چھاپا گیا" تحریر ہے۔ مولوی عبدالباقر دلی اردو اخبار کے ایڈیٹر اور پریس کے مالک بھی تھے۔ فوائد الناظرین مرتبہ ماسٹر رام چندر، بطور ضمیمہ مولوی باقر کے پریس ہی میں شائع ہوتا تھا۔

محمد حسین آزاد، مولوی محمد باقر کے صاحبزادے اور دہلی کالج کے ہونہار طالب علموں میں سے تھے ان کا سن پیدائش ۱۸۳۲ء ہے، ۱۸۵۷ء میں ان کے والد کو غدر میں انقلابیوں کی مدد کرنے کے جرم میں گولی مار دی گئی تھی اور محمد حسین آزاد پر بھی یہی الزام تھا لیکن بعد میں ان پر سے الزام ہٹا لیا گیا۔ ان کو ورنیکلر سوسائٹی میں بھی کام کرنے کا موقع ملا، دوسرے انہیں اپنے والد کے ورثہ میں یہی کچھ ملا تھا۔ اسی سبب ان کی تصنیفات اپنے عہد میں بہت ممتاز رہیں اور اردو ادب میں اُن کا مقام آج بھی بلند ہے۔ انجمن پنجاب کی بنیادی کوششوں میں کرنل ہالرائیڈ اور ان کو بڑا دخل رہا۔ ۱۸۸۷ء میں ان کی علمی کوششوں پر شمس العُلماء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ ان کی تصنیف کردہ مطبوعات کی فہرست ۲۲ کتب پر مشتمل ہے جس میں سائنسی موضوعات پر مشتمل تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۱۔ کائنات عرب ۱۲۔ جغرافیۂ پنجاب ۱۳۔ جانورستان ۱۴۔ قصص الہند وغیرہ اس میں جغرافیۂ پنجاب اور جانورستان اپنے عہد میں بہت مقبول ہوئیں۔ ادبی کتابوں میں قند پارسی، دربارِ اکبری، آبِ حیات اور نیرنگِ خیال آج بھی مقبول ہیں۔ ان کا اسلوب دل نشیں ہے اور تجسس کے وصف سے آراستہ ہے۔

محمد حسین آزاد نے ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔

مولوی کریم الدین نے دہلی کالج میں تعلیم پائی ان کا آبائی وطن پانی پت تھا تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی ہی میں رہائش اختیار کی اور معاشی ضرورتوں کے تحت ایک مطبع کھول لیا۔ دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر بوترو کی ہدایت پر انگریزی کی اُن کتابوں کا ترجمہ کیا جو ورنیکلر سوسائٹی ارزاں قیمت پر طلبا کے لیے شائع کرتی تھی۔ ان کی تالیفات کی تعداد تقریباً تیس ۳۰ ہے ان میں سائنسی اور جدید موضوع سے متعلق کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ تذکرۃ النسا ۲۔ روض الاجرام حساب ۳۔ کہربائے بالدلک (بجلی) ۴۔ کہربائے باللمس ۵۔ کتاب نقشۂ آلات الطبیہ ۶۔ جغرافیۂ پنجاب ۷۔ کریم اللغات ۸۔ پند سودمند ۹۔ دستورِ تعلیم ۱۰۔ اشارۃ التعلیم وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

مولوی نذیر احمد بھی دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے جو ۶ر دسمبر ۱۸۳۶ء میں موضع ریہڑ، تحصیل نگینہ بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اور پھر مکتب کی تعلیم پوری کرنے کے بعد دہلی کالج میں داخل ہوگئے اور ۱۸۵۰ء میں کالج کی تعلیم مکمل کرکے الٰہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے اسی لیے انہیں ڈپٹی نذیر احمد بھی کہا جاتا ہے اور خصوصاً اردو ادب میں اسی نام سے معروف ہیں۔ ۱۸۷۷ء میں حیدر آباد دکن کی ملازمت قبول کی ۱۸۹۷ء میں ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔ ان کی تصنیفات کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی ۱۹۰۲ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی نے انہیں ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری دی ۱۹۱۰ء میں پنجاب یونیورسٹی نے ڈی۔ او۔ ایل کی ڈگری سے سرفراز کیا۔

نذیر احمد دہلی کالج کے ان کامیاب مصنفین میں سے ہیں جنہوں نے اردو ادب کے علاوہ جدید علوم اور سائنسی موضوعات پر مبنی بیشتر مغربی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے ان کی

تصنیفات کی تعداد تقریباً ۳۶ کتب پر مشتمل ہیں۔ قابلِ ذکر تصنیفات میں ۱۔ کتاب ہیئاۃ ۲۔ سماوٰۃ (ترجمہ) ۳۔ حرفِ صغیر ۴۔ بنات النعش ۵۔ توبۃ النصوح ۶۔ مانفینک فی الصرف ۷۔ مبادی الحکمت ۸۔ ابو الوقت قابلِ ذکر ہیں۔

مولوی امام بخش صہبائی بھی دہلی کالج سے وابستہ رہے ۱۸۴۰ء میں لیفٹیننٹ گورنر کے حکم پر دہلی کالج کے مدرس مقرر کیے گئے۔ ابتدا میں انہیں کالج سے صرف چالیس روپیہ مشاہرہ ملتا تھا بعد میں پچاس ہوگیا۔ موصوف فارسی کے بہت بڑے ادیب اور شاعر تھے آپ نے اپنی علمی صلاحیتوں کا بھرپور فائدہ اُٹھایا۔

"مولانا صہبائی کے شاگردوں میں مرزا قادر بخش صابر، میر حسن تسکین محمد حسین آزاد، ماسٹر پیارے لال آشوب اور لالہ جگل کشور اوج خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں"۔[۱]

ان کے تراجم میں حدائق البلاغت کا ترجمہ قابلِ ذکر ہے یہ ترجمہ جو فن بلاغت و عروض پر مشتمل ہے فارسی کی درسی کتب میں شامل ہے اس کے علاوہ ان کی دیگر تصنیفات بھی اپنی الگ حیثیت کی حامل ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انہیں گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ مولوی امام بخش صہبائی کے بارے میں سر سید احمد خاں نے لکھا ہے:

"خلق نوش آپ کا آئینۂ بہار اور اوضاعِ حمیدہ آپ کے محمودِ روزگار اس جزو زمان میں ایسی جامعیت کے ساتھ کم کوئی نظر سے گذرا ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ فنون متعارفہ، سخنوری مثل تحقیق لغت و اصطلاحات زبان دری اور تدقیق مقامات کتابی اور تکمیل عروض و قافیہ و استکمال فن معما وغیرہا میں ایسا کمال بہم پہنچا ہے کہ ہر فن میں یک فنی کہنا چاہیئے"۔[۲]

مولوی مملوک احمد نانوتوی بھی دہلی کالج کے صدر مدرس کی حیثیت سے بڑے مقبول ہوئے

۱۔ قدیم دہلی کالج نمبر، دلی کالج میگزین، مولوی امام بخش صہبائی از جاوید وششٹ (۱۹۵۳ء) ص ۷۰

۲۔ تذکرۂ اہل دہلی، سر سید احمد خاں، انجمن ترقی اردو پاکستان (۱۹۵۵ء) ص ۹۸

اردو، عربی اور فارسی میں انہیں ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے تحریر اقلیدس کا ترجمہ اردو میں کیا ہے اور علم ہندسہ کی ترویج میں حصّہ لیا۔

تذکرۂ اہلِ دہلی میں سر سیّد احمد خاں نے جناب مولوی مملوک العلی (مملوک علی نانوتوی) کے بارے میں تحریر کیا ہے:

"شاگرد رشید مولوی رشید الدین خاں صاحب علم معقول و منقول میں استعدادِ کامل اور کتب درسیہ کا ایسا استحضار ہے کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینۂ عالم خالی ہو جاوے تو ان کی لوح حافظہ سے پھر نقل ان کی ممکن ہے۔"[۱]

مولوی سُبحان بخش بھی دہلی کالج سے وابستگی کی بنا پر بڑے مقبول مصنّف کی حیثیت سے معروف ہوئے ان کی مشہور کتاب "محاوراتِ ہند" کئی بار طبع ہوئی۔ تزکِ تیموری کا انہوں نے اردو میں ترجمہ کیا جو بہت مشہور ہوا۔

مولوی ذکاء اللہ، دہلی کالج کے ہونہار طالب علم اور قابلِ قدر استاد رہے ہیں آپ ۱۸۴۴ء میں بحیثیت طالب علم کالج میں داخل ہوئے اور تعلیم سے فراغت کے بعد اسی کالج میں ریاضی کے مدرّس کی حیثیت سے ملازم ہوگئے۔ اس کے بعد بلند شہر میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرّر ہوئے اور آخر میں میور کالج الٰہ آباد میں عربی اور فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی جہاں ۲۶ سال کے بعد آپ کی پینشن مقرر ہوگئی ۱۹۱۰ء میں وفات پائی۔

محمد حسین آزاد ان کے رفیقِ جانی اور مخلص دوستوں میں سے رہے۔ ڈپٹی نذیر احمد سے بھی ربط و ضبط رہا۔ مولوی ذکاء اللہ کی وفات پر ان سے متعلق نذیر احمد کا مضمون رسالہ "تمدّن" ۱۰ اگست ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا جو نذیر احمد کا مولوی ذکاء اللہ کے تئیں عقیدت کا بیّن ثبوت ہے:

"مولوی ذکاء اللہ کے ساتھ میرا ربط و ضبط بچپن سے شروع ہوا جبکہ وہ دہلی

۱۔ تذکرۂ اہلِ دہلی، سر سیّد احمد خاں، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۵ء، ص ۹۰

کالج یادش بخیر کی فارسی جماعت میں تھے اور میں عربی میں بہ ایں ہمہ ہم ریاضیات میں ہم سبق تھے۔ ماسٹر رام چندر مرحوم کے شاگرد مولوی ذکاء اللہ کی طبیعت کو ریاضیات کے ساتھ خداداد مناسبت تھی اور وہ جماعت میں سب سے پیش پیش رہتے تھے اور اسی وجہ سے وہ ماسٹر صاحب کے منظورِ نظر تھے ــــ میں مولوی ذکاء اللہ کا سب سے پرانا ملاقاتی ہوں" [1]

ان کی تصنیفات اور تراجم کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچتی ہے جن میں اکثر تصنیفات طلباء کے لیے کی گئیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے اپنی کتاب "اردو کا بہترین انشائی ادب" مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء میں صفحہ ۷۲ پر ان کی تصنیفات کی تعداد ۱۴۳ لکھی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ۳۴ تصنیفات کے نام بھی دیے ہیں جس میں سائنسی موضوع سے متعلق کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

"نمبر ۱ محاربات عظیم نمبر ۲ معاون الحساب نمبر ۳ اقلیدس نمبر ۴ جغرافیہ۔ نمبر ۵ ریاضیاتی جغرافیہ نمبر ۶ طبعی جغرافیہ نمبر ۷ حساب (عمل مرکب) نمبر ۸ زبانی حساب نمبر ۹ جبر و مقابلہ نمبر ۱۰ کاغذاتِ امتحان (حساب) نمبر ۱۱ کسور نمبر ۱۲ مساحت (سوالات اور حل) نمبر ۱۳ منتہا الحساب نمبر ۱۴ مثلث (پلین ٹگنومیٹری) نمبر ۱۵ مثلث کروی نمبر ۱۶ نتائج اقلیدس نمبر ۱۷ تحریر اقلیدس نمبر ۱۸ طریقہ استعمال جدول ریاضیہ نمبر ۱۹ الجبرا نمبر ۲۰ DIFFERENTIAL CALCULUS مساحت (شرحِ خورد) نمبر ۲۲ THEORY OF EQUATIONS نمبر ۲۳ علوم طبعیہ کی الف، بے، تے وغیرہ" [2]

ماسٹر پیارے لال آشوب بھی دہلی کالج کے ہونہار طالب علموں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ ماسٹر رام چندر کے خاص شاگرد تھے۔ انہوں نے مولانا صہبائی کے عہد میں تعلیم

۱۔ قدیم دہلی کالج نمبر دلی کالج میگزین، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ از نذیر احمد (۱۹۵۳ء) ص ۱۴۳

۲۔ اردو کا بہترین انشائی ادب ڈاکٹر وحید قریشی، استقلال پریس لاہور (۱۹۶۴ء) ص ۷۳

حاصل کی۔ دہلی کی بہت سی علمی وادبی انجمنیں ان سے وابستہ رہیں جن میں یہ صدر اور سیکریٹری کے عہدوں پر معمور رہے، اور قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے قابلِ تحسین تصنیفات کی ہیں۔

ماسٹر رام چندر کی شخصیت اس کالج کی سربرآوردہ شخصیتوں میں شمار کی جاتی ہے ان کی خدمات نہ صرف اس کالج کے لیے بلکہ پورے ہندوستان کے لیے قابلِ قدر درجہ رکھتی ہیں۔ تنقیدِ شعروادب، ترجمہ و تاریخ، سیرت و سوانح، مضمون نگاری اور صحافت میں انہوں نے نئے نئے گوشوں کو اُجاگر کیا۔ ۲۸ فروری ۱۸۴۴ء کو دہلی کالج میں ریاضی کے استاد مقرر ہوئے اس کے بعد ٹرانسلیشن ورنیکلر سوسائٹی کے سرگرم اور ممتاز رکن بن گیے۔ دہلی کالج میں قیام کے دوران انہوں نے گیارہ کتابیں شائع کیں جس میں ریاضی سے متعلق ان کی تصنیف " A TREATISE ON THE PROBLEMS OF MAXIMA AND MINIMA " بہت مشہور ہوئی جس کا ہندوستان کے علاوہ یورپ میں بھی کافی چرچا ہوا اور ان کی صلاحیت کا لوہا مانا گیا:

"لندن یونیورسٹی کے مسٹر آگسٹن ڈی مارگن ANGUSTUS DE MORGAN اس کتاب کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے کمپنی کورٹ آف ڈائرکٹرز DIRECTORS کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور تجویز پیش کی کہ اسے دوبارہ چھپوا کر ان کے ایک نوٹ کے ساتھ یورپ کے سربرآوردہ ریاضی دانوں کو بھیجا جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس کتاب کی قدر و قیمت کے پیشِ نظر مصنف کے علمی کارنامے کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں اپنے ملک میں بھی کوئی مناسب اعزاز پیش کیا جائے۔"[۱]

۱۳ر جون ۱۸۵۹ء میں دہلی کی ایک تقریب میں ولیم ڈی آرنلڈ (WILLIAM ARNOLD) نے خلعت و انعام سے نوازا اور دو ہزار روپیہ کا نقد انعام کمشنر دہلی کی طرف سے دیا گیا۔

۱۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی، شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی (۱۹۶۱ء) ص ۳۴

ان کی دیگر تصنیفات جو ورنیکلر سوسائٹی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں ان میں "اصول[1] علم مثلث و تراش ہائے مخروطی و علم ہندسہ بالجبر" (ELEMENTS OF TRIGNOMETRY CONIC SECTIONS AND ANALYTICAL GEOMETRY : BOUCHARLET & SAMSON

مطبع العلوم سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی۔ "اصول[2] علم حساب، جزئیات وکلیات" THE PRINCIPLES OF THE DIFFERENTIAL AND INTEGRAL CALCULUS BY : J.L.BOUCHARLET WITH EXAMPLES AND A SHORT HISTORY OF SCIENCE J.L.BOUCHARLET مطبع رفاہِ عام سے ۱۸۴۵ء میں طبع ہوئی۔ ۳۔ "ہندسہ بالجبر" مطبع دہلی اردو اخبار ۱۸۵۲ء ۴۔ "اصولِ جبر و مقابلہ" دہلی اردو پریس ۱۸۵۳ء۔ ۵۔ "الجبرا" (ترجمہ) ۶۔ تذکرۃ الکاملین" "مطبع العلوم دہلی ۱۸۴۹ء۔ ۷۔ "اصول گورنمنٹ" دہلی اردو اخبار ۱۸۴۸ء۔ ۸۔ "رسالہ علم ہیئت" دہلی اردو اخبار ۱۸۴۸ء میں۔ ۹۔ "عجائبات روزگار" ۱۸۴۷ء۔ ۱۰۔ "سریع الفہم" مطبع العلوم ۱۸۶۹ء۔ ۱۱۔ "علم طبیعی" ۱۸۵۱ء۔ ۱۲۔ "اعجاز القرآن" وغیرہ قابلِ ذکر ہیں اس کے علاوہ طامسن کالج رڑکی سے "رسالۂ اصول کلوں کے باب میں" اور "بھوت نہنگ" شائع ہوئی ہیں۔ "رسالہ مسائل کلیات و جزئیات" کلکتہ سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوا۔

دہلی کالج کی ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام ۱۸۴۱ء میں دہلی کالج کے پرنسپل مسٹر بوترو کے زیرِ قیادت عمل میں آیا۔ جس کا سب سے بڑا مقصد جدید علوم اور سائنس کی مغربی کتب کا اردو میں ترجمہ کرانا تھا اور اردو زبان کی وسعت اور ہمہ گیری کو قایم رکھنا تھا۔ اس مقصد براری میں انگریز علماء اور ہندوستانی علماء برابر کے شریک رہے۔ سوسائٹی کے اخراجات کے لیے شاہ اودھ اور ان کے متعلقین اور حیدرآباد دکن سے نواب سراج الملک بہادر نے گراں قدر عطیے دیے اور ممکن مالی امداد بہم پہنچائی جس کے سبب اس عہد میں نصابی طور پر ایسی کتابیں تصنیف اور ترجمہ کی گئیں جو پہلے اردو زبان میں موجود نہیں تھیں اور خصوصاً جدید علوم ریاضی، طب اور سائنس کی کتابیں کم یاب اور نایاب تھیں۔

سوسائٹی نے انگریزی کتب سے اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے جو اصول وضع کیے تھے اُن کے مطابق "۱۔ جب سائنس کا کوئی ایسا لفظ آئے جس کا مترادف اردو میں نہیں مثلاً سوڈیم پوٹے شیم، کلورین وغیرہ تو ایسے لفظ کو بجنسہٖ اردو میں لے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی قاعدہ ایسے خطابات والقابات کے بارے میں بھی مدِّ نظر رکھا جائے جن کے مساوی خطابات والقابات ہندوستان کی تاریخ میں نہیں پائے جاتے مثلاً بشپ ڈیوک، ارل، کلکٹر وغیرہ۔ ۲۔ اگر سائنس کا کوئی لفظ ایسا ہے جس کا مترادف اردو میں پایا جاتا ہے تو اردو لفظ ہی کا استعمال کرنا چاہئے جیسے آئرن کے لیے لوہا، سلفر کے لیے گندھک منسٹر کے لیے وزیر، سمنز کے لیے طلب نامہ۔ ۳۔ اگر لفظ مرکب ہے اور ہر دو لفظ انگریزی ہیں اور دونوں میں سے کسی کا مترادف اردو میں نہیں تو وہ لفظ بجنسہٖ اردو میں منتقل کر لیا جائے جیسے ہائیڈرو کلورک، کیونکہ ہائیڈروجن اور کلوراین میں سے کسی کا مترادف اردو میں نہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ پورے انگریزی جملے کو بجنسہٖ اُردو میں لے لیا جائے بلکہ اسے اردو میں ادا کرنے کی کوشش کی جائے مثلاً جسٹس آف دی پیس کو اردو میں جسٹس پیس کی، اور ملٹری آرڈر آف دی باتھ کو لشکری جماعت باتھ کی اور ملٹری اینڈ ریلیجیس آرڈر آف مالٹا کو، لشکری و مذہبی جماعت مالٹا کی، ترجمہ کیا جائے۔ ۴۔ اگر لفظ مرکب ہے اور اردو میں اس کا مترادف نہیں، مگر الگ الگ لفظ کے مترادف اردو میں موجود ہیں تو یا تو ان دونوں لفظوں کو ملا کر یا کسی دوسرے مساوی مفہوم کے الفاظ میں ترجمہ کر لیا جائے کرانولوجی کا ترجمہ علم زمان، ہاؤس آف لارڈ کا کچہری امیروں کی، ہاؤس آف کامنز کا ترجمہ کچہری وکلائے رعایا کی یا صرف کچہری وکلا کی، ۵۔ جب یہ قاعدہ یا قاعدۂ ذیل آسانی سے مطابق نہ ہو تو پھر غیر زبان کا لفظ اردو میں لے لیا جائے جیسے ہائیڈروجن، نایٹروجن۔ ۶۔ اگر مرکب لفظ ایسے دو مفرد الفاظ سے بنا ہے جن میں سے ایک کا مترادف اردو میں موجود ہے مگر دوسرے کا مترادف نہیں تو ایک انگریزی اور دوسرے اردو سے مرکب بنا لیا جائے۔ جیسے کورٹ آف ڈائرکٹرز کا ترجمہ، کچہری ڈائرکٹروں کی۔ آرچ بشپ کا، بشپ اعلیٰ کر لیا جائے۔ ۷۔ بعض لفظ ایسے ہیں جیسے آرڈر، کلاس، جینس (GENUS) اسپیشیز (SPECIES) جن کے مترادف اگرچہ کسی نہ کسی

صورت بیں اردو میں پائے جاتے ہیں تاہم انگریزی الفاظ اردو میں منتقل کرلیے جائیں تو مناسب ہوگا۔ کیونکہ اردو میں اس قسم کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہوتے ہیں اور اس سے ایک دوسرے کے مفہوم کے سمجھنے میں مغالطہ پیدا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ ان الفاظ کے معانی کا امتیاز نیچرل ہسٹری میں بہت اہم ہے۔ ۸۔ درختوں کے انواع (خاندانوں) کے نام یا تو اس نوعِ خاندان کے کسی ممتاز فرد کے نام رکھے جاتے ہیں یا اس نوع کی مشترک خاصیتوں کی بنا پر نام رکھ لیا جاتا ہے۔ اس قاعدے کی پابندی اردو میں کی جائے۔ اگر یہ زیادہ آسان اور مفید ثابت ہو کہ ہر نوع (خاندان) کے الگ الگ نام صرف اس کے خاص اور ممتاز افراد پر رکھے جائیں تو پھر یہی کیا جائے: ۱

چونکہ کالج کو پہلے درسی کتابوں کی ضرورت تھی اسی لیے سب سے پہلے ایسی ہی کتابیں ترجمہ یا تصنیف کی گئیں اس کے بعد دوسری کتابوں کے ترجمے اور تالیف کا انتظام کیا گیا۔ اس سوسائٹی کی کُل تصنیفات کی تعداد، مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب "مرحوم دہلی کالج" میں ۱۲۸ تحریر کی ہے۔ جس میں سائنسی اور تکنیکی مضامین پر مشتمل کتابیں یہ ہیں۔ ۱۔ تحریرِ اقلیدس ۲۔ الجبرا (ترجمہ برجز) ۳۔ علم مثلث وتراش ہائے مخروطی (ماسٹر رام چندر) ۴۔ عملی علمِ ہندسہ (پریکٹیکل جیومیٹری) ۵۔ اصول علم ہیئت (ترجمہ علمِ ہیئت ہرشل ابتدائی آٹھ باب علمِ ہیئت بولی کیس بارہواں باب تیمتہ از انسائیکلوپیڈیا برٹینکا۔) ۶۔ رسالہ کیمسٹری (ترجمہ پارکر) ۷۔ استعمالِ آلات ریاضی۔ ۸۔ اٹلس (جغرافیہ) ۹۔ تحلیلی علم ہندسہ۔ ۱۰۔ مبادیاتِ تفرقی احصا و تکمیلی احصا ELEMENTS OF DIFFERENTIAL ANDINTEGRAL CALCULUS ۱۱۔ میکانیات (لارڈنر) ۱۲۔ جغرافیہ قدیم کے نقشے۔ ۱۳۔ اصول جبر و مقابلہ (مولوی کریم بخش) ۱۴۔ جغرافیہ طبعی (ترجمہ ٹریل) ۱۵۔ علم و عملِ طب (عربی سے ترجمہ) ۱۶۔ طبعی نباتات۔ ۱۷۔ حفظانِ صحت۔ ۱۸۔ عضویات (علم افعالِ عضویات) ۱۹۔ علمِ معدنیات۔ ۲۰۔ مساحت (ترجمہ تھیوڈولک) ۲۱۔ طبعیات (ترجمہ انارٹ) ۲۲۔ علمی مساحتِ زمین (پنڈت ایودھیا پرشاد)

۱۔ مرحوم دہلی کالج، مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی (۱۹۴۵ء) ص ۱۲۷

۲۳۔ SEXTANT کا ترجمہ ۲۴۔ رسالۂ طب ۲۵۔ رسالۂ مقناطیس (لائبریری آف یوسفل نالج کے رسالے کا ترجمہ) ۲۶۔ رسالۂ جراحی (سرجری) ۲۷۔ حرکیات وسکونیات کے (DYNAMICS AND STATICS) ۲۸۔ HYDROSTATICS کا ترجمہ ۲۹۔ علم مناظر (ترجمۂ فلپ) ۳۰۔ حرارت (لائبریری آف یوسفل نالج کے رسالے کا ترجمہ) HYDRAULICS کا ترجمہ (لائبریری آف یوسفل نالج کے رسالے سے ماخوذ) ۳۲۔ DOUBLE REFLECTION AND POLARIZATION OF LIGHT (لائبریری آف یوسفل نالج کے رسالے کا ترجمہ) ۳۳۔ رسالۂ علم برق (ترجمہ زاجٹ) ۳۴۔ گالون ازم (ترجمہ زاجٹ) ۳۵۔ حالاتِ ہندوستان ماخوذ انسائیکلوپیڈیا آف جیوگرفی مرتبہ مرے۔ ۳۶۔ مزید الاموال یا سلاح الاحوال (علم زراعت) پنڈت رام کشن۔ ۳۷۔ رسالۂ علم حساب (ترجمہ ڈر مورگن) بابو ہردیو سنگھ۔ ۳۸۔ رسالۂ طب (انگریزی) ۳۹۔ رسالہ مرایا مناظر"[1]

دہلی کالج کی ورنیکلر سوسائٹی کے علاوہ اس عہد میں اپنے اپنے طور پر بہت سے اصحاب علم نے بھی جدید علوم، سائنس اور ریاضی وغیرہ پر کتابیں لکھی ہیں اور ان کی تصنیفات بھی ورنیکلر سوسائٹی کی طرح کافی مقبول ہوئیں۔ ایسے لوگ صرف دہلی ہی میں نہ تھے بلکہ ہندوستان کے مختلف خطوں میں موجود تھے۔ دہلی میں مولوی مملوک علی، ماسٹر رام چندر، پنڈت اجودھیا پرشاد، پنڈت رام کشن، بابو ہردیو سنگھ وغیرہ تھے جنہوں نے ریاضی، سائنس قانون، فلسفہ، جغرافیہ، طب وغیرہ میں اپنی قابلِ قدر تصنیفات سے اہلِ علم کو اپنی بساط کے مطابق فیض پہنچایا۔

رسالہ مساحت مستعمل وعلم مثلث

۱۳ × ½ ۲۲ سینٹی میٹر کے ۶۵ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۸۴۴ء میں پنڈت اجودھیا پرشاد نے ترجمہ کر کے "دہلی اردو اخبار پریس میں بیچ مکان مولوی محمد باقر صاحب واقعہ گزر اعتقاد خاں کے با اہتمام پنڈت موتی لال پرنٹر اور پبلشر کے طبع کرایا۔

مصنف نے اس رسالہ کو سات ابواب پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مرحوم دہلی کالج۔ مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۵ء ص ۳۹

پہلے باب میں اشکال کی سطح سے بحث کی گئی ہے اور سطح مستوی زاویہ، دائرہ، مثلث اور مستطیل وغیرہ کی تعریف شکلوں کے ساتھ سمجھائی ہے۔ دوسرے باب میں مثلثوں کے خواص بیان کرنے کے بعد چار مسائل کو حل کر کے دکھایا گیا ہے۔ تیسرے باب میں مستطیل، مثلث، منحرف کثیر الاضلاع اور دائرے کی سطح معلوم کرنے کے قاعدے مثال کے ساتھ بیان کیے گیے ہیں۔ چوتھے باب میں مجسم شکلوں، مثلاً متوازی، منشور، مخروط اور کرہ وغیرہ کی تعریفیں اور ان کا حجم معلوم کرنے کے طریقے مثالوں کے ساتھ دیے گیے ہیں۔ پانچویں باب میں علم مثلث کے بارے میں تفصیل دی گئی ہے، چھٹے باب میں منحنی پر گفتگو کی گئی ہے اور ساتویں باب میں تراش مخروط کو وضاحت اور تفصیل کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ کتاب کے آخری پندرہ صفحات جیب مستوی کی جدول کے لیے مقرر کیے گیے ہیں۔

ترجمہ نگار نے اپنے دیباچے میں رسالہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"مطلب اس کتاب سے یہ ہے کہ وہ اشخاص جنہوں نے علم ریاضی تحصیل نہیں کیا ہے اوس کے چند قواعد سے مطلع ہو جاویں .... صرف چند قوائد علم ریاضی اور نقشہ ملحقہ بنانے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ باوجودیکہ نقشہ جیب مستوی وغیرہ کا جو اس کتاب کے آخر میں لگایا گیا ہے ناتمام ہے .... پھر بھی یہ نقشہ بطریق استعمال میں لانے نقشہ جیب مستوی وغیرہ بنانے کے لیے کافی ہے"[۱]

اس کتاب کے اختتام پر بھی مترجم نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

"جن شخصوں کو فرصت تحصیل کرنے علم ریاضی کی نہیں ہے اور نہ ان کی طبع اس کی تحصیل کی طرف راغب، ان کے واسطے اس رسالہ میں خیالات مشہور درباب علم مساحت کار آمدنی کے اور علم پیمائش اور علم ہمواری کے لکھے ہیں .... جو اشخاص کہ خاص تحصیل علم مساحت و پیمائش کی کیا چاہتے ہیں ان کو لازم ہے کہ ہلفر صاحب کی اور ریونی گیس صاحب کی کتاب کو درباب اون علوم کے تحصیل کریں"[۲]

۱۔ رسالہ علم مساحت مستعمل و علم مثلث، مترجم پنڈت اجودھیا پرشاد، دہلی اردو اخبار پریس (۱۸۴۴ء) ص ۲

۲۔ رسالہ علم مساحت مستعمل و علم مثلث، مترجم پنڈت اجودھیا پرشاد، دہلی اردو اخبار پریس ۱۸۴۴ء ص ۶۵
(یہ کتاب کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے [illegible] پر موجود ہے۔)

رسالہ کی زبان کا اسلوب قدیم ہے بہت سے ایسے الفاظ استعمال کیے گیے ہیں جواب اُردو میں متروک ہو چکے ہیں جیسے نقصان کرنا (گھٹانا) مانپو (ناپو) کیا چاہنا (کرنا چاہنا) پوچھ (پہونچ) جان نے (جاننے) کنوا (کنواں) لا محدود اور بے انتہا کو (بے محدود اور لا انتہا) وغیرہ۔

انگریزی کی بعض اصطلاحوں کو استعمال کیا گیا ہے جیسے... پیر لیل، اور ڈی نیٹ، ہاپر بولا اور اسپرٹ لیول وغیرہ۔

رسالہ علم طب

یہ رسالہ مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۴۰ء میں شائع کیا گیا جس پر بہ اہتمام سید اشرف درج ہے کتاب پر مصنّف اور مترجم کا نام موجود نہیں ہے۔

یہ رسالہ ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے جسے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے سرورق پر اردو اور انگریزی میں کتاب کا نام اور قیمت درج ہے۔ کتاب میں علم الامراض کے تحت امراضِ عامّہ کی تعریف۔ علامتِ مرض، اسبابِ مرض اور مرض کے علاج کا طریقہ تحریر کیا گیا ہے۔

علم علامت الامراض کے تحت مرض معلوم کرنے کے طریقوں کو وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہے اور تشخیص مرض کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے معالجات عامّہ کی سُرخی کے تحت یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اکثر امراض قدرتی طور پر خود بخود ختم ہو جاتے ہیں، کیونکہ ہمارے جسم کے اندر قوّتِ مدافعت موجود ہے لیکن علاج سے غفلت برتنے کو منع کیا گیا ہے آخر میں جریانِ خون اور اخراجِ خون پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور خواب آور دواؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی زبان پر عربی، فارسی کا اثر زیادہ ہے عبارت میں روانی اور بے ساختگی ہے مترجم نے بہت سی اصطلاحوں کے ترجمے بڑے ادق الفاظ میں کیے ہیں جیسے ACTIVE (چاق و چوبند) ACUTE (غیر مزمن) CHRONIC (مزمن) RHEUMATISM (امراضِ ریحیہ)

THERAPEIA (علم المداوی) EPIDEMIC (امراض العالم) CONTAGIOUS (مرض متعدی)
DIAGNOSIS (تشخیص مرض) وغیرہ۔

جن انگریزی اصطلاحوں کو بجنسہٖ برقرار رکھا گیا ہے ان میں ہستریا۔
استمک پمپ۔ (STOMACH PUMP)۔ وغیرہ۔

کتاب کی زبان سمجھنے کے لیے ذیل کا اقتباس ملاحظہ کریں:

"امتصاص جو ایک صورت جاذب مذکور کی ہے، تمام منشاؤں جسم سے کہ وہ کیسے ہی مختلف درجوں میں ہوئے، تعلّق رکھتا ہے یعنی بعض غشاء بہ نسبت بعض کے زیادہ طاقت چوسنے کی رکھتے ہیں۔ تیزی امتصاص کی اور بھی سمت اس کی بلحاظ لچک دار پوشش ایک رگ کے جو رطوبت سے گھری ہوئی ہو اور جس میں رطوبت ایک درجہ خاص غلاظت پر موجود ہو بموجب مختلف مراتب تمدید رگ مذکور کے مختلف ہو گی ...." [1]

رسالہ اعمال جرّاحی

۲۶ × ۱۸ سینٹی میٹر سائز، ۱۱۹ صفحات پر مشتمل ۱۸۴۸ء میں سیّد اشرف علی کے اہتمام میں مطبع العلوم دہلی سے شائع کیا گیا۔ اس کتاب کا ڈاکٹر جیمس ہنری ٹیلر سرجن ایسٹ انڈیا کمپنی نے سیموئیل کوپر کی انگریزی کتاب سے ترجمہ کیا ہے۔ سرورق پر انگریزی اور اردو میں کتاب کے ترجمہ نگار اور مصنّف کا نام درج ہے:

"رسالہ بیچ بیان اعمال جرّاحی کے یہ اعمال فن جرّاحی کے سیموئیل کوپر صاحب کی کتاب سے ڈاکٹر جیمس ہنری ٹیلر صاحب نے زبان اردو میں ترجمہ کیے۔"

فن جراحی پر یہ دوسرا رسالہ ہے جو اپنی نوعیت اور افادیت کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے اس رسالے سے پیش تر ڈاکٹر جیمس مونٹ کے انگریزی رسالے کا ترجمہ "معین الجراحین" کے نام سے با تصویر شائع ہو چکا تھا۔

---

[1] رسالہ علم طب، باہتمام سیّد اشرف علی، مطبع العلوم دہلی (۱۸۴۷ء) ص ۱۱۲ (کتب خانہ آصفیہ طب ۱۲۹ پر موجود ہے۔)

ترجمہ نگار نے اس رسالے کے آغاز میں کوئی فہرست مرتب نہیں کی ہے اور نہ ہی کوئی دیباچہ لکھا ہے۔ ابتدا میں دس قاعدوں کا تذکرہ ہے جن کا آپریشن سے پہلے خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد کھوپڑی اور رسولی سے متعلق ضروری ہدایات دی گئی ہیں۔ آلات جرّاحی کی تفصیل کے علاوہ جسم کے مختلف اعضا مثلاً آنکھ، جبڑا، اور سینہ وغیرہ کے آپریشن کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

ترجمہ نگار نے اردو میں انگریزی اصطلاحات بجنسہٖ استعمال کی ہیں اور کتاب کے حاشیے پر انگریزی میں ان کو لکھ دیا ہے بعض جگہ انگریزی الفاظ اور اصطلاحات کی تشریح بھی حاشیے میں کر دی گئی ہے۔ جملوں کی ساخت اور زبان کی ترکیب میں قدامت کا رنگ صاف محسوس ہوتا ہے۔ کہیں کہیں متروک الفاظ بھی نظر آتے ہیں۔ ذیل کے اقتباس سے عبارت کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے:

> "عمل پہلا۔ جب کہ بیماری الویولاری پروسس یعنی خاص خانۂ دندان میں ہووے اور زیادہ سرایت نہ کی ہو تو اوّل چاہئے کہ رسولی کو قطع کرے اور جہاں سے رسولی کٹی ہے اس کے وسط میں ایک زخم سیدھا چھری سے کرے اور زخم پر ایک گدّی خشک کپڑے کی باندھے اور اگر خون بہت جاری ہو تو گدّی کپڑے کو ٹنکچور فری میور میٹر میں کہ یہ عرق لوہے کا ہوتا ہے تر کرکے زخم پر باندھے" [۱]

مندرجہ بالا عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبان قدیم اور متروک لہجے اور الفاظ مترجم کے جزو زبان تھے۔

رسالہ درباب پیمائش انگریزی بوسیلہ تھیوڈولائٹ کے

۱۳ × ۲۱ سینٹی میٹر سائز کے، ۴۰ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ہر دیو سنگھ لائبریرین نے

---

[۱] رسالہ اعمال جراحی، سیمیوئیل کوپر، مترجم جیمس ہنری تھیلر، مطبع [illegible] ۱۸۴۰ء، ص ۲۶
(یہ کتاب کتب خانۂ آصفیہ کے طب ۱۳۰ نمبر پر موجود ہے۔)

سیّد وقار علی کی مدد سے اردو میں تالیف کیا جو مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۴۸ء میں شائع ہوا۔ اس رسالے میں زمین کی پیمائش کرنے کے اصول اور طریقے بیان کیے گیے ہیں۔

سرورق پر مؤلّف اور مطبع وغیرہ کا نام اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تحریر کیا گیا ہے۔ زیرِ مطالعہ رسالہ صفحہ ۱ سے شروع ہوا ہے۔ کتاب میں کوئی فہرست یا دیباچہ موجود نہیں ہے۔ ابتدا میں زمین کی پیمائش کے وقت جن آلات سے مدد ملتی ہے، اُن کا بیان کیا گیا ہے جیسے تھیوڈولائٹ، جریب، کروس اسٹاف، اوف سٹ سٹاف، کمپاس (قطب نما) وغیرہ۔

کتاب کو آٹھ حصّوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

دربیان جریب صفحہ ۱ سے صفحہ ۳ تک۔
بیان کروس اسٹاف۔ صفحہ ۳ سے صفحہ ۴ تک۔
بیان کمپاس یا قطب نما۔ صفحہ ۴ پر۔
بیان تھیوڈولائٹ کا۔ صفحہ ۵ سے صفحہ ۹ تک۔
بیان عمل جریب کا۔ صفحہ ۹ سے ۱۰ تک۔
بیان تھیوڈولائٹ کا۔ صفحہ ۱۰ سے صفحہ ۱۲ تک۔
انگریزی خسرہ بنانے کی ترکیب صفحہ ۱۲ سے صفحہ ۲۸ تک، دی گئی ہے۔
شہروں اور دریاؤں کی پیمائش صفحہ ۲۸ سے صفحہ ۴۰ تک دی گئی ہے۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"رسالہ پیمائش زمین کا۔ واسطے پیمائش زمین کے جس میں احتیاج زاویہ کے دریافت کرنے کی پڑتی ہے۔ کوئی آلہ مانند تھیوڈولائٹ کے مفید نہیں ہے۔ اوس سے پیمائش زمین خصوصاً بڑی بڑی املاکوں کی جن کی کہ سرحد بہت پیچیدہ اور زمین ناہموار ہے بہت صحیح صحیح اور جلدی بہ نسبت اور آلات کے جو کہ اس مطلب کے واسطے کام میں آتے ہیں کرتے ہیں۔"[۱]

۱۔ رسالہ درباب پیمائش انگریزی بوسیلہ تھیوڈولائٹ کے، مترجم مرز بو سنگیو، مطبع العلوم دہلی (۱۸۴۸ء) ص ۱

انگریزی پیمائش کے بیان میں خسرے کی تفصیل دو صفحات میں دی ہے۔ پھر خسرے کی مدد سے نقشہ تیار کرنے کی ترکیب تحریر کی گئی ہے۔ جس زمین کا نقشہ بنایا جاتا ہے اس کی عمارتوں اور دوسرے قطعات کو نقشے میں واضح کرنے کے لیے خاص خاص علامتیں اور نشانات متعین کیے گئے ہیں۔ آبادی، مسجد، سڑک، دریا، تالاب، کنواں شوالہ، باغ، پل سرحد وغیرہ کو مختلف علامتوں سے دکھایا گیا ہے۔ دریا کی چوڑائی معلوم کرنے کا طریقہ مثال کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ راستوں، نہروں اور دریاؤں کی پیمائش اور مختلف شکلوں کے کھیتوں کی پیمائش معلوم کرنے کے طریقے مثالوں کے ساتھ تحریر کیے گئے ہیں۔ منحرف اور کثیر الاضلاع شکلوں کا رقبہ معلوم کرنے کا طریقہ بھی کتاب میں تحریر کیا گیا ہے۔ حصۂ اوّل کے آخر میں تقریباً چھ صفحات میں مختلف آلات کے نقشے لیتھو پرنٹنگ میں چھاپے گئے ہیں۔

کتاب کا اسلوب قدیم ہے جو اس عہد کی دہلی میں بولی اور لکھی جاتی تھی۔ اسلوب بیان سائنسی ہے۔ بعض ہندی الفاظ کی فارسی کے انداز میں صفت بنائی گئی ہے جیسے کھیت دار وغیرہ ہاتھی کو "ہاتی"، اور جس سے کو "جسی"، تحریر کیا گیا ہے عبارت سمجھنے کے لیے کتاب کے آخر کی چند سطریں درج ذیل ہیں:

> "مناسب ہے کہ بازار حتی المقدور سیدھے بنائے جائیں کیونکہ علاوہ خوبصورتی کے خلقت کے کاروبار روزمرہ کے لیے بہت مفید اور نافع ہوتے ہیں اور اگر بازاروں میں سے کوئی رستہ کسی طرف کو کٹتا ہووے تو اچھی بات یہ ہے کہ قایمہ زاویہ پر تقاطع کرے۔"[۱]

اصول وقواعد مابعات

۱۳ × ۲۰ سینٹی میٹر اور ۲۴۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۸۵۰ء میں محمد حسین آزاد پرنٹر و پبلشر کے زیر اہتمام دہلی اردو اخبار پریس سے شائع ہوئی ہے یہ کتاب انگریزی تصنیف

۱۔ رسالہ درباب پیمائش انگریزی بوسیلہ تھیوڈ ولائٹ کے، مترجم ہر دیو سنگھ، مطبع العلوم دہلی (۱۸۴۱ء) ص ۴۷
(یہ کتاب جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے کتب خانہ میں ۵۲۶۶۹ / پ نمبر پر موجود ہے)

"دی پرنسپلز آف ہیڈرو اسٹاٹکس" کا اردو ترجمہ ہے جو دہلی کالج کے سائنس کے مدرس پنڈت اجودھیا پرشاد نے کیا تھا۔

مترجم نے بغیر کسی تمہید کے کتاب کا آغاز کردیا ہے دیباچہ بھی نہیں دیا ہے۔ پوری کتاب ۱۹ عنوانات کے تحت تقسیم کی گئی ہے۔

پہلے باب میں سیال کی تعریف، مایع اور مجسم کا فرق، مایع اور گیس کا فرق، حرارت کا اثر مجسم، اجزائے اجسام سیال، مقدار کشش اور لچک وغیرہ پر انیس ۱۹ ذیلی سرخیاں لگا کر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں "معدلت سیال" کی سرخی کے تحت ان کے خواص حرکت کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ تیسرے باب میں اجسام سیال پر کشش نقل کے اثر کو اجاگر کیا گیا۔ چوتھے پانچویں اور چھٹے باب میں داب معدلت سیال اور مرکز داب اور پانی میں تیرنے والے اجسام کی معدلت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں مایعات کے مخصوص اوزان تحریر کیے گیے ہیں۔ آٹھویں باب میں لچک دار اجسام سیال کے قواعد کے تحت ہوا کے "زور لچک" پر تفصیلی بحث موجود ہے۔ نویں باب میں "ہوائے محیط زمین" کے موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور دسویں باب میں کلوں کے ذریعے پانی کو اوپر چڑھانے کے طریقے اور اصول بتایے گیے ہیں۔ گیارہویں باب میں حرکت سیال اور مقدار حرکت مایع دریافت کرنے کے طریقے درج ہیں۔ بارہویں باب میں برہما صاحب کی مشین (کل) کے بارے میں اظہار کیا گیا ہے جو کسی چیز کو دابنے کے کام آتی ہے۔ تیرہویں باب میں حرارت کے اثر اور گرمی کی مقدار معلوم کرنے کے طریقے لکھے گیے ہیں۔ چودہویں باب میں بھاپ اور اس کے استعمال کے طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔ پندرہویں باب میں بخارات کے بیان کے ساتھ برف جمانے کا نسخہ تحریر کیا گیا ہے سولہویں باب میں "ہوا" سے متعلق بیان تحریر کیا گیا ہے۔ سترھویں باب میں نلیوں کی کشش پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کشش اتصال مابین اجزائے مایع اور نلی وغیرہ کے علاوہ لاپلاس اور دوسرے سائنس دانوں کے تجربوں کے اختلافات کو بھی وضاحت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ کتاب کے اختتام پر نقشہ وزن مخصوص، نقشہ زور لچک دخان اور نقشہ زور لچک بخارات دیا گیا ہے۔ کتاب کی عبارت کا نمونہ ملاحظہ ہو:

"فرق عظیم دونوں میں یہ ہے کہ مایع میں کشش اتّصال تھوڑی سی پائی جاتی ہے. لیکن اجزائے گیس میں، بجائے کشش اتّصال کے زور مدافعت پایا جاتا ہے اور اس باعث گیس جسامت میں زیادہ ہوتا ہے"۔ ؎ۃ

جبر و مقابلہ

۲۸ × ۱۸ سینٹی میٹر سائز پر ۴۹۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۸۵۲ء میں مطبع العلوم دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مؤلف مولوی کریم بخش مدرس سویم فارسی مدرسہ دہلی ہیں۔

زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی نصابی ضرورت کے تحت تالیف کی گئی تھی۔ جملہ کتاب پانچ ابواب پر تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے باب میں "بیان حدود کا" کے عنوان سے جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے قائدے مثالوں کے ساتھ درج ہیں۔ دوسرے باب میں کسور کا بیان ہے جو تحویل کسور، کسور کی جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، جذر اور کعب نکالنے کے قاعدوں اور مثالوں پر مشتمل ہے۔ تیسرا باب مساوات پر ہے۔ چوتھے باب میں ریاضی کے مختلف مسائل کو سمجھایا گیا ہے اور نیوٹن کے نظریۂ لوگارتم پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ پانچواں باب سوالاتِ غیر منقطع کے سلسلے میں تحریر کیا گیا ہے۔ صفحہ ۴۶۱ سے صفحہ ۴۹۸ تک سوالات کی ایک طویل فہرست ہے۔ مؤلف نے کتاب کی اہمیت کے بارے میں ابتدائی صفحات میں جو عبارت تحریر کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماسٹر رام چندر کی بھی "جبر و مقابلہ" کے عنوان سے کتاب پہلے شائع ہو چکی تھی اور مولوی کریم الدین نے اس کتاب کی تعریف کے ساتھ خود کو ماسٹر رام چندر کا شاگرد بتایا ہے اور اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں یہ کتاب لکھنے کی تحریک ماسٹر صاحب سے ملی اور ان کے مشوروں کو بھی کافی دخل رہا۔ اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے مدد لی گئی اس کے بارے میں انہوں نے

۱۔ اصولِ قواعد مایعات، مترجم پنڈت اجودھیا پرشاد، دہلی اردو اخبار پریس (۱۸۵۰ء)

لکھا ہے:

"اس جبر و مقابلہ میں مطالب ان کتابوں سے جمع کیے ہیں... وڈ صاحب کا جبر و مقابلہ، بلینڈ صاحب کا جبر و مقابلہ، رج الجبرا، بولر الجبرا، اور اور کتابیں اس فن کی جو انگریزی زبان میں مشہور ہیں"۔[1]

مساوات باب کی اس تحریر سے کتاب کی زبان کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے:

"ایک شخص قاصد کہ ۶ میل ایک روز میں چلتا ہے۔ ایک جائے روانہ کیا گیا تھا لیکن پانچ روز کے بعد ایک اور قاصد واسطے اس کے بلانے کے بھیجا گیا اور قاصد دویم ۵، کوس روز چلتا ہے، تو بتاؤ کتنے روز میں قاصد اول کو پکڑے گا"۔[2]

مزید الاموال یا سلاح الاحوال

یہ رسالہ ۲۲ × ۱۵ سینٹی میٹر سائز کے ۱۴۰ صفحات پر مشتمل دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا۔ یہ رائل صاحب کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جو پنڈت رام کشن نے کیا۔

فنِ کاشتکاری سے متعلق تجربوں کو تذکرے کی شکل میں لکھا گیا ہے چونکہ انسان کی زیادہ تر آمدنی زمین کے ذریعے سے ہوتی ہے اس لیے اس سے حصولِ زر کے طریقے کتاب میں تحریر کیے گئے ہیں۔ اون اور ریشم کی پیداوار پر خاص توجہ دی گئی ہے کتاب میں گیارہ عنوانات کے تحت مضامین لکھے گئے ہیں۔ جن میں ۱۔ درعلم کشت و کار ۲۔ بیان بویا جانے نباتات کا ۳۔ ذکر فنونِ کاشت کا فرنگستان میں ۴۔ بیان بویا جانا مرچوں کا سرکاروں میں ۵۔ ذکر تردّد کیا جانے کرم دانہ کا ہندوستان میں ۶۔ ذکر بوٹیوں کے باغ کا جو کلکتہ میں مقرر ہوا تھا ۷۔ ذکر کاشت روئی کا ہندوستان میں ۸۔ ذکر کاشت ایکھ کا ۹۔ ذکر نیل کی کاشت کا ۱۰۔ ذکر پوسٹ، سَن پٹ سن کی کاشت کا۔ اور ۱۱۔ ذکر ریشم کا اور پیدا ہونے

۱۔ جبر و مقابلہ، مولوی کریم بخش، مطبع العلوم دہلی (۱۸۵۲ء) ص ۱ (کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں ۵۱۲/مج موجود ہے)

۲۔ جبر و مقابلہ، مولوی کریم بخش، مطبع العلوم دہلی (۱۸۵۲ء)

اون کا اور ذکر تما کو و چائے کی کاشت کا۔ وغیرہ۔

یہ فنِ زراعت پر اردو میں قدیم ترین کتاب ہے جو پنڈت رام کشن نے ترجمہ کی اور تمام زمینی پیداوار کے سلسلے میں اور کیڑوں اور جانوروں سے حاصل ہونے والے فائدوں کے بارے میں لکھی گئی کتاب کا اسلوب قدیم ہے لیکن عام فہم ہے ملاحظہ ہو ذیل کا اقتباس:

"اکٹھا بونا کئی قسم کے بیجوں کا اور کاٹنا جدا جدا اناجوں کا بعد ایک دوسرے کے جبکہ وہ پختہ ہو جائیں۔ اگرچہ یہ لوگ چاول کی فصل ہر سال کاٹتے ہیں اور اکثر ایک ہی کھیت میں سے دو بار ایک سال میں اور کھات نہیں ڈلتے مگر اس بات سے خوب واقف ہیں کہ بونا مٹر اور پھلیوں کا زمین کی اصلاح کے واسطے مفید ہے" [۱]

کہیں کہیں ادق اور فارسی تراکیب سے عبارت بوجھل ہو گئی جیسے ذیل کا اقتباس نشاندہی کرتا ہے:

"ریشم ایک جنس منجملہ اون عمدہ اجناس مشرق کی ہے جن کی قدر ممالک مغربیہ قدیم الایام سے کرتے آئے ہیں اس بات میں شک نہیں کہ کرم پیلہ اصل میں چین کی پیدائش ہے اور مدت دراز سے ریشم وہیں پیدا ہوتا ہے۔ تاریخ ملک چین سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دو ہزار سات سو برس پیش از زمان عیسوی کے ریشم سے لوگوں کو واقفیت حاصل ہوئی تھی۔ ہند کے لوگ بھی قدیم الایام سے ریشم کو جانتے ہیں" [۲]

عجائباتِ روزگار

ماسٹر رام چندر کی طبعیات اور ریاضی سے متعلق کتابیں زمانۂ طالب علمی سے ہی شائع ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ عجائبات روزگار ۱۸۴۷ء میں تالیف کی گئی۔ زیرِ نظر مخطوطہ میں

۱۔ مزید الاموال یا سلاح الاحوال، مترجم پنڈت رام کشن، دہلی اردو اخبار پریس (۱۸۵۴ء) ص ۲۹ (کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد میں موجود ہے)

۲۔ مزید الاموال یا سلاح الاحوال، مترجم پنڈت رام کشن دہلی اردو اخبار پریس (۱۸۵۴ء) ص ۹۸

کاغذ عمدہ قسم کا باریک اور سفید چمکدار استعمال کیا گیا ہے۔ ۳۰ × ۱۹ سینٹی میٹر سائز پر سیاہ عبارت اور سرخ عنوانات لکھے گیے ہیں ہر ورق پر دو طرح کے حاشیے دیے گیے ہیں باہری حاشیہ دوہری سیاہ لکیروں میں سیاہ تحریر کے ساتھ ہے اور اندرونی حاشیہ سہ رنگی نیلا، لال اور سنہرا ہے شروع کے دو صفحات پر خوبصورتی سے نیلے اور سنہرے رنگ سے بیل بوٹے بنائے گیے ہیں۔

موضوع سے متعلق کتاب میں تصاویر بھی دی گئی ہیں جو خود فنِ مصوری کا نمونہ ہے۔ تصاویر عمدہ قسم کے چمک دار رنگوں سے رنگی گئی ہیں کتاب کے سرورق پر "کتاب عجائبات روزگار تالیف کی ہوئی ماسٹر رام چندر مدرس دہلی کی اردو اخبار مین" تحریر ہے۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"حمد و بیحد ثنائے بیحد اس قادر مطلق کے تئیں سزاوار ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے بشر کو ایک مشتِ خاک سے بنا کر اشرف المخلوقات کیا اور چراغِ عقل کا اس کی ہدایت کے لیے دیا بعد حمد کے خاکسار ہیچ مندان رام چندر مدرس کتاب کے ناظرین کی خدمت میں التماس کرتا ہے کہ باعثِ ترتیب پائی اس کتاب مفید کے جو واسطے مبتدیوں اور نوآموزوں کے لیے تیار ہوئی اور جس کا عجائباتِ روزگار نام ہے"[1]

تعریفی اور توصیفی کلمات کے بعد کتاب کے بارے میں اظہارِ خیال ہے یہ کتاب تین ابواب پر تقسیم کی گئی ہے۔ باب اوّل میں "حال عجیب و غریب چیزوں کا اور مکانات کے نقشہ اور تصاویر" وغیرہ، باب دوئم میں "پند و نصائح جو ہر شخص کے واسطے عموماً سودمند ہیں" درج کیے گیے ہیں تیسرا باب "متضمن ایسے حالاتِ تواریخ کے معہ تصاویر کے جو قابل جاننے اور یاد رکھنے کے ہیں۔" آخر میں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر معذرت طلب کی گئی ہے

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا اور نظر ثانی کے بعد ۱۸۷۲ء میں

۱۔ عجائبات روزگار، ماسٹر رام چندر، (۱۸۴۴ء) مخطوطہ ۲۵۲۶ ریجنل آرکائیوز الہ آباد ص ۲۰۱

اور تیسری بار ۱۸۷۳ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ سے طبع ہوئی اس طرح یہ کتاب تین مرتبہ شائع ہوئی۔

دراصل روزگار کے مضامین کی نوعیت ہی اس کی مقبولیت کی ضامن تھی۔ اس کتاب میں نصیحت آموز اور تاریخی عنوانات پر مضامین کے علاوہ، مختلف ممالک کی عمارتوں، نئی ایجادوں اور عجیب و غریب جانوروں اور درختوں سے متعلق معلومات کو یکجا کر دیا گیا تھا۔ اردو والے ان انکشافات سے پہلے مستفید نہ ہوئے تھے۔ اس کے پہلے باب "بیچ بیان عجائب و غرائب چیزوں کے" میں آتشی پہاڑوں، مصر کے میناروں اور روضۂ ممتاز محل سے لے کر جانوروں کی نئی قسموں تک اپنے اندر بہت سے نئے انکشافات رکھتا ہے جس سے اردو کے قاری بے خبر تھے۔ پہلا باب سترہ ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے:

(۱) پہلا بیان آتشی پہاڑوں کا (۲) حالِ عجیب ملکِ مصر کے میناروں کا زبان یونانی میں پریمڈ PYRAMID کہتے ہیں (۳) حال ایک مینار کا جو شہر نین کن یعنی دارالخلافہ چین میں واقع ہے (۴) بیان جھکی ہوئی مینار کا (۵) حال مقبرہ ہمایوں کا (۶) حال جگناتھ رائے جی کا۔ (۷) حال جامع مسجد کا (۸) حال تماشہ گاہِ روم کا (۹) عبادت گاہِ عیسیٰ (۱۰) اشکال مختلف حالات انسانی (۱۱) حال خوردبین کا (۱۲) حال جانوروں زمانۂ سلف کا جواب نہیں پائے جاتے (۱۳) حال ایک نادر جانور کا جس کو دریائی گھوڑا کہتے ہیں (۱۴) بیان ایک عجیب جانور کا جس کو اوسٹریچ کہتے ہیں (شتر پرند) (۱۵) حال ایک عجیب و غریب قسم کی چیونٹیوں کا (۱۶) بیان جانور ویل کا (۱۷) حال جانور کونگرو کا۔[1]

دوسرا باب جس میں "مضامینِ پند آگیں" کا عنوان قایم کیا گیا ہے اس میں ۱۷ سرخیاں ہیں۔

(۱) قناعت (۲) عبادت (۳) حال سخاوت (۴) سستی کے بیان میں (۵) عالی حوصلہ ہونا (۶) سچ بولنے کے فائدے (۷) ہمدردی اور مروّت کے

۱۔ عجائباتِ روزگار، ماسٹر رام چندر (۱۸۴۴ء) مخطوطہ ۲۵۳۱ ریجنل آرکائیوز الہ آباد۔

بیان میں (۸) بلند نظری کے بیان میں (۹) کفایت شعاری (۱۰) بیان اعتدال کے فوائد کا، (۱۱) فوائد نیک نامی کے بیان میں (۱۲) اچھی تربیت کے بیان میں (۱۳) استقلال (۱۴) درباب تحصیل علم کے (۱۵) دربیان غرور (۱۶) صبر (۱۷) حسد" [1]

تیسرا باب "مختلف حالات تواریخ ہند جو قابل جاننے کے ہیں" کے عنوان سے لکھا گیا ہے اس میں اکبر، شاہ عالم، ٹیپو سلطان، سکندر اور نیپولین پر مضامین شامل ہیں۔ ایک تتمہ اور ایک مضمون تار برقی سے متعلق ہے اور برطانیہ کے جنگی جہاز کا نقشہ دیا گیا ہے۔ عجائبات روزگار جا بہ جا تصویروں، شکلوں اور خاکوں سے مزین ہے۔

اصول جبر و مقابلہ

ماسٹر رام چندر کی یہ کتاب ۱۸۴۵ء میں دلی اردو اخبار پریس سے شائع ہوئی جو ۸۰،۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیگر سائنسی کتابوں کی طرح "اصول جبر و مقابلہ" بھی نقشوں اور خاکوں سے مزین ہے۔ آخر میں چار صفحات پر ایک غلط نامہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ کتاب کے سرورق پر "رام چندر مدرس علوم انگریزی مدرسہ دہلی" تحریر کیا گیا ہے اور آخری صفحہ کی عبارت اس طرح ہے:

> "پیر کے دن۔ نومبر کی تیسری تاریخ ۱۸۴۵ء کو کتاب جبر و مقابلہ تصنیف کی ہوئی رام چندر صاحب طالب علم اوّل جماعت مدرسہ دھلی کی ختم ہوئی" [2]

کتاب میں دیباچہ بھی دیا ہوا ہے جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ اس کے پہلے چار ابواب جو بہت اہم ہیں اور اس قابل ہیں کہ انہیں بہت توجہ کے ساتھ پڑھا جائے۔ دوسری بات

۱۔ عجائبات روزگار، ماسٹر رام چندر (۱۸۴۶ء) مخطوطہ ۵۲۲/۲ ریجنل آرکائیوز الٰہ آباد۔

۲۔ اصول جبر و مقابلہ، ماسٹر رام چندر، دہلی اردو اخبار پریس (۱۸۴۵ء) ص ۸۰،۴ (کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود)

ماسٹر رام چندر نے یہ بتائی ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے جبر و مقابلہ کے بہت سے اصولوں سے بحث کی ہے تاکہ اس کے قاری کو اہم اصولوں سے واقفیت حاصل ہو جائے۔ کتاب سات ابواب میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلا باب بیچ دربیان حدود اور علامتوں کے، (۲) اوّل درجہ کی مساوات کے بیان میں (۳) بیچ بیان ضابطہ نیوٹن صاحب (۴) بیچ بیان حاصل کرنے سوالات ہندسے کے بوسیلہ جبر و مقابلہ (۵) بیچ بیان قاعدۂ تفریق کے (۶) بیچ بیان اس قاعدے ضرب اور تقسیم کے جس میں امثال تصاویر جبریہ یعنی حروف کے علیحدہ کیے جاتے ہیں۔ (۷) فصل اوّل بیچ بیان ایک خاص ترکیب کے جس کے ذریعے صورت جبریہ طرفین ایک مجذور اعداد صحیح میں ہو جائے۔

اس کتاب کی اشاعت پر ماسٹر رام چندر کی بڑی تعریف کی گئی۔ اس طرح ان کے کارناموں کو برطانیہ کے عالموں اور اساتذہ نے بھی خراجِ تحسین پیش کیا اور ہندوستان کے کالجوں میں ان کی کتابیں نصاب میں شامل کی جانے لگی۔

اصول علم حساب جزئیات کلیّات

ماسٹر رام چندر کی اس تصنیف کا "فوائد الناظرین" اخبار میں دیے گئے اشتہار سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بوشارلٹ کی انگریزی کتاب سے اردو میں ترجمہ کی گئی ہے۔ اس کتاب کے صفحات کی کل تعداد ۶۰۰ ہے۔ کتاب کے بارے میں اخبار مذکور کا خیال ہے:

"قریب دو سو برس کے گزرتے ہیں کہ حکمائے فرنگ نے ایک نئی فرع علم ریاضی میں ایجاد کی ہے اور نام اس فرع کا حساب جزئیات و کلیات۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک عجیب لطیف علم ہے کہ اس کے ذریعے سے ایسی ایسی باتیں معلوم ہوئی ہیں کہ متقدمین کے وہ وہم میں بھی نہیں ہوں گی۔ حرکاتِ اجرام فلکی کا حساب بذریعہ اس کے بہت صحت اور درستی سے ہو سکتا ہے اور بواعث ان حرکات کے بوسیلہ اسی علم کے دریافت کیے گیے ہیں واضح ہو کہ اس علم کی تحصیل کرنے کے لیے علم ہندسہ مثلاً تحریر اقلیدس اور حساب اور جبر و مقابلہ اور علم مثلث وغیرہ خوب جاننے چاہئیں کیونکہ بغیر جاننے ان کے وہ سمجھ میں نہیں آ سکتا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ اس علم میں کس شئے سے بحث ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں مقداروں ہندسہ کی یعنی کمِ متصل کی بحث ہوتی ہے لیکن ساتھ اس شرط کے کہ کسی خاص مقدار کا لحاظ نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے حدود کا یعنی حدوں کا جن کی طرف یہ مقداریں زیادہ یا کم ہونے سے میل کرتی ہیں"۔ [1]

تذکرۃ الکاملین

ماسٹر رام چندر کی یہ کتاب دو سو صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۹۰ مضامین، ۸۸ سوانحی خاکے اور یونان، روم، برطانیہ اور ہندوستان کے مختصر حالات علوم و فنون کے عروج و زوال پر مضامین تحریر کیے گیے ہیں۔ مصنف نے ریاضی دانوں اور ماہرینِ طبعیات کے حالات پر زیادہ توجہ صرف کی ہے۔ شاعروں اور شہنشاہوں کے بارے میں لکھا تو ضرور ہے لیکن طبعیت کا رجحان اس طرف نہیں ہے۔ سوانحی مضامین میں سوانح سے قطع نظر صاحبِ سوانح کے علمی کارناموں کا زیادہ ذکر کیا ہے۔ مضمون سے متعلق تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں۔ سائنس دانوں سے متعلق مضامین قابلِ تحسین انداز میں لکھے ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریر کو دلچسپ بنانے کے لیے اشعار، لطائف اور واقعات بھی شامل کیے ہیں لیکن انشاپردازی اور مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ رام چندر چوں کہ سائنس اور حساب سے بے پناہ شغف رکھتے تھے اس لیے سائنس دانوں پر انہوں نے جو مضامین قلم بند کیے ہیں وہ تمام دیگر مضامین سے ممتاز ہیں ان کے ایک مضمون "حال لقمان الحکیم" سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں تحقیق نہ ہو پائی وہاں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی تبصرہ یا خیالی اندازہ قایم نہیں کیا ہے۔ ذیل کا اقتباس پڑھنے سے ان کی حقیقت فہمی کا اندازہ ہوتا ہے:

"..... حقیقت یہ ہے کہ اکثر کتب انگریزی کو جو مطالعہ کیا۔ اس میں یہی پایا کہ تاریخ پیدائش، وفات اور جائے مقام اس حکیم فاضل کی بالکل تحقیق

---

[1] اخبار فوائد الناظرین۔ مضمون اصول علم حساب جزئیات و کلیات از رامچندر، پنڈت موتی لال پریس دہلی (۱۸۴۵ء) شمارہ ۲۱

معلوم نہیں اور بعض کتب فارسی میں جو دیکھا تو اس حکیم کے حالات میں مبالغہ بہت پایا جس پر راقم کو اچھی طرح اعتبار نہ آیا"۔[1]

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ستمبر ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا دوسرے ایڈیشن کے بارے میں معلومات نہ ہو پائی لیکن تیسرا ایڈیشن مطبع نول کشور لکھنؤ سے اگست ۱۸۷۷ء میں شائع ہُوا۔ کتاب اپنی افادیت کے سبب آج بھی طلبا کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہے اور معلوماتی اعتبار سے ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

اصول علم مثلث و تراش ہائے مخروطی و علم ہندسہ یالجبر

۲۶ × ۱۸ سینٹی میٹر سائز پر ۱۰۳ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی۔ سرورق پر انگریزی اور اردو میں کتاب اور مترجم کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں ہٹن، بوشارلٹ اور سمسن کے مضامین کے تراجم شائع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے موضوع کی افادیت کے لحاظ سے بہت اہم اور معیار کے اعتبار سے بہت بلند ہے اس ضخیم کتاب میں مترجم نے بڑی کاوش سے موضوع سے متعلق مواد یکجا کیا ہے۔ ہر مسئلے کو نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ ہندسی اشکال اور مثالوں سے اس کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ اس کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) علم مثلث مستقیم الاضلاع بالہندسہ۔
(۲) علم مثلّث مستقیم الاضلاع بالجبر۔
(۳) علم مثلّث کروی۔
(۴) تراشیں مخروطی۔
(۵) علم ہندسہ بالجبر۔
(۶) تتمہ۔

پہلے باب میں دو ذیلی سرخیاں قائم کی گئی ہیں دوسرے میں نو ذیلی سُرخیاں ہیں تیسرے

۱۔ تذکرۃ الکاملین، ماسٹر رام چندر، مطبع العلوم دہلی (۱۸۴۹ء) ص ۹۳ (سینٹرل لائبریری دہلی یونیورسٹی میں موجود ہے)

اور چوتھے میں چار چار ذیلی سرخیاں اور پانچویں میں آٹھ ذیلی سرخیاں قایم کی گئی ہیں۔ جن کی فہرست صفحہ ۳ ۔ ۲ پر دی گئی ہے۔ سرورق پر تحریر ہے:

"اصول علم مثلث وتراشہائے مخروطی وعلم ہندسہ بالجبر کے ترجمہ رام چندر اسکالر اعلیٰ دہلی کالج کے، نے تصنیفات ہٹن صاحب اور بوشارلٹ صاحب اور سمن صاحب کے سے کیے" [1]

کتاب کے صفحہ ۴ پر مترجم نے دیباچہ دیا ہے جس میں تحریر کیا ہے: "جناب بوٹروس صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی کو منظور نظر یہ ہے کہ جمیع کتب علمیہ انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ ہو کر طلبا عربی اور فارسی خواں کو پڑھائی جاویں اور طلبہ مدرسہ فارسی کا بھی میل طبیعت طرفِ تحصیل علم ریاضی کے بسبب ان کی سعی بلیغ کے بیچ سیکھنے رسالہ جبر و مقابلہ کے جو اس خاکسار نے پہلے تالیف کیا ہے دریافت ہوا۔ اس سبب سے اس ہیچدان نے قصد اس رسالہ کی تالیف کا کیا اور ہٹن صاحب اور سمن صاحب اور بوشارلٹ صاحب کے مصنفات سے استعانت چاہی باعث اس کا یہ ہے کہ بہت سی کتابیں علم ہیئت اور علم ادات کی زبان انگریزی میں ایسی ہیں کہ بغیر جاننے علم مثلث اور فروغ ریاضی کی سمجھنا ان کا متعذر ہوتا ہے۔ پس اوّل بیان کرنا ان مطالب ضروری کا جو کتب مذکورۃ القدر میں سے اخذ کی گئی ہیں لازم پڑا .... جو شخص تحریر اقلیدس اور رسالہ جبر و مقابلہ اور اس کتاب کو بہ نظرِ تأمل سیر کرے گا، اس کو استعداد کافی واسطے تحصیل علمِ لاانتہا یعنی حساب جزئیات و کلیات کے حاصل ہو جاوے گی" [2] علم مثلث کروی کے تحت قایم الزاویہ مثلثوں اور غیر قایم الزاویہ کروی مثلثوں کے سوالات حل کرنے کے طریقے وضاحت کے ساتھ تحریر کیے گیے ہیں۔ "تراشہائے مخروطی" کے تحت تین قسم کے خطوط کا حال درج ہے جن کو قریب البیضوی، بیضوی اور بعید البیضوی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور ہر خط کے متعلق ضروری معلومات اور

---

۱ ـ اصولِ علمِ مثلث وتراشہائے مخروطی وہندسہ بالجبر، دیباچہ ماسٹر رام چندر (۱۸۴۴ء) ص ۱

۲ ـ اصولِ علمِ مثلث وتراشہائے مخروطی وہندسہ بالجبر دیباچہ ماسٹر رام چندر (۱۸۴۴ء) ص ۴ (کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نمبر ۵۰ع ۳م پر موجود ہے)

شکلیں دی گئی ہیں۔

"علم ہندسہ بالجبر" میں علاماتِ جبریہ کے ذریعے سے مقادیر ہندسی معلوم کرنے کی ترکیب، مساواتِ خط مستقیم وتراشہائے مخروطی وغیرہ کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ تتمہ کی سرخی کے تحت قوس اور کرہ و مخروط کی مساوات کا حال تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کا اسلوب فارسی آمیز ہے اور کہیں کہیں عربی الفاظ کا استعمال بھی ہوا ہے مثلاً علی الاستقامت، فی النسبتِ زاویہ متقاطع علی القوایم مابین اور منطبق وغیرہ۔

سریع الفہم

۱۸ × ۱۰ سینٹی میٹر سائز پر ۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع العلوم سے ستمبر ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی یہ کتاب بھی ماسٹر رام چندر کی تصنیف ہے اس کا دوسرا ایڈیشن ۵ رجولائی ۱۸۵۰ء کو مطبع محمدی کانپور سے شائع ہوا اور تیسرا ایڈیشن ۱۲ راگست ۱۸۵۵ء کو مطبع نظامی کانپور سے طبع ہوا، یہ کتاب مبتدیوں اور نوآموز طلبا کے لیے تالیف کی گئی تھی اس کو آٹھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب " صحیح عدد کے بیان میں " دوسرا " کسر کے بیان میں " تیسرا " اربعہ متناسبہ وغیرہ کے ذکر میں " چوتھا " مساحت کے بیان میں " پانچواں " خرید و فروخت ہر قسم کی اشیاء کے بیان میں " چھٹا " تحریر کواغذ، فاضل، باقی، بٹائی وغیرہ کے دستور میں " ساتواں " ان حسابوں کے ذکر میں کہ بطور لطیفہ ہیں " آٹھواں " سوالاتِ مشکل کے بیان میں " اس مختصر رسالے کے بارے میں مصنف کا خیال ہے:

" واضح ہو کہ اس رسالے میں تمام حساب روزمرہ کے مع پیمائش زمین اور اجسام وغیرہ کے بہت ضرور ارباب عالم کو ہوتے ہیں، مندرج ہیں۔ کوئی ایسا حساب ضروریات روزمرہ کا نہیں ہے کہ اس رسالہ میں نہ ہو اور سوا اس کے ایک باب ایسے سوالات میں ہے کہ گویا وہ لطیفہ ہیں۔ اگر ان کو کسی محفل میں مذکور کریں ارباب محفل سن کر بہت خوش ہوں " [1]

۱۔ سریع الفہم، ماسٹر رام چندر، مطبع العلوم دہلی (۱۸۴۹ء) ص ۲ (رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے)

ساتواں باب یقیناً دل چسپ اور زبانی سوالات پر مبنی ہے اور علمی انداز میں اس کی تشریح بیان کی گئی ہے جیسے:

"مسئلہ چوتھا۔ ایک نام ایسا چار حرف کا ہے کہ اگر اس میں سے ایک یا دو یا تین یا چار کم کریں ہر صورت میں باقی چار رہتے ہیں، بتاؤ وہ کیا نام ہے۔ جواب "چادر" کہ اگر ایک حرف یعنی دال کم ہو تو بھی باقی چار رہیں اور دو حرف یعنی د، ر دور کر دیا تو چا، باقی رہے کہ اس کے عدد بھی چار رہیں، جیم کے ۳ اور الف کا ۱، اور اگر تین حرف یعنی چ، ا، ر دور کر دیں تو دال باقی رہتی ہے کہ عدد اس کے چار ہیں اور اگر چار یعنی دال، دور کریں تو باقی چار رہتا ہے"[۱]

آٹھواں باب مشکل سوالات کے ضمن میں ہے یہ سوالات عاجز کر دیتے ہیں اور آسانی سے حل نہیں ہو پاتے جیسے:

"سوال پہلا۔ بیس روپے کے چھ جانور مختلف قیمت کے خریدا چاہتے ہیں ہم"[۲]

"سوال تیسرا۔ دس کے ایسے دو ٹکڑے کرو کہ حاصل ضرب ان کا ستائیس ہو"[۳]

ابتدائی طلباء کے لیے یہ کتاب مفید معلومات فراہم کرتی ہے اسی سبب اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔

علم طبعی

ماسٹر رام چندر کا سائنسی موضوعات پر مشتمل اس رسالہ کا ذکر "فوائد الناظرین" کے ۵ جنوری ۱۸۵۱ء کے ایک اشتہار میں ملتا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں تحریر ہے:

"واضح ہو کہ در نولا ایک کتاب علم طبعی جس میں مضامینِ مفصل ذیل، کہ اکثر ان میں کہ جواب تنگ طبع ہوتے ہیں نہیں پائے جاتے، درج ہیں۔ اس نیاز مند کی تالیف سے

۱۔ سریع الفہم، ماسٹر رام چندر، مطبع العلوم دہلی، ۱۸۴۹ء، ص ۳۸ (رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے)

۲۔ بحوالہ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی، شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی (۱۹۶۱ء) ص ۸۵

۳۔ سریع الفہم، ماسٹر رام چندر، مطبع العلوم دہلی (۱۸۴۹ء) ص ۴۰ (رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے)

طبع ہوئی ہے۔ وہ کتاب آٹھ ابواب پر منقسم ہے۔ اوّل۔ میں ادارت اور وہ اس طرح پر کہ جہاں طولانی عبارت کچھ ضرور نہ تھی وہاں اختصار کیا۔ اور برعکس اس کے جہاں ضرور تھی وہاں اس کا لحاظ رکھا۔ دوم میں ہیئت.... سوم علم آب ہوا... چہارم علم ہوا... پنجم مناظر و MIEAGE ششم الکٹری سٹی یعنی بجلی ہفتم میگنیٹزم یعنی مقناطیس... باب ہشتم میں حال حرارت کا مندرج اور مضامین مشکل کو ایسے طریقۂ سہل پر بیان کیا گیا ہے کہ ہر خاص و عام کے فہم میں بآسانی آجاویں۔ قیمت اس کتاب مفیدہ کی بالفصل دو روپے آٹھ آنے مقرر کی ہے۔"[۱]

رسالہ مسائل کلّیات و جزئیات

ماسٹر رام چندر کی جملہ تصانیف میں اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس پر تنقیدیں بھی ہوئیں مقالے بھی لکھے گیے اور سراہا بھی گیا اور اسی کتاب پر انہیں سرکار کی طرف سے اعزاز اور نقد انعام سے بھی نوازا گیا۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۸۵۰ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ جس کے کئی نسخے برطانیہ بھیجے گیے۔ پروفیسر مارگن شعبۂ ریاضیات لندن یونیورسٹی نے اس کتاب کی بہت قدر کی اور انہوں نے اپنے شعبے کے صدر کرنل سائیکس کو رام چندر کی اس ایجاد کی تعریف میں خط بھی لکھا تھا اور یہ رائے دی تھی کہ اس کتاب کے انتخابات برطانیہ کی ابتدائی تعلیم کے نصاب میں شامل کیے جانے چاہئیں۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن پروفیسر مارگن کے اہتمام میں ۱۸۵۹ء میں لندن سے شائع ہوا اور اسی مقبولیت اور اہمیت کے سبب کورٹ آف ڈائرکٹرز اور حکومتِ دہلی کی طرف سے انہیں خلعت اور دو ہزار روپیہ کا نقد انعام کمشنر دہلی کی طرف سے دیا گیا۔ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر مارگن اس کے مصنف ماسٹر رام چندر کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"اگر یہ کتاب چودھویں صدی کے مخطوطے کے طور پر برآمد ہوئی ہوتی تو میں ان کو بھاسکر کی بجائے ڈایوفینٹ (DIPHANTUS) کا پیرو کہتا"[۲]

۱۔ فوائد الناظرین، بحوالہ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی، شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی (۱۹۶۱ء) ص ۸۶

۲۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی، شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی (۱۹۶۱ء) ص ۵۰

پروفیسر مارگن نے اس کتاب کے لندن ایڈیشن کے مقدمے میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے:

"میں نے رام چندر کی کتاب کو اطمینان و استعجاب کے ملے جلے احساس کے ساتھ پڑھا جس میں چند منٹ کے غور و فکر کے بعد کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ مجھے اس میں ہندو فکر و فلسفہ کی پھوٹتی ہوئی دکھائی دی۔"[۱]

ماسٹر رام چندر کی یہ کتاب علم حساب کی تاریخ میں ایک معتبر سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

رسالہ اصول کلوں کے باب میں

اس کتاب کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُس عہد میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ تھا جو مشینوں کے بارے پوری معلومات فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ یہ رسالہ مطبع العلوم یا دہلی کالج کی ورنیکلر سوسائٹی کے سلسلے سے منسوب نہیں ہے لیکن ماسٹر رام چندر نے اردو میں ترجمہ اسی عہد میں کیا جو انگریزی کی ٹی ٹیس (T.TATES) کی کتاب ELEMENTS OF MECHANISM سے مستعار ہے۔ ۱۴۶ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا پہلا ایڈیشن طامسن کالج پریس رڑکی سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔ کتاب کے سرورق پر "یسوداس رام چندر" اور کتاب کا نام اردو انگریزی میں تحریر ہے۔ کتاب میں شکلوں، خاکوں اور تصاویر کے ذریعے مشینوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہے۔ کتاب کی عبارت سہل اور عام فہم ہے۔ سائنسی اسلوب کا مصنف خود موجد ہے اور اپنے ارتقائی منزلوں کی طرف گامزن ہے۔ جس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے بخوبی ہو جاتا ہے:

"حرکت یا تو مطلق ہوتی ہے یا نسبتی: جبکہ ایک جہاز کنارۂ سمندر سے روانہ ہوتا ہے تو اس کی حرکت بہ لحاظ کسی شے کے کہ خشکی پر قائم ہو حرکت

۱۔ رسالہ مسائل کلیات و جزئیات، ماسٹر رام چندر، لندن ایڈیشن باہتمام پروفیسر مارگن (۱۸۵۹ء) (یہ کتاب ہارڈنگ لائبریری دہلی میں موجود ہے)

مطلق، خیال کی جاتی ہے لیکن جب کہ اس کے مقام کو کسی اور جہاز کی نسبت کہ وہ 'متحرک' ہو، خیال کرتے ہیں تو اس کی حرکت کو 'حرکتِ نسبتی کہتے ہیں' [۱]

اپنے عہد میں یہ کتاب یقیناً اہمیت کی حامل رہی ہوگی اور لوگوں نے اسے حیرت واستعجاب سے پڑھا ہوگا جب کہ آج کل ایسے موضوع پر بے شمار رسائل موجود ہیں۔ اور اس عہد کے مقابلے نئی نئی ایجادوں نے قدیم کتب کی اہمیت کو ختم کردیا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو آج کی معلومات کا بنیادی ماخذ قدیم کتابیں ہی ہیں۔

تفرقی احصار کا ایک نیا طریقہ

A SPECIMEN OF NEW METHOD OF THE DIFFERENTIAL CALCULUS CALLED THE METHOD OF CONSTANT RATIO

رام چندر کا یہ مختصر رسالہ صرف ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے جو ملٹر آرفن پریس کلکتہ سے ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔ اور کلکتہ کی نیشنل لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس رسالے کے بارے میں ماسٹر رام چندر اس کی علمی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ رسالہ بالکل مختلف نوعیت کا ہے۔ اس میں جو طریقہ پیش کیا گیا ہے وہ اگر جانچ پرکھ کے بعد صحیح ثابت ہو تو یہ بہت مفید ہوگا۔ پرانے طریقوں میں جو مشکلات ہیں اور جنہیں دور کرنے کے لیے ہی یہ نیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے انہیں تعارف میں بیان کر دیا ہے۔" [۲]

پروفیسر مارگن کے علاوہ کیمبرج کے مسٹر رینالڈس اور ایڈنبرا کے پروفیسر کیلینڈ نے اس کتاب پر تبصرے لکھے جو ماسٹر رام چندر نے اس رسالے میں بھی شامل کیے ہیں۔ ان سب تبصرہ نگاروں نے مصنف کے علمی استعداد اور فن کی تعریف کی ہے۔

۱۔ رسالہ اصول سموں کے باب میں، ماسٹر رام چندر، طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۶۳ء) (کتب خانہ رسالہ حیات حیدر آباد میں موجود ہے)

۲۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی ۵۵

ماسٹر رام چندر نے جدید اور سائنسی علوم پر مبنی، اس کالج کی نسبت بہت بڑی خدمت کی ہے۔ وہ صرف کتابوں کے مصنّف اور مترجم کی حیثیت سے اپنی شخصیت کو نہیں منواتے بلکہ ایک کامیاب صحافی کی حیثیت میں بھی اپنی شخصیت کو اُجاگر کرتے ہیں۔

انہوں نے مارچ ۱۸۴۵ء کو "فوائد الناظرین" کے نام سے ایک اخبار کا اجراء کیا جس میں دہلی کالج کے اساتذہ اور طلباء کا مکمّل تعاون انہیں حاصل ہوا۔ اس اخبار میں خبروں کے علاوہ علمی اور سائنسی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

فوائدِ النّاظرین

اس اخبار کو سائنسی دنیا کا تاریخی اخبار کہنا زیادہ درست ہوگا جس کا اجرا مارچ ۱۸۴۵ء کو ہوا۔ جدید علمی رجحانات کے سبب ہی یہ علمی حلقوں میں بہت جلد مقبول ہوگیا اور ان حلقوں نے اس کی سرپرستی اور تعاون کرنا اپنے اوپر فرض کرلیا:

"پروفیسر رام چندر کے اخبار کے مشہور خریداروں میں...... پنڈت جوالا اکھر جیواری، محی الدین حسن خاں بہادر، حافظ صدر الاسلام، اے۔ ال۔ رابرٹس، آر۔ ال۔ ای ہمیلٹن، لالہ جگت نرائن چندر صاحب۔ ڈاکٹر اشپر نگر، جے مور کننگھم، آر۔ بی۔ اسمتھ، قدیر علی مستقیم جنگ بہادر، محمد غوث ایڈیٹر آفتاب عالم تاب، واجد علی ایڈیٹر زبدۃ الاخبار" [1]

یہ وہ لوگ تھے جو علمی حلقوں کے روحِ رواں سمجھے جاتے تھے ان لوگوں کے تعاون سے ہی اس اخبار کی پذیرائی ہوئی حالانکہ آمدنی کے اعتبار سے پروفیسر رام چندر کو اپنی جیبِ خاص سے بھی بہت کچھ اس اخبار کے لیے خرچ کرنا پڑتا تھا اور ان کے ملنے جلنے والے جو اس راز سے واقف تھے اکثر کئی کئی اخبار محض اس خیال سے خرید لیتے کہ یہ اخبار مالی مشکلات کا شکار ہو کر بند نہ ہو جائے۔ اس عہد میں بہت سے اخبار دہلی اور اس کے

---

[1] قدیم دہلی کالج نمبر دلی کالج میگزین، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی (۱۹۵۳ء) ص ۴۴

قرب وجوار میں شائع ہوتے تھے جیسے :

"دہلی اردو اخبار، قران السعدین، الوہ اخبار، اخبار الحقائق، آفتاب عالم تاب، زبدۃ الاخبار، مطبع الاخبار، صدر الاخبار، فوائد الشائقین، عمدۃ الاخبار، سید الاخبار، اسید الاخبار، احسان الاخبار"[1]

مندرجہ بالا اخبارات میں علاقائی خبروں اور ملکی سیاسی مضامین کے علاوہ جدید اور سائنسی علوم کا گزر نہ ہوتا تھا یہ ممتاز حیثیت صرف "فوائد الناظرین" ہی کو حاصل تھی جس میں "جر ثقیل، ایر پمپ، کسوف وخسوف، دخانی کل، ہیپوٹیسن، حال عجیب وغریب چیونٹیوں کا، حال درخت بڑ کا"، جیسے مضامین کی اشاعت بھی ہوئی ہے۔

اس اخبار میں علمی اعتراضات اور ان کے جوابات کی اشاعت بھی ہوتی تھی۔ اگر سائنس سے متعلق کسی کو کوئی سوال کرنا ہوتا تو اخبار میں سوال شائع کر کے ناظرین سے اس کا جواب بھیجنے کی درخواست کی جاتی تھی۔ کہیں کہیں سائنسی مضامین کو تصاویر اور شکلوں کے ذریعے بھی سمجھایا گیا ہے۔ ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی کے مطابق چار صفحے کے اس اخبار کی قیمت ایک آنہ تھی۔ بعد میں ضخامت اور قیمت بڑھنے کے بارے میں لکھا ہے :

"۲۵ جنوری ۱۸۴۷ء سے اس کے صفحات دوگنے کر دیے گئے اور قیمت بھی دو آنے فی پرچہ یا چار آنے ماہوار ہوگئی"[2]

اخبار مذکور کی زبان تقریباً وہی ہے جو دہلی کالج کی مطبوعات کے ضمن میں بیان ہو چکی ہیں جیسے "علاج واسطے بچنے وبائے ہیضہ سے"، "ترکیبیں اوٹھانے اور بلندیوں پر لے جانے بڑے بڑے وزنوں کی" وغیرہ عنوانات، زبان کے اعتبار سے ویسے ہی ہے۔ اس میں تبصرے بھی شائع ہوتے تھے جو ماسٹر رام چندر کی کتابوں پر زیادہ تعداد میں ملتے ہیں۔

مارچ ۱۸۴۵ء سے ستمبر ۱۸۴۶ء تک پریس لائن کے طور پر "باہتمام صاحبان مجمع فوائد العام اندرون مکان مولوی محمد باقر مہتمم پریس پنڈت موتی لعل پرنٹر اور پبلشر

۱۔ قدیم دہلی کالج نمبر دی کالج میگزین، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی (۱۹۵۳ء) ص ۶۵

۲۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی، شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی (۱۹۶۱ء) ص ۶۴

اردو اخبار کے چھاپہ ہوا" لیکن بعد میں" باہتمام ماسٹر رام چندر بیچ چھاپہ خانہ دہلی اردو اخبار کے دِلّی میں چھاپا گیا۔ پنڈت موتی لعل پرنٹر مکان مولوی محمد باقر" تحریر ہوتا تھا۔

مولوی محمد باقر دہلی اردو اخبار کے ایڈیٹر اور پریس کے مالک تھے اور انہوں نے ابتداء میں "فوائد الناظرین" بطور ضمیمہ دہلی اردو اخبار کے شائع کیا اور بعد میں ماسٹر رام چندر اسے باقاعدگی سے مرتّب کرنے لگے۔

مُحبّ ہند یا خیر خواہِ ہند

ماسٹر رام چندر نے "فوائد الناظرین" کے بعد ایک ماہانہ رسالہ "خیر خواہِ ہند" کے نام سے ۱۶ ستمبر ۱۸۴۷ء کو نکالا۔ صرف ایک ماہ بعد اکتوبر ۱۸۴۷ء کو اس کا نام تبدیل کرکے "محبّ ہند" رکھدیا گیا۔ نام کی تبدیلی کے بارے میں ماسٹر رام چندر نے لکھا ہے:

"ہم کو اس امر کی بالکل اطلاع نہ تھی کہ کوئی اخبار "خیر خواہِ ہند" ہندوستان میں اجرا ہوتا ہے تو اس واسطے ہم نے اپنے رسالے کا نام خیر خواہ ہند رکھا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ایک اخبار مسمّیٰ خیر خواہ ہند مرزا پور میں جاری ہوتا ہے تو ہم کو مناسب نہیں ہے کہ ہم اپنے رسالے کا نام بھی خیر خواہِ ہند رکھیں۔ اس واسطے ہم نے نام اس رسالے کا تبدیل کیا اور بجائے خیر خواہ ہند کے محبّ ہند رکھا"۔[1]

محبّ ہند میں ادبی مضامین کے علاوہ علمی مقالے اور تبصرے کی بھی اشاعت ہوتی تھی۔ اکتوبر ۱۸۴۷ء کے شمارے میں مضامین کی فہرست اس طرح ہے:

"۱۔ نقشہ شہر دہلی از طرف دریائے جمن۔

۲۔ تاریخ ملک اودھ مع تصاویر شجاع الدولہ و آصف الدولہ۔

۳۔ تربیتِ اہلِ ہند کے باب میں۔

۴۔ بیان سادھوؤں کے طریقے۔

۱۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمٰن قدوائی، شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی (۱۹۶۱ء) ص ۶۶

۵۔ ہیئت بیان ستاروں کا۔

۶۔ قصیدہ ذوق۔ سر یر آرائے گردوں جب تلک سلطان خاور ہو۔[1]

اس اخبار کے صفحات کی تعداد ۵۰ ہوتی تھی اور چندہ ایک روپیہ ماہانہ مقرر کیا گیا تھا۔ اس رسالے کے مضامین جو سائنس سے متعلق ہوتے ان کی دوبارہ اشاعت دوسرے اخبارات میں بھی ہوتی تھی اس کے علاوہ علم ہیئت اور علم طبیعی سے متعلق مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

دہلی کالج کو اس عہد کے ان مقتدر علماء نے جدید اور سائنسی علوم کی بے بہا خدمات کے وسیلہ سے نہ صرف ایک مقبول ادارے کی حیثیت عطا کی بلکہ ایک تاریخ ساز علمی قدر و منزلت سے بھی ہم کنار کیا۔ غیر ملکی علماء میں ٹامس کاف، چارلس گرانٹ، جون ہنری ٹیلر، مسٹر بوترو، اشپرنگر اور مسز کارگل وغیرہ کی خدمات اس نظریے کے تحت بھی مستحسن اور قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے نسلی، ملکی اور مذہبی امتیازات اور جذبات سے بلند ہو کر اعلیٰ انسانی قدروں کا ثبوت دیتے ہوئے مشرق کو اپنی علمی صلاحیتوں سے فیض یاب ہونے کا گراں قدر موقع فراہم کیا جو ان کے بلند خیالات اور اعلیٰ کردار ہونے کا ضامن ہے۔

ان غیر ملکی علماء کے علاوہ اس ادارے سے وابستہ ڈپٹی نذیر احمد، مولانا امام بخش صہبائی، مولوی مملوک علی نانوتوی، مولوی سبحان بخش، مولوی ذکاء اللہ، محمد حسین آزاد، پنڈت اجودھیا پرشاد، دوارکا ناتھ ٹیگور، ماسٹر پیارے لال آشوب اور ماسٹر رام چندر وغیرہ حضرات نے بلا لحاظ مذہب و ملت نہ صرف ورنیکلر سوسائٹی کو اپنی علمی خدمات وقف کیں بلکہ انفرادی طور پر بھی، اپنے علمی فیوض سے استفادہ کا موقع دیا۔

دہلی کالج کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ان تمام علماء اور ان سے وابستہ علمی کارناموں کو ہمیشہ فخریہ طور پر یاد کیا جاتا رہے گا۔ جس کی بدولت ہمارے وطن کو نئے علوم کی روشنیوں سے سرفراز ہونے موقع میسر آیا۔

۱۔ ماسٹر رام چندر، صدیق الرحمان قدوائی، شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی ۱۹۶۱ء، ص ۸

سر سید احمد خاں (۱۸۱۷ء - ۱۸۹۸ء) کے ذہن میں ہندوستانیوں کی تعلیمی پسماندگی کا احساس جاگزیں تھا۔ لیکن اپنی سرکاری ملازمت کی بندشوں کے سبب کوئی فعال قدم اٹھانے سے معذور تھے۔ دوسری طرف ہندوستانیوں میں انگریزی تہذیب و تعلیم سے نفرت کے سبب وہ اردو ذریعۂ تعلیم کے خواہاں تھے، تاکہ لوگوں میں آہستہ آہستہ سائنسی علوم کا تجسس بیدار ہو اور مغربی علوم (جس سے وہ خود بھی متاثر تھے) سے لوگ پوری طرح واقف ہو کر فائدہ حاصل کریں۔

۱۸۵۹ء میں سر سید مراد آباد میں صدر صدور کے عہدے پر فائز تھے۔ مراد آباد میں انہوں نے ایک فارسی ذریعۂ تعلیم کے مدرسے کی بنیاد ڈالی، تعلیم کی قدر و قیمت اور اس موضوع کے مختلف النوع خیالات پر مبنی انہوں نے ایک مختصر رسالہ اُردو اور انگریزی میں تحریر کیا۔ اس رسالے میں انہوں نے حکومت کے قائم کردہ مشرقی زبانوں کے مدرسوں پر بھی تنقید کی:

"...یہ مدرسے وقت کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہیں..... انہوں نے حکومت کی اس پالیسی پر سخت تنقید کی کہ "ہندوستانیوں کو صرف اتنی تعلیم دی جائے کہ وہ گذر اوقات کر سکیں۔"[۱]

۱۔ سید احمد خاں، خلیق احمد نظامی، پبلیکیشن ڈویژن پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی جون (۱۹۷۱ء) ص ۶۰

سرسید احمد خاں کا تعلیمی نظریہ لوگوں میں ذہنی بیداری اور سیرت کی تعمیر پر مرکوز تھا۔ وہ لوگوں کے ذہنوں کی اصلاح کا کام تعلیم سے لینا چاہتے تھے۔ اس خوش گوار مقصد کے لیے انہیں ماحول کی تلاش تھی۔ اُن کے تعلیمی نظریے کی وضاحت گارساں دتاسی نے ان الفاظ میں کی ہے:

"اگرچہ سید احمد خاں موجودہ طریقِ تعلیم کے دل دادہ ہیں لیکن باوجود اس کے یورپ میں سائنس اور دوسرے علوم میں جو ترقی ہوئی ہے اس کے بڑے مدّاح ہیں۔ موصوف کا خیال ہے کہ یورپ میں ترقی عربوں کے زمانے کی ترقی سے بہت آگے بڑھ گئی ہے، جن کے علوم ہی پر اہلِ یورپ نے اپنی سائنس کی بنیاد رکھی"۔[1]

۱۲ مئی ۱۸۶۲ء کو سرسید احمد خاں کا تبادلہ مراد آباد سے غازی پور ہو گیا غازی پور پہنچ کر تعلیمی مقصد کے لیے راہ ہموار نظر آئی تو انہوں نے اس کے تحت ایک اپیل شائع کی جس میں انہوں نے ہندوستان میں جدید علوم کی ترقی کے لیے ایک ایسی انجمن بنانے کی درخواست کی جس کے ذریعے یورپی اور انگریزی کی معیاری کتابوں کے تراجم کا اہتمام ہو سکے۔ اپیل شائع کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ کتنے لوگ ان کے ہم خیال بن کر سامنے آتے ہیں بہت سے لوگوں نے اُن کی اس اپیل پر لبیک کہا اور اس طرح ایک انجمن کی بنیاد ڈالنے کے لیے مواقع میسّر آگئے۔

۱۸۶۳ء میں سائنٹفک سوسائٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا جس کی سرپرستی کے لئے ڈیوک آف آرگائل کا نام تجویز ہوا۔ سوسائٹی نے کچھ ہی عرصہ میں مقبولیت حاصل کر لی اور اس کے اراکین کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس انجمن میں انگریز، مسلمان اور ہندو سبھی برابر کے شریک تھے، خود سرسید اس کے سکریٹری تھے:

"غازی پور میں ترجمہ کا کام باضابطہ طور پر شروع ہو گیا خود سرسیّد اس (سوسائٹی) کے اعزازی معتمد مقرر ہوئے اور اس تحریک سے ہمدردی حاصل

۱۔ مقالات گارساں دتاسی، جلد اوّل، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی (۱۹۴۳ء) ص ۴۷

کرنے کی غرض سے انہوں نے کلکتہ کا سفر کیا۔"[1]

سر سید نے سائنٹفک سوسائٹی کے لیے جگہ جگہ سوسائٹی کے مقاصد کے بارے میں لوگوں سے خطاب کیا اور اس کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی، انہوں نے ایک تحریر "التماس بخدمت ساکنانِ ہندوستان درباب ترقی تعلیم اہل ہند" شائع کی۔ جس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا:

"ہندوستان میں علم کے پھیلانے اور ترقی دینے کے لیے ایک مجلس مقرر کرنی چاہئے جو اپنے قدیم مصنفوں کی عمدہ کتابیں اور انگریزی کی مفید کتابیں اُردو میں ترجمہ کرا کے چھاپے۔"[2]

۹ر جنوری ۱۸۶۴ء کو سر سید احمد خاں نے غازی پور میں اپنے مکان پر ایک جلسہ منعقد کیا، جس میں ہندوستانی عالموں اور دانشوروں کے علاوہ یورپین اہلِ علم کو بھی دعوت دی گئی۔ یہ جلسہ سوسائٹی کے اغراض و مقاصد بیان کرنے اور سوسائٹی کو مُفید مشوروں سے فیض یاب کرنے کے لیے منعقد کیا گیا تھا۔ اس جلسے میں سر سید احمد خاں کے دوست لیفٹیننٹ جی۔ ایف۔ آئی۔ گراہم بھی موجود تھے جو اُس وقت غازی پور میں سپرنٹینڈنٹ پولیس تھے۔ انہوں نے سوسائٹی کی پہلی میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"ہندوستان کے واقعات میں پہلے پہل ایک شریف مُسلمان نے تنہا بلا استعانت ایک سوسائٹی کی تجویز اس نظر سے کی ہے اور اس کو شروع کیا ہے کہ یورپ کے علم اور تحریر ہندوستان کے جمِّ غفیر کی رسائی ہو۔"[3]

اس جلسے میں سوسائٹی کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔ دانشوروں نے سوسائٹی کے اغراض و مقاصد کے سلسلے میں اپنی اپنی رائے پیش کی۔ مولوی عبدالحق نے مولانا الطاف حسین

۱۔ مغربی تصانیف کے اُردو تراجم، مولوی میر حسن، مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد (۱۹۳۹ء) ص ۶۷

۲۔ سر سید احمد خاں، مولوی عبدالحق، اُردو مرکز اُردو بازار دہلی (۱۹۶۰ء) ص ۱۳۹

۳۔ سید احمد خاں، خلیق احمد نظامی، پبلیکیشن ڈیویژن پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی (۱۹۷۱ء) ص ۷۱

حالی کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"جو (یعنی سائنٹفک سوسائٹی) اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ لٹریری اور علمی کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرا کر مغربی لٹریچر اور مغربی علوم کا مذاق اہلِ وطن میں پیدا کیا جائے، علمی مضامین پر لیکچر دیے جائیں، رعایا کے خیالات کو گورنمنٹ پر اور گورنمنٹ کے اصولِ حکمرانی رعایا پر ایک ایسے اخبار کے ذریعے سے ظاہر کیے جائیں جو اُردو انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوا کرے۔ ہندو، مسلمان اور انگریز تینوں قوموں کے ممبر اس میں شامل کئے جائیں اور اس طرح قومی مغائرت اور مذہبی تعصبات اور جو جھجک ہندوستانیوں کے دلوں میں انگریزوں کی طرف سے ہے اس کو کم کیا جائے۔"[۱]

پہلے ہی جلسے میں یہ بھی طے پایا تھا کہ اس انجمن کا نام سائنٹفک سوسائٹی ہوگا، لیکن کچھ ہی دنوں بعد چند افراد اس بات پر مُصر ہو گیے کہ یہ نام غلط تجویز کیا گیا ہے اور اس کو تبدیل کیا جائے۔ ۱۱ اپریل ۱۸۶۴ء کے جلسے میں اس کا نام "علمی سوسائٹی" تجویز کیا گیا، لیکن پہلا نام اس قدر مقبول ہو چکا تھا کہ اسے اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ سوسائٹی کے مقاصد کے بارے میں مولوی عبدالحق نے مندرجہ ذیل عبارت تحریر کی ہے:

"(۱) ان علوم و فنون کی کتابوں کا جن کو انگریزی زبان میں یا یورپ کی کسی زبان میں ہونے کے سبب ہندوستانی نہیں سمجھ سکتے، ایسی زبانوں میں ترجمہ جو ہندوستانیوں کے عام استعمال میں ہو۔

(۲) جب کبھی سوسائٹی مناسب سمجھے تو کوئی ایسا اخبار یا گزٹ یا روزنامچہ یا میگزین وغیرہ چھاپ کر مشتہر کرنا جس سے ہندوستانیوں کے فہم و فراست کی ترقی مقصود ہو۔

(۳) ایشیا کے قدیم مصنفوں کی کمیاب اور نفیس کتابوں کو تلاش کر کے بہم پہونچانا اور چھپوانا۔"[۲]

۱۔ سرسید احمد خاں، مولوی عبدالحق، اردو مرکز اردو بازار دہلی ستمبر (۱۹۶۰ء) ص ۱۴۰

۲۔ سرسید احمد خاں، مولوی عبدالحق، اردو مرکز اردو بازار دہلی ستمبر (۱۹۶۰ء) ص ۱۴۱

اس کے علاوہ دستور میں مذہبی تعصبات اور نظریات کے سبب یہ بھی منظور کیا گیا تھا:

"سوسائٹی کو مذہبی کتابوں سے سروکار نہ ہوگا"[۱]

سوسائٹی کے پہلے اجلاس میں ہی اتفاقِ رائے سے یہ بھی تجویز کیا گیا تھا کہ اس کی تالیفات طبع ہو جانے پر ممبروں کو بلا قیمت پیش کی جائیں گی:

"جو کچھ سوسائٹی چھاپے اس کے بارہ نسخے کتب خانے میں رکھے جاویں گے اور ہر ممبر کو اس کا ایک نسخہ بلا قیمت دیا جائے گا اور باقی نسخوں کو بموجب قواعد مقررہ کے کونسل کے کارپرداز فروخت کیا کریں گے"[۲]

سوسائٹی کے کتب خانے کے سلسلے میں بھی ایک تجویز پاس کی گئی تھی جس کے ذریعے کتب خانے میں کتابوں کے اضافے کا مقصد کارفرما تھا۔ اس سوسائٹی کے ممبران کی تعداد تھوڑی ہی مدت میں کافی ہو چکی تھی اس لئے اس کے ممبران غیر محدود ہی رکھے گئے تاکہ سوسائٹی کو زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل رہے ہر ممبر سے دو روپیہ ماہانہ چندہ مقرر کیا گیا اور جنرل باڈی کے علاوہ ممبران کی ذیلی کمیٹیاں قائم کی گئیں جو مفید کتابوں کے تراجم کے سلسلے میں مشورہ دیتی تھیں۔

۶؍جون ۱۸۶۴ء کی میٹنگ میں سوسائٹی کی "علمی مجلس" نے سینتیس[۳۷] کتابوں کا ترجمہ و تالیف اور ترتیب کی منظوری کا اعلان کیا تھا ان میں سے سائنسی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کورین کی کتاب "بھاپ کی کلوں کا ترجمہ"
(۲) جغرافیہ کی ایک مکمل کتاب کی ترتیب۔
(۳) آلاتِ کاشت کاری کے بیان میں ایک مکمل کتاب۔
(۴) بیسکلول کی کتاب "اثر کہربائی" کا ترجمہ۔
(۵) جان فلپس کی کتاب "جیولوجی" کا ترجمہ۔

۱۔ سرسید احمد خاں ایک سیاسی مطالعہ، عتیق صدیقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی (۱۹۷۷ء) ص ۵۵

۲۔ سرسید کی صحافت، اصغر عباس، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی (۱۹۷۵ء) ص ۲۶۶

(۶) لائبی کی کتاب "علم فلاحت" کا ترجمہ۔
(۷) جے جے گریفن کی مشہور کتاب "علمِ طبیعات" کا ترجمہ۔
(۸) کیول کی کتاب "حکمتِ قدرت" کے اہم حصوں کا ترجمہ۔
(۹) کے ویل کی کتاب "علم ہیئت" کا ترجمہ۔
(۱۰) ملر کی مشہور کتاب "پہاڑوں کی شہادت" کا ترجمہ۔
(۱۱) رسالہ علم فلاحت یعنی کاشت کاری مصنفہ رابرٹ اسکاٹ برن صاحب۔
(۱۲) رسالہ نیچرل فلاسفی مصنفہ چارلس ٹامسن۔
(۱۳) رسالہ علم آب و ہوا مصنفہ چارلس ٹامسن۔
(۱۴) رسالہ جرثقیل، مصنفہ چارلس ٹامسن۔
(۱۵) رسالہ علم قوتِ برقی، مصنفہ چارلس ٹامسن۔" [۱]

مولوی عبد اللطیف خاں بہادر (کلکتہ) نے جو سائٹی کے ابتدائی ممبروں میں سے تھے ۸ جنوری ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں اٹھارہ [۱۸] کتابوں کے ترجمے شائع کرنے کی تجویز پیش کی ان میں سائنسی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) رسالہ ہیئت اور علم جہاز رانی۔
(۲) رابرٹ سن اور پرسکٹ صاحب کا رسالہ درباب تحقیق ہونے امریکہ یعنی نئی دُنیا کے۔
(۳) رسالہ درباب سڑک ریل۔
(۴) ایک پرالیس صاحب کا رسالہ درباب فن فوٹوگرافی یعنی سورج کے عکس سے تصویر کھینچنے کا فن۔
(۵) کانب صاحب کا رسالہ درباب ترکیب جسم انسانی کے۔
(۶) ڈاکٹر اے. کاتب صاحب کی طبیعات متعلقہ تندرستی اور تعلیم کے۔
(۷) ڈاکٹر جارج ولسٹر صاحب کا رسالہ درباب تار برقی کے۔
(۸) رسالہ استعمال بجلی متعلقہ ملمّع کرنے کے" [۲]

۱۔ سر سید احمد خاں، مولوی عبد الحق، اردو مرکز اردو بازار دہلی ستمبر (۱۹۶۰ء) ص ۱۴۷

۲۔ سائنٹفک سوسائٹی نشاتِ ثانیہ، خلیق احمد نظامی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۵ ر اگست (۱۹۶۹ء) ص ۱۷

سائنٹفک سوسائٹی کی عمر ابھی صرف ایک سال کے قریب ہی تھی کہ سرسید احمد خاں کا تبادلہ غازی پور سے علی گڑھ ہو گیا اور سوسائٹی بھی اپنے جملہ ساز و سامان کے ساتھ علی گڑھ منتقل ہو گئی۔ علی گڑھ پہنچ کر بھی سرسید نے سوسائٹی میں پوری دلچسپی برقرار رکھی اور تقریباً تیس ہزار کے کثیر صرفے سے اس سوسائٹی کی عمارت علی گڑھ میں تعمیر کرائی جس کا سنگِ بنیاد لیفٹیننٹ گورنر کے ہاتھوں رکھا گیا۔ لوح پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ کی گئی:

"اوّلیں سنگِ بنیاد ایں مکانِ عالیشان از دستِ مبارک جناب مستطاب معلی القاب آنر۔ ڈریمنڈ صاحب بہادر نواب لیفٹیننٹ گورنر شمال و مغرب نہادہ شد۔ بتاریخ سی ام ماہ۔ — نومبر ۱۸۶۴ء"[۱]

سوسائٹی کے مترجمین اور ملازمین پر پانچ سو روپیہ ماہانہ بجٹ مقرر کیا گیا اس کے علاوہ خود سرسید احمد خاں نے اپنی جیب سے کافی سرمایہ اس سوسائٹی کی عمارت کی آرائش اور مفید کتابوں کے حصول پر خرچ کیا۔ خواجہ الطاف حسین حالی نے "حیات جاوید" میں تحریر کیا ہے:

"علاوہ ڈونیشن اور سالانہ چندے کے اور طرح طرح سے سوسائٹی کو فائدہ پہنچایا۔ اپنا ذاتی پریس جو انہوں نے آٹھ ہزار روپے خرچ کر کے تبئین الکلام کے چھاپنے کو خریدا تھا اور سوسائٹی کی تمام روئیدادیں اور تمام انگریزی اور اردو کاغذات ابتدا سے اسی پریس میں چھپتے تھے۔ جب تبیین الکلام کی چھپائی موقوف ہو گئی تو کل سامان پریس کا ایک جلسۂ عام میں سوسائٹی کو مفت دے دیا۔"[۲]

یہ پریس جس کا تذکرہ الطاف حسین حالی نے کیا ہے ایک جلسے میں سوسائٹی کو پیش کیا گیا۔ اس جلسے میں جارج ہنری لارنس بھی موجود تھے جو اس جلسے کے چیئرمین تھے۔ انہوں

۱۔ سرسید احمد خاں ایک سیاسی مطالعہ، عتیق صدیقی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی (۱۹۷۷ء) ص ۵۶

۲۔ حیات جاوید، الطاف حسین حالی، تاج پبلشنگ ہاؤس جامع مسجد دہلی (۱۹۷۶ء) ص ۱۱۸

نے سرسیّد کی یہ دریادلی دیکھی تو بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں سرسیّد کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ سوسائٹی سیّد احمد خاں کی فیّاضی کی پہلے ہی سے مقروض ہے مگر اب اس احسان کو اس عالی شان عطیے نے اور زیادہ کر دیا ہے۔ سرسیّد احمد خاں کی فیاضانہ روش لوگوں کو براہِ راست متاثر کرتی رہی حالؔی نے اس بارے میں لکھا ہے:

"نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ رئیسہ بھوپال نے جب یہ سُنا کہ سیّد احمد خاں کی کوشش سے ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے سوسائٹی قائم ہوئی ہے تو جون ۱۸۶۶ء میں انہوں نے بطور اظہار خوشنودی ایک الماس کی انگوٹھی قیمتی، ایک ہزار روپیہ خاص سرسیّد کے واسطے بھیجی، سرسیّد نے جلسۂ عام میں وہ انگوٹھی سوسائٹی کے اخراجات کے لیے سوسائٹی کو دیدی۔"[۱]

سرسیّد احمد خاں نے سوسائٹی کی امداد کی غرض سے کلکٹری اور فوجداری کے مختاروں کو قانون پر لیکچر دینا اختیار کیا اور اُن سے جو فیس وہ وصول کرتے تھے سب کی سب سوسائٹی کے تعاون کے طور پر سوسائٹی کو نذر کر دیتے تھے۔

۱۳ر دسمبر ۱۸۶۵ء کو سیّد احمد نے صوبہ شمال ومغرب کو سوسائٹی کی جانب سے ایک یادداشت روانہ کی جس میں زراعت کی کتابوں پر حکومت سے مدد کی درخواست کی گئی تھی اور اس خواہش کا بھی اظہار کیا گیا تھا کہ ایسی کتابوں کے لیے حکومت کچھ سالانہ امداد کا وعدہ کرے تو یہ کتابیں اسے دیدی جائیں گی۔ اس درخواست پر حکومت کی طرف سے تقریباً ایک سال بعد عمل درآمد ہُوا۔ اس بارے میں خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"اگست ۱۹۶۶ء حکومت نے سوسائٹی سے پانچ سو کتابیں خریدنے کی منظوری دی لیکن یہ کتابیں بروقت تیار نہ ہو سکیں کیونکہ سیّد احمد کو اس کے علاوہ وقت کے دوسرے تقاضوں سے بھی عہدہ برآ ہونا تھا۔"[۲]

۱۔ حیاتِ جاوید، الطاف حسین حالؔی، تاج پبلشنگ ہاؤس جامع مسجد دہلی (۱۹۷۶ء) ص ۱۱۸

۲۔ سیّد احمد خاں، خلیق احمد نظامی، پبلیکیشن ڈویژن پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی (۱۹۷۱ء) ص ۷۵

سر سید احمد خاں جیسی بلند قامت شخصیت کے سبب ہی اس سوسائٹی کو دوام حاصل ہوا۔ سر سید سے قبل بہت سے اشخاص نے تعلیمی میدان میں قدم جمانے کی کوشش کی، لیکن اقتصادی دشواریوں کے سبب انہیں وہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو سر سید احمد خاں کے حصّے میں آئی۔ سوسائٹی کے اخراجات کے لیے سرکار، روٴسا، امراء اور حکّام اعلیٰ نے بھی اپنا تعاون دیا۔ سرکار کی طرف سے تین ایکڑ زمین، تین روڈ اور ایک باغ علمِ فلاحت کے تجربات کے لیے دیا گیا۔ سرکار کے علاوہ، مہاراجہ کپور تھلہ، مہاراجہ جے پور، نواب رام پور، اور مہاراجہ جودھپور نے اس سوسائٹی کے لئے سالانہ وظائف مقرر کیے۔ وائسرائے اور گورنروں نے بھی اس کے لیے چندے دیے۔ بقول مولوی عبدالحق:

> "مسٹر ڈرمنڈ لفٹنٹ گورنر شمال مغرب اور مکلوڈ لفٹنٹ گورنر پنجاب نے بھی چندے دیے، نواب کلب علی خاں نے ایک بارہ سو روپے کی نقرئی کرسی سوسائٹی کو دی۔ مہاراجہ الور، مہاراجہ اندور اور نواب ٹونک نے عطیات دیے۔ مہاراجہ بنارس کو بھی اس سے خاص دلچسپی تھی۔ عنایت اللہ خاں رئیس بھیکم پور نے دو سو روپے تعمیر چاہ (کنویں کی تعمیر) کے لیے دیئے۔ سر آکلنڈ کالون مسٹر سبیٹ کلکٹر میرٹھ اور مسٹر کیمسن ڈائریکٹر تعلیمات بھی اس کے بڑے معاون تھے۔" [۱]

سائنٹفک سوسائٹی کا کام صرف ترجمہ کرنے تک ہی محدود نہ تھا بلکہ سائنسی تجربات عوام کے سامنے کرکے دکھائے جاتے تھے۔ سادہ لوح عوام جو سائنسی تجربات کو حیرت اور دلچسپی کے ساتھ دیکھتے اس کا تذکرہ دوسروں سے بھی کرتے تھے لوگوں میں ایسے نادر الوجود تجربات دیکھ کر سائنس کی اہمیت اور اس کی ضرورت کا شعور پیدا ہوتا۔ اس سلسلے میں مولوی میر حسن صاحب کی کتاب کا یہ اقتباس قابلِ توجّہ ہے:

> "سائنٹفک سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ہر مہینہ متعدد علمی جلسے منعقد ہوتے تھے

۱- سر سید احمد خاں حالات و افکار، عبدالحق، اردو مرکز اردو بازار دہلی (۱۹۶۰ء) ص ۴۶

جن میں اراکین نئے نئے علمی موضوعوں پر تقریریں کرتے تھے۔ ایک سائنسداں جس کا نام کلکلی تھا اس سوسائٹی کے زیر اہتمام ہر مہینہ ایک تقریر کر کے مختلف حکمی تجربوں کا مظاہرہ کیا کرتا تھا۔" [1]

سر سید احمد خاں کا مقصد تعلیم کے ذریعے تالیفِ قلوب اور تربیتِ ذہن تھا اور وہ سارے ہندوستانیوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اُس اُجالے کی طرف توجہ دلانا چاہتے تھے، جس سے مغربی عوام فیض یاب ہو رہے تھے۔

۳۰ مارچ ۱۸۶۶ء میں سائنٹفک سوسائٹی کی طرف سے ایک ہفت روزہ "اخبار سین ٹیفک سوسیٹی" یا "انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کا اجرا ہوا۔ شروع میں سر سید نے اس میں سیاسی موضوعات پر مضامین اور تبصرے شائع کیے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ سائنٹفک سوسائٹی کے جلسوں کی روئیداد اور سائنسی مضامین بھی اس میں شائع ہونے لگے۔

اخبار میں ایک جلسے کی روئیداد پڑھنے پر یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ اس سوسائٹی کے سلسلے میں سر سید احمد خاں کے چھوٹے بیٹے سید محمود نے بھی حصّہ لیا۔ ملاحظہ ہو اخبار مذکور کا یہ اقتباس جو سید محمود کے انگریزی خطبے سے ماخوذ ہے:

"اگرچہ ہماری سوسیٹی کا مقام اس ضلع میں صرف ایک ہی برس سے ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اس عرصے میں ہم سب صاحبوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوا ہوگا لیکن جو کچھ فائدے اب تک حاصل ہوئے ہیں وہ ان فائدوں کی بہ نسبت کچھ بھی نہیں ہیں جو اُن لیکچروں میں آنے سے جو اس مکان میں مختلف مضمونوں پر دیے جاویں گے اور ایسی ایسی کلوں، مثل گیس کی کل اور بجلی کی کل وغیرہ کے بخوبی دیکھنے اور ان کے تجربہ کرنے سے ہوں گے۔" [2]

۱۔ مغربی تصانیف کے اردو تراجم، مولوی میر حسن، مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد (۱۹۳۹ء) ص ۶۸

۲۔ اخبار سین ٹیفک سوسیٹی علی گڑھ ۳۰ مارچ (۱۸۶۶ء) ص ۹ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

اخبار میں سرسید کی علم و ادب کی خدمات پر طلائی طمغہ ملنے کی خبر بھی شائع ہوئی تھی جس میں لکھا تھا :

"عطا کیا ہوا ویسرائے ہندوستان کا دربارِ عام میں سید احمد کو جو ایک خیر خواہ اور عمدہ ملازم ملکہ معظمہ ہیں۔ بعوض اُن کے پے در پے اور کامیاب کوششوں کے درباب پھیلانے روشنی علم و ہُنر کے اپنے ہم وطنوں میں مقام آگرہ ۲۰ر نومبر ۱۸٦٦ء"۔[1]

اخبارِ مذکور کا ایک کالم اردو میں اور ایک انگریزی میں ہوتا تھا۔ اس میں سوشل، اخلاقی، پولٹیکل اور سائنسی مضامین کے علاوہ معتبر خبریں بھی چھاپی جاتی تھیں۔ ایک خاصیت اس اخبار کی یہ بھی تھی کہ اس میں کسی قوم یا فرقے یا کسی فرد کے خلاف دلآزار مضامین کبھی نہیں چھپے یہ اخبار بتیس۳۲ برس تک برابر جاری رہا۔ آزاد لائبریری علی گڑھ میں ۱۸٦٦ء سے ۱۹۲۵ء تک کی جلدیں موجود ہیں۔ اس کی پریس لائن جو اخبار کے آخری صفحہ پر دی جاتی تھی اس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے :

"بمقام علی گڑھ سید احمد پرائیویٹ پریس میں چھپ کر باہتمام منشی محمد یار خاں مشتہر ہوا"۔[2]

۱۵ر اگست ۱۸٦۷ء کو سرسید احمد خاں علی گڑھ سے عہدۂ جج اسمال کاز کورٹ کی ترقی پر فائز ہو کر بنارس چلے گئے۔ یہاں سے چلتے وقت سائنٹفک سوسائٹی کی سربراہی راجہ جے کشن داس کو سونپ گئے جو اُس وقت علی گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر مامور تھے۔ انہوں نے نہایت توجہ اور دلسوزی کے ساتھ سوسائٹی کی خدمت کی اور سوسائٹی کی جو عمارتیں نامکمل رہ گئی تھیں اُن کی تعمیر اُن ہی کے زیرِ نگرانی تکمیل تک پہنچی۔ سرسید احمد خاں کے بنارس جانے کے باوجود بھی سوسائٹی کا کام نہ رُکا۔ خود سرسید اپنے مضامین سوسائٹی کے اخبار کے لیے روانہ کرتے رہے اور اس کی سرپرستی کرتے رہے۔ بنارس

۱۔ اخبار سینٹیفک سوسئٹی علی گڑھ ۲۲ر فروری (۱۸٦۷ء) ص ۹ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

۲۔ اخبار سینٹیفک سوسئٹی علی گڑھ ۳۰ر مارچ (۱۸٦٦ء) ص ۱۲۸ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

جانے کے بعد سر سید نے سوسائٹی کے سیکریٹری راجہ جے کشن داس کو خط لکھا اور اس میں ہدایتیں تحریر کیں:

"جناب من!... آپ کی چٹھی نمبر ۳۲ - ۱۸۶۷ء مشعر استفسار اس امر کے میرے پاس پہنچی کہ آیا سینٹیفک سوسائٹی میرے چھاپہ خانہ کو علاوہ اپنے خاص کام کے اور شخصوں کے واسطے کسی کام کے چھاپنے کے لیے استعمال میں لا سکتی ہے یا نہیں اور میں بجواب اس کے نہایت خوشی سے عرض کرتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ جو کام سوسیٹی کے واسطے کیا جاتا ہے، اس کے عوض میں سوسیٹی ماہواری تنخواہ عملہ کی دیتی ہے اور جو اتفاقیہ اخراجات بابت چھاپہ خانے کے مجھ پر عائد ہوتے ہیں وہ بھی ادا کرتی ہے۔ اور میں اس سے زیادہ سوسیٹی سے کچھ نہیں لیتا ہوں اس صورت میں مجھ کو کوئی عذر اس بات میں نظر نہیں آتا کہ سوسیٹی اپنے واسطے اور نیز اور شخصوں کے واسطے کاغذات چھپوائے۔ مگر اس شرط پر کہ جو کچھ منافع بعد ضروری خرچ میرے چھاپہ خانہ کو ہو وہ سوسیٹی کے کام آوے۔"

آپ کا صادق دوست

مقام بنارس ۱۸ / اگست ۱۸۶۷ء

سید احمد" [۱]

سر سید نے بہت سے خطوط لکھے جو تہذیب الاخلاق اور اخبار سینٹیفک سوسیٹی میں طبع ہوئے ہیں۔ سر سید کہیں بھی رہے انہوں نے جو ادارہ قائم کیا اس سے بے رُخی اور بے توجہی کبھی نہیں برتی۔ بنارس ہو یا لندن وہ اپنے اِداروں کی خبریں وصول کرتے رہے اور حسب ضرورت اپنے قیمتی مشوروں سے بھی ان اِداروں کو نوازتے رہے۔

۱۸۶۷ء میں سر سید احمد خاں دسہرہ کی تعطیل میں بنارس سے علی گڑھ پہنچے تو ضلع علی گڑھ کے زمین داروں سے انہوں نے سوسائٹی کی مستقل آمدنی کے سلسلے میں مشورہ طلب کیا۔ بہت سے زمین داروں نے تجویز پیش کی:

۱۔ مکاتیب سر سید احمد خاں، مرتبہ مشتاق حسین، فرینڈس بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۱۹۶۰ء) ص ۱۳

"اس ضلع کے تمام دیہات سے کم از کم ایک روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لیے سوسائٹی کے قیام کے لیے مقرر کیا جائے اور اس کی شرائط واجب العرض میں بروقت بندوبست کے درج ہو جائیں تاکہ نسلاً بعد نسلاً ہمارے وارثوں میں سے کوئی عذر نہ کرنے پائے"۔[۱]

اس تجویز کے پیشِ نظر سرسید نے ایک درخواست ہنری لارنس کلکٹر ضلع علی گڑھ کو بھیجی جس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ کلکٹر نے وہ درخواست اور حبابہ کا غذات تصدیق کر کے گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹری کو بھیجدیئے۔ ۱۸ر اکتوبر ۱۸۶۷ء کو ایک خط کے ذریعے سیکریٹری کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ وائسرائے نے درخواست پر رضامندی ظاہر کی ہے۔

۹ر مئی ۱۸۶۸ء کو لیفٹیننٹ گورنر شمال ومغرب سر ولیم میور کی خدمت میں سوسائٹی نے سپاس نامہ پیش کیا اور سوسائٹی کی امداد کے لئے درخواست کی۔ سر ولیم میور نے سوسائٹی کی کتابوں پر گورنمنٹ کی امداد کا وعدہ کیا جس کے نتیجے میں ۲۶ر اگست ۱۸۶۰ء کو گورنمنٹ شمال ومغرب نے دیسی کتابوں پر انعام دینے کا اعلان کیا اگرچہ زیادہ کتابوں پر انعامات نہیں دیے گیے لیکن اس اعلان سے لوگوں میں ایک طرح کا حوصلہ پیدا ہوا خصوصاً ہندوستان کے وہ مصنفین متوجہ ہوئے جو سوسائٹی سے اب تک سرد مہری برت رہے تھے۔ یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو سرسید احمد خاں بنارس سے لندن روانہ ہوئے اور سوسائٹی کی سربراہی کا فرض راجہ جے کشن داس بدستور انجام دیتے رہے۔ سرسید احمد خاں کا یہ سفر تعلیمی رجحانات کی تشکیل میں معاون ثابت ہوا۔

۱۵ر اکتوبر ۱۸۶۹ء کو سرسید احمد خاں نے ایک خط میں راجہ جے کشن داس کو لندن کے تمام حالات سے بالتفصیل مطلع کیا۔ جس میں مکانات، میوزیم، کارخانوں لوگوں کے علمی رجحانات، شائستگی وشرافت اور ان کے طور طریقوں کا ذکر کیا ہے

۱۔ سرسید احمد خاں حالات وافکار، مولوی عبدالحق، اردو مرکز اردو بازار دہلی ۱۹۶۰ء، ص ۱۴۸

اس خط میں سوسائٹی سے متعلق دوسرے معاملات کا بھی تذکرہ ملتا ہے جس سے ان کے کمالِ انہماک کا اندازہ ہوتا ہے:

"مجھ کو سوسیٹی کے قرضہ کا بہت رنج ہے۔ میں نے جو بنارس سے سوسیٹی کے لئے فوّارہ کا حوض تیار کرا کے بھیجا ہے، اس کا حساب میں آپ کو بھیج آیا تھا اور شاید کئی سو روپیہ میرا فاضل بذمّہ سوسیٹی بابت لاگت حوض کے تھا۔ آپ نے جو حساب قرضۂ سوسیٹی کا مرتب کیا ہے اس میں وہ رقم بھی داخل ہے یا نہیں اگر داخل ہو تو میں چاہتا ہوں کہ بقدر رقم مذکورہ میری طرف ڈونیشن سوسیٹی کے حساب میں جمع کیجئے اور اس رقم کو قرضہ کے ادا میں خرچ میں ڈال لیجیے غرضیکہ جس قدر میرا روپیہ بطور قرض بابت لاگت حوض سوسیٹی کے ذمّہ میں لینا ہے، اس کا جمع خرچ برابر کر دیجیے، زیادہ نیاز

از مقام لندن — عاجز آپ کا تابعدار

۱۵ر اکتوبر ۱۸۶۹ء — سیّد احمد"[1]

لندن میں قیام کے دوران سرسیّد وہاں کے نظامِ تعلیم سے بہت متاثر ہوتے۔ قیام کے دوران ہی محسن الملک کے پاس اپیل بھیجی۔

۲ر اکتوبر ۱۸۷۰ء کو سرسیّد احمد خاں لندن سے بمبئی پہنچے اور اسی ماہ بنارس پہنچ کر اپنے عہدے کا چارج لیا اور مسلمانوں کے تعلیمی منصوبے کو عملی شکل دینے کے لئے جدّوجہد کا آغاز کیا۔ اب اُن کے تعلیمی نظریات بدل چکے تھے خصوصاً مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لئے اب وہ مذہبی سطح پر ایک ایسے ادارے کی بنیاد کے خواہاں تھے جہاں نظریاتی اور فکری طور پر ذہنوں کی اصلاح کا کام کیا جا سکے۔

دسمبر ۱۸۷۰ء میں اسی فکری نظریے کی اشاعت کے لئے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا جس کا نام تہذیب الاخلاق رکھا گیا۔

۱۔ مکاتیبِ سرسیّد احمد خاں، مرتبہ مشتاق حسین، فرنڈس بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۱۹۶۰ء) ص ۳۶

۲۶ر فروری ۱۸۷۱ء میں سر سیّد احمد خاں نے بنارس سے ایڈیٹر کے نام ایک خط لکھا جو اخبار سائنٹفک سوسائٹی کے ۳ر مارچ ۱۸۷۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اس میں سر سیّد نے لکھا تھا:

"مکرمی ایڈیٹر اخبار سین ٹیفک سوسیٹی علی گڑھ۔ سلامت!۔ جو لوگ اس بات کی وجہ پوچھتے ہیں کہ کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے رسالہ ہائے انعامی میں تعداد صفحات کی قید کیوں لگائی ہے اور اس شرط کی منسوخی کے خواہاں ہیں ان کو مطلع فرمایئے کہ وہ شرط منسوخ نہیں ہو سکتی، ہمیشہ قائم رہے گی"۔[۱]

سر سیّد احمد خاں نے ایک اور اہم خط سوسائٹی کے سیکریٹری راجہ جے کشن داس کو سوسائٹی کے بارے میں لکھا، جس میں سوسائٹی سے متعلق ہدایات بھی دی گئی ہیں یہ طویل خط ۲۱ر جنوری ۱۸۷۲ء کو بنارس سے لوگوں کی شکایات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے لکھا گیا تھا۔ خط کا اقتباس درج ذیل ہے:

"میرے نزدیک مناسب ہے کہ قانون سوسیٹی میں از سر نو اصلاح و ترمیم کی جاوے تاکہ کسی ممبر کو جائے شکایت باقی نہ رہے اور جن چیزوں کی مَیں ترمیم چاہتا ہوں وہ مفصلہ ذیل ہیں:

اوّل یہ کہ سوسیٹی کو جس میں بہت بڑا کتب خانہ اور عمدہ چھاپہ خانہ اور مکانات اور آلات علمی کثیر المالیت موجود ہیں اس کو بموجب ایکٹ ۲۱-۱۸۶۰ء کے رجسٹری کرا دیجیے تاکہ آئندہ ان تمام چیزوں کی حفاظت لائق اطمینان کے ہو جاوے۔

دوسرے یہ کہ چندۂ ممبری جو چوبیس روپیہ سال لیا جاتا ہے وہ گھٹا کر اٹھارہ روپیہ سالانہ کر دیا جاوے اور جو شخص اٹھارہ روپیہ سالانہ اور

۱۔ اخبار سین ٹیفک سوسائٹی علی گڑھ مورخہ ۳ر مارچ (۱۸۷۱ء) ص ۱۳۵ (آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

محصول اخبار دیوے وہ ممبر سوسیٹی کا متصور ہو اور اخبار بعوض اس چندہ کے اس کو ملا کرے۔

تیسرے یہ کہ ہرگاہ ممبروں سے چندہ بجز قیمت اخبار و محصول اخبار کے کچھ نہ لیا جاوے گا تو اُن کو بجز اخبار کے اور کسی کاغذ یا کتاب کا جو سوسیٹی چھاپے گی، بلاقیمت ملنے کا کچھ... استحقاق نہ ہوگا۔

چوتھے یہ کہ سوسیٹی تا مقدور اپنے اور جہاں تک ممکن ہوگا وہ بدستور کتابوں کے ترجمہ کرنے اور چھاپنے میں کوشش کرے گی اور جو کتاب چھپ کر تیار ہوگی اس کا اشتہار معہ قیمت اخبار میں دیا جاوے گا۔ اور جو ممبر یا شخص غیر اس کتاب کی قیمت دے گا اس کو وہ کتاب دی جاوے گی۔ اس صورت میں ممبر کتابوں کو خرید لیں گے۔ ان کے پاس وہ کتاب بھی ہو جاوے گی اور ان کو تخفیف بھی ہو گی"۔[۱]

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید نے ممبرانِ سوسائٹی کی شکایت پر یہ ہدایت جاری کیں۔ وہ ممبروں کو بھی خوش رکھنا چاہتے تھے کہ جن کے سبب یہ ادارہ ترقی کر رہا تھا اور ادارے کے فائدے کے بھی خواہاں تھے آگے وہ اسی خط میں سوسائٹی کی ترقی کے لئے آرزومند ہیں لکھتے ہیں:

"چھاپہ خانہ کی آمدنی کو کسی تدبیر سے اور زیادہ ترقی دی جاوے تاکہ اخراجات سوسیٹی، سوسیٹی کی آمدنی مستقل اس کے پاس ہو جاوے اور جو نقصان کہ سوسیٹی کو تخفیف کر دینے زرِ چندہ ممبری ہوگا وہ اضافہ آمدنی چھاپہ خانہ اور قیمتِ کتب سے جو ممبر و غیر ممبر خریدیں گے، پورا ہو جاوے گا"۔[۲]

سرسید نے مندرجہ بالا خط کو اخبار میں بجنسہٖ چھاپنے کی تاکید کے علاوہ یہ ہدایت بھی

۱۔ اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ ۲۷ جون (۱۸۷۳ء) ص ۱۱۴ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

۲۔ اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ ۲۷ جون (۱۸۷۳ء) ص ۱۱۴ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

تحریر کی تھی کہ خط کے شائع ہو جانے کے بعد کمیٹی کا اجلاس بلا کر ان ہدایتوں پر غور کر لیا جائے۔

راجہ جے کشن داس نے ہمیشہ سرسید احمد خاں کی ہدایتوں پر عمل کیا اور سوسائٹی کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں اور سرسیّد کی علمی کوششوں کے لیے اپنے بھرپور تعاون سے نوازا۔ جب تک وہ علی گڑھ میں رہے سوسائٹی کی سربراہی اور سرپرستی کرتے رہے علی گڑھ سے تبادلہ ہو جانے کے بعد مولوی سمیع اللہ کو سوسائٹی کا سیکریٹری بنایا گیا، مولوی سمیع اللہ بھی انھیں راستوں پر گامزن رہے جن کی نشاندہی راجہ جے کشن داس کر گئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیے:

"۲۲ر مئی ۱۸۷۵ء کو ملکہ وکٹوریہ کی سالگرہ کے موقع پر ایک مقتدر مجمع کے آگے علی گڑھ کالج کی رسمِ افتتاحیہ ادا کی گئی۔ علی گڑھ اخبار کی ۲۸،۲۰ر مئی کی اشاعت میں اس جلسے کی تفصیل شائع ہوئی ہے۔ اس کی صدارت علی گڑھ کے ڈپٹی کلکٹر مولوی محمد کریم نے کی بعد ازاں سائنٹفک سوسائٹی کے سیکریٹری مولوی سمیع اللہ خاں نے کالج کے اغراض و مقاصد بیان کیے"۔[۱]

سوسائٹی کے عہدیداران علی گڑھ کالج کے سلسلے میں زیادہ سرگرم تھے جس کی وجہ سے سوسائٹی کی طرف وہ توجہ نہ رہی جو اس کے ابتدائی مرحلوں اور راجہ جے کشن داس کے عہدِ نظامت میں تھی۔ اس طرح ۱۸۷۷ء تک تقریباً پندرہ سال تک یہ سوسائٹی قائم رہی سرسید احمد خاں اور سوسائٹی کے اراکین کالج کی ترقی کے کاموں اور جدّوجہد میں مصروف ہو گیے اس طرح سوسائٹی کا کام رک گیا۔

سائنٹفک سوسائٹی نے پندرہ سال کے عرصے میں جو نمایاں کامیابی حاصل کی اس کے فائدے نہ صرف شمالی ہندوستان بلکہ ملک کے دوسرے حصّوں تک پہنچے۔ سوسائٹی سے پہلے ہندوستان میں کوئی ایسا ادارہ نہ تھا جو سائنسی کاموں میں اس قدر مخلص رہا ہو۔ اس سوسائٹی کی تحریک پر متعدّد انجمنیں اور ادارے وجود میں آئے بہار میں

۱۔ مقالات گارساں دتاسی حصّہ دوم، انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی (۱۹۴۳ء) ص ۱۷۳

سائنٹفک سوسائٹی کے زیر اثر ایک ادارہ ۱۸۶۴ء میں قائم ہوا اور اس کا نام بھی سائنٹفک سوسائٹی رکھا گیا جس کا صدر مقام مظفر پور تھا۔ اس ادارے نے سب سے پہلے ایک پندرہ روزہ اخبار جاری کیا۔ جس کا نام اخبار الاخبار رکھا جو پابندی سے شائع ہوتا رہا۔

بہار کی سائنٹفک سوسائٹی کا الحاق علی گڑھ کی سوسائٹی سے تھا اور اسی کے تعاون اور اشتراک سے اس نے سائنس کے موضوع سے متعلق اپنے یہاں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور ابتدا میں اس نے تقریباً پانچ کتابیں شائع کیں اور زیر ترجمہ کتابوں کی تعداد بھی خاصی تھی، علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی کی طرح بہار سوسائٹی نے بھی جدّ و جہد اور کوششوں کے ذریعے سائنس کو مقبولِ عام بنانے اور لوگوں کا تعاون حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور اس کے ممبران بھی کافی تعداد میں اس کی سرپرستی پر آمادہ ہو گئے۔

بہار کی سائنٹفک سوسائٹی کے علاوہ، علی گڑھ سوسائٹی کے اخبار کا اُردو اور دوسری دیسی زبانوں کے اخبارات پر بھی کافی اثر پڑا اور ان میں بھی علمی مضامین کی اشاعت باقاعدہ طور پر ہونے لگی۔

سائنٹفک سوسائٹی کے زیر اہتمام سائنس کے خطبات کے علاوہ متعدد علمی تجربے کیے گئے اس ضمن میں مولوی عبد الحق کی مندرجہ ذیل تحریر قابلِ توجہ ہے:

"...علم فلاحت کے اصول کے مطابق سوسائٹی کے باغ میں گیہوں بویا گیا اور جب تیار ہو گیا تو جلسے میں اس کا نمونہ دکھایا گیا۔ ایک ایک دانہ میں ساٹھ ساٹھ ستّر ستّر شاخیں نکلیں اور بعض میں سو سے بھی زیادہ پھوٹ کر مثل پودے کے جھنڈ کے ہو گیا تھا۔ پودے کا ۴ فٹ ۸ انچ اور بال معہ تور کے ایک انچ لمبی تھی۔ نَو قسم کے گیہوں لندن سے منگائے، خود سرسید نے ایک ایک دانہ بونے کے لیے ایک آہنی نلی ایجاد کی اور علمِ فلاحت پر

ایک رسالہ لکھنا شروع کیا۔[1]

سائنٹفک سوسائٹی کے زیر اہتمام تقریباً بینتیس کتابیں انگریزی سے اُردو میں ترجمہ ہوئیں لیکن وہ سب آج کل نایاب ہیں۔ بہت سے نام حوالوں اور تذکروں میں موجود ہیں۔ اُن میں بھی چند کتابیں ہی دستیاب ہوئی ہیں۔ اخبارات میں، اخبار سائنٹفک سوسائٹی یا علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور تہذیب الاخلاق میں سائنس سے متعلق مضامین طبع ہوئے ہیں۔

سوسائٹی سے شائع ہونے والی کتابوں نے نہ صرف جدید علوم کے ترجموں اور طبع زاد کتابوں کے لئے دروازہ کھولا، بلکہ اس کا بالواسطہ یہ اثر بھی ہوا کہ اُردو نثر مبالغے، رنگینی اور طول بیانی سے بچ کر اختصار، استدلال اور وضاحت کی طرف مائل ہوئی۔

اخبار سائنٹی فِک سوسائٹی یا علی گڑھ گزٹ

۳۰ر مارچ ۱۸۶۶ء کو اس ہفت روزہ اخبار کا اجرا عمل میں آیا جو ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس اخبار کا متن اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوا ہے۔ اس میں سوسائٹی سے متعلق خبریں اور تجربوں کی رپورٹوں کے علاوہ اہم سیاسی خبریں بھی طبع ہوئی ہیں۔ جن کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اپنی طرف سے بھی تبصرے لکھے گیے ہیں۔ آخر میں انگریزی میں اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے جس سے خبر ماخوذ ہے۔ اخبار مذکور میں آخری صفحے پر اشتہارات بھی دیئے گیے ہیں۔

سرورق پر "اخبار سینٹیفک سوسئیٹی علی گڑھ" اردو میں اور اس کے ساتھ انگریزی میں نام تحریر ہے۔ اخبار کے نام کے نیچے اُردو اور اس کے بعد انگریزی میں مندرجہ ذیل عبارت لکھی جاتی رہی ہے:

"LIBERTY OF THE PRESS IS A PROMINENT DUTY OF THE GOVT.

AND A NATURAL RIGHT OF SUBJECTS"

۱۔ سر سید احمد خاں حالات و افکار، مولوی عبدالحق، اردو مرکز اردو بازار دہلی (۱۹۶۰ء) ص ۱۴۹

" آزادی چھاپہ کی ایک بڑا فرض گورنمنٹ کا در اصلی اور جبلی حق رعیت کا "
زیر نظر اخبار میں " اطلاع " کے عنوان سے اردو اور انگریزی میں یہ خبر دی گئی ہے:

" یہ اخبار سین ٹیفک سوسیٹی علی گڑھ سے ہفتہ وار جاری ہوتا ہے قیمت اس کی حسب تفصیل ذیل ہے، مگر جو لوگ سین ٹیفک سوسیٹی کے ممبر ہیں ان کو بلا قیمت ملتا ہے۔

سالانہ قیمت اخبار ...... ۱۲ روپیہ

سالانہ محصول .... ۳ روپیہ

جو لوگ ہماری سوسائٹی کے ممبر ہوتے ہیں ان کو چوبیس (۲۴) روپیہ سالا دینا پڑتا ہے اور کل کتابیں اور اخبار جو سوسیٹی چھاپتی ہے بلا قیمت اُن کو ملتی ہے " [۱]

۲۳ اگست ۱۸۶۶ء کے شمارہ میں سائنس کے موضوع سے متعلق ایک خبر شائع ہوئی ہے لکھا ہے:

ایک نئی روشنی ایجاد ہوتی ہے

پروفیسر کارلیوبرس صاحب ساکن جنیوا نے ایک نئی روشنی ایجاد کی ہے اور اس کا نام ان ہی کے نام پر کارلیوبرس روشنی ٹھہرا ہے ماہ گذشتہ کے آخر میں ٹکنی کل انسٹی ٹیوشن کے تماشہ گاہ میں جو اس کا تجربہ ہوا۔ اس میں بڑی کامیابی ہوئی اور اس روشنی کی بڑی تعریف کی گئی یہ روشنی آکسیجن اور ہائیڈروجن اور میگنیزیا سے مرکّب ہوتی ہے " [۲]

"HINDOO PATRIOT - JULY 30, 1866"

---

۱ - اخبار سین ٹیفک سوسیٹی علی گڑھ جلد ۱، ۱۶ اپریل (۱۸۶۶ء) روز جمعہ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

۲ - اخبار سین ٹیفک سوسیٹی علی گڑھ جلد ۱، ۲۳ اگست (۱۸۶۶ء) شمارہ نمبر ۲۲ ص ۳۵۵ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

۱۵ فروری ۱۸۶۷ء کے اخبار میں صفحہ ۱۰۵ پر سائنس سے متعلق ایک اور قابلِ توجہ مضمون کی سُرخی "علم کیمسٹری سے زراعت میں فائدہ اٹھانا" کے عنوان سے موجود ہے۔ اس مضمون میں پہلے "LAW OF CONSERVATION OF MATTER". —— کو سمجھایا گیا ہے جس میں بتایا ہے کہ اگر لکڑی کو جلایا جائے تو کچھ حصہ دھواں بن کر ہوا میں مل جاتا ہے، کچھ بھاپ بن کر پانی میں اور کچھ راکھ بن کر مٹی میں، لیکن مجموعی اعتبار سے کسی بھی شئے کے وزن میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس طرح مضمون میں ثابت کیا گیا کہ نہ تو کوئی شئے ختم کی جاسکتی ہے اور نہ ہی صفر سے حاصل کی جاسکتی ہے بلکہ اس کی ہیئت میں ہی تبدیلی آتی ہے۔ اس مضمون میں کھاد کے استعمال کے فائدے بھی تحریر کیے گیے ہیں:

"پس کھات ڈالنے سے یہ مراد ہے کہ جو چیز کھیت سے درخت نے کھائی ہے کھات ہے، وہ پھر آجاوے تاکہ زمین از سرِ نو شاداب ہوا اور دانہ بہت سا پیدا ہو جاوے الالحفی زر ہے کہ طرح طرح کے کھات ولایت میں ڈالتے ہیں۔ پھر یہاں کے زمیندار دو چار چیزوں کے سوائے اور کچھ نہیں جانتے لہٰذا چند اشیاء کی ایک مجمل فہرست جو یورپ والے کھات کے کام میں لاتے ہیں لکھی جاتی ہے اور کچھ ترکیب بھی ان کے استعمال کرنے کے واسطے بتائی جاتی ہے"[1]

۱۸۶۶ء سے ۱۸۷۵ء تک اس میں سوسائٹی سے متعلق خبریں دی جاتی رہیں۔ اس کے بعد ۱۸۷۶ء سے متواتر علی گڑھ کالج سے متعلق ہی مضامین ملتے ہیں۔ اخبار کی فائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اخبار ۱۹۲۵ء تک جاری رہا۔[2]

تہذیبُ الاخلاق

یہ ماہنامہ "۱۰ × ۸" سائز پر یکم شوال ۱۲۸۷ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء سے شائع

۱۔ اخبار سین ٹیفک سوسیٹی، ۱۵ فروری (۱۸۶۷ء) جلد ۶ نمبر ۷ ص ۱۰۵ (آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

۲۔ اخبار سائنٹفک سوسائٹی یا علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی جلدیں (۱۸۶۶ء سے ۱۹۲۵ء) تک آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہیں۔

ہونا شروع ہوا۔ یہ رسالہ مسلمانانِ ہند کی اصلاح و ترقی کے خیال سے نکالا گیا تھا۔ سر سیّد احمد خاں جب انگلستان گیے تو یورپ کے تہذیب و تمدّن اور علوم و فنون کی درس گاہوں کا معائنہ کیا۔ وہاں انہیں انگریزی کے قدیم اصلاحی پرچے، ٹیٹلر، اسپیکٹیٹر اور گارڈین کی فائلوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اسی سبب ابنِ خازن کی شہرہ آفاق اخلاقی کتاب کے نام پر اپنے ماہنامے کا نام تہذیب الاخلاق تجویز کیا۔

۲۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو سر سیّد احمد خاں اس کے سرنامے کا بلاک لندن میں تیار کرا کے اپنے ساتھ لائے تھے اور ان کی واپسی کے تین مہینہ کے اندر ہی یہ پرچہ جاری ہوا جو ہر ستمبر ۱۸۷۶ء کو بند ہو گیا۔ تین برس کی خاموشی کے بعد ۲۳ اپریل ۱۸۸۰ء کو دوبارہ جاری ہوا اور ۲۸ جولائی ۱۸۸۱ء کو دوبارہ بند ہو گیا۔ تیسری بار بارہ سال کے وقفے کے بعد ۷ اپریل ۱۸۹۴ء کو پھر شروع کیا گیا اور ۲ فروری ۱۸۹۷ء کو تیسری بار پھر بند ہو گیا۔ اس طرح تہذیب الاخلاق کی مجموعی عمر تقریباً بارہ سال ہوتی ہے تیسری بار بند ہونے کے بعد اس کا اپنا کوئی وجود باقی نہ رہا اور اسے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں ضم کر لیا گیا۔ "تہذیب الاخلاق" کے بارے میں عبداللہ خاں خویشگی لکھتے ہیں:

> "... اس کی ضخامت کی کوئی حد معین نہ تھی، جیسا کہ مقتضائے مضامین ہوتا، بالعموم آٹھ تا سولہ صفحات پر چھاپا جاتا تھا۔ اس کی اشاعت کا بھی کوئی خاص وقت، یا دن مقرر نہ تھا، بلکہ ہر مہینے میں ایک بار، یا دو بار، یا تین بار، حسب موقع و ضرورت نکالا جاتا تھا۔"[۱]

تہذیب الاخلاق میں، علمی، مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی ہر طرح کے مضامین کی اشاعت ہوئی ہے۔ اس کے لکھنے والوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ سر سیّد کے علاوہ، نواب محسن الملک سیّد مہدی علی خاں، نواب یار جنگ مولوی چراغ علی خاں، نواب وقار الملک سیّد مشتاق حسین، خواجہ الطاف حسین حالیؔ، مولوی ذکاء اللہ خاں،

۱۔ مقالاتِ سر سیّد، مرتب محمد عبداللہ خویشگی، نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ یکم مارچ (۱۹۵۲ء) ص ۱۵

مولوی عنایت رسول چریاکوٹی، جو فارقلیط کے نام سے اپنے مضامین چھپواتے تھے اور جسٹس سیّد محمود (صاحبزادہ سر سیّد احمد خاں) قابلِ ذکر ہیں۔

۱۲۹۶ھ کی جلد میں محمد ابوالحسن نے "قدیم اور جدید علوم" کے عنوان سے ایک طویل مضمون تحریر کیا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ علوم حکیمیہ کے موجد یونانی ہیں اور لارڈ میکالے کی ایک کتاب کے حوالے سے جو لارڈ بیکن کے حالاتِ زندگی سے منسوب ہے یہ بتایا گیا ہے کہ قدیم عہد میں علوم حکیمیہ کی غایت کیا تھی اور زمانۂ جدید میں اس کی کیا غایت قرار پائی ہے۔ علم طبعیات و فلسفہ پر روشنی ڈالتے ہوئے علمِ ہیئت کے متعلق اس طرح بحث کی ہے:

"... یہ علم منجملہ ان علوم کے ہے جن کے سیکھنے کی افلاطون نے اپنے شاگردوں کو بالخصوص ہدایت کی تھی۔......... سقراط کے نزدیک اجرامِ فلکی کے واقعی حرکات کا علم چنداں وقعت نہیں رکھتا ہے۔ وہ صورتیں جو رات کے وقت آسمان کو زیب و زینت بخشتی ہیں ان کی تشبیہ اس نے ان اشکال سے دی ہے جو کوئی مہندس زمین پر کھینچ لے، گویا وہ مثالیں ہیں اور ضعیف دماغوں کے واسطے ایک محض علامت ہیں.... ہم کو ایک ایسا علمِ ہیئت حاصل کرنا چاہئے جو حقیقی ستاروں سے ایسا ہی خارج ہے جیسا کہ ہندسی صدق کسی بد صورت شکل کے اضلاع و خطوط سے خارج و مستغنی ہوتا ہے۔"[۱]

اخبار مذکورہ میں مولوی عنایت اللہ کا ایک مضمون "نیچرل سینر کے عجائبات" کی سُرخی کے تحت طبع ہوا ہے جس میں چاند، سورج، ہوا اور زمین سے متعلق مفید معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ طویل مضمون سے ماخوذ ذیل کا اقتباس ملاحظہ کریں:

"... ہم اپنی دوربینوں کے ذریعے سے حواب کمال کے درجے کو پہنچ گئی

۱۔ تہذیب الاخلاق، مضمون "قدیم اور جدید علوم"، محمد ابوالحسن، شمارہ ۵ (۱۲۹۶ھ) (آزاد لائبریری علی گڑھ)

ہیں چاند کی مفصل کیفیت اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس کا ایسا امتحان کرسکتے ہیں جیسے زمین پر کسی دور کی چیز کو دیکھیں۔ اس لیے ہم ایک خاص حد تک اس کی طبیعی کیفیت (جیالوجی) کو بخوبی معلوم کرسکتے ہیں“۔[1]

مولوی ذکار اللہ بھی 'تہذیب الاخلاق' کے اُن لکھنے والوں میں شمار کیے جاتے ہیں جنہوں نے مغربی علوم وفنون کے ترجموں سے اُردو زبان میں وُسعت اور ہمہ گیری پیدا کی۔ اخبار میں ان کا مضمون ”حرکتِ زمین کا معائنہ عینی“ شائع ہوا ہے، جس میں نظام بطلیموسی کی تردید کرتے ہوئے نظام کوپرنیکس کے مطابق زمین کی گردش ثابت کی گئی ہے۔ اپنی دلیلوں کے اثبات میں پورے ایک صفحہ پر تین شکلیں دی گئی ہیں جو لیتھو میں طبع ہوئی ہیں۔ ان کی ایک دلیل کا اقتباس درج ذیل ہے:

”شکل میں (ا س) ایک بلند مینار ہے۔ زمین کا مرکز (ع) ہے جس کی طرف خطِ ثاقولی (ا س) کھنچا ہوا ہے اور (ا) سے ایک گیند مرکزِ زمین کی طرف پھینکی گئی ہے اب فرض کرو کہ جتنی دیر میں زمین پر گیند آئی زمین گردش کرکے زاویہ (س ع ا) کو طے کرے۔ پس جس وقت کہ گیند زمین پر پہنچے گی مینار کا مقام (ا س) پر ہوگا۔ اب گیند میں ایک حرکت مشرق کی طرف بہ سببِ حرکت زمین کے اس وقت تھی کہ وہ (ا) سے چھوڑ گئی تھی وہ اس کے برابر ہوتا، لیکن (اا) بڑا بہ نسبت (س س) کے ہے تو جس کے فاصلے پر (س) سے مشرق کی طرف گیند زمین پر گرے گی وہ ضرور بڑا (س س) سے بقدر فرق (اا) اور (س س) کے ہوگا، پس اگر (س ب) ان دونوں قوسوں کے درمیان ہوگا جن کو سرِ مینار اور پائے مینار طے کریں گے، مگر فاصلہ (س ب) نہایت ہی چھوٹا ہے اس لیے اُس کا ناپنا دُشوار ہوتا ہے اس لیے ہمیشہ یہ مانا گیا تھا جب مینار یا مستول سے پتھر کو پھینکتے ہیں تو

۱۔ تہذیب الاخلاق، مضمون نیچرل ہسٹر کے عجائبات، مولوی عنایت اللہ، یکم ربیع الثانی (۱۲۹۰ھ)

اسی جز ہی میں گرتا ہے..." [1]

'تہذیب الاخلاق' کے لیے سب سے زیادہ سر سید احمد خاں نے لکھا اور اُن کے بیش تر مضامین جو طوالت کی وجہ سے قسط وار شائع ہوئے اور بعد میں کتابی صورت شکل میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آئے۔

رسالہ علمِ فلاحت

سائنٹفک سوسائٹی کے سلسلے کی یہ ساتویں مطبوعہ کتاب ہے جو رابرٹ اسکاٹ برن کی تصنیف (—— OUTLINES OF MODERN FARMING ——) کا اُردو ترجمہ ہے۔ ۱۵ × ۲۴ سینٹی میٹر سائز پر یہ کتاب ۲۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۸۶۵ء میں اس کی اشاعت ہوئی۔ ترجمہ نگار کا نام کتاب پر نہیں لکھا گیا اس لیے یہ بتانا مشکل ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ کسی ایک ایسے شخص نے کیا یا کئی لوگوں نے مشترکہ طور پر کیا ہے اس کی طباعت انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں ٹائپ میں ہوئی اور ۱۹۰۷ء میں مدرسۃ العلوم بک ڈپو سے اسے دوبارہ چھاپا گیا۔

کتاب میں مضامین سے متعلق جا بہ جا تصاویر کے صفحات بھی لگائے گئے ہیں یہ تصویریں بھی لیتھو کی طبع شدہ ہیں۔ سرورق پر کتاب اور مصنّف کا نام رابرٹ اسکاٹ برن اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھا گیا ہے۔ سوسائٹی نے اس کتاب کو ڈیوک آف آرگائیل کے نام معنون کیا ہے۔ پوری کتاب آٹھ حصّوں اور تتموں پر مشتمل ہے۔

کتاب کے صفحہ ۴ پر فہرست درج ہے۔ اصل متن ۲۵۸ تک ہے لیکن صفحہ ۲۳۶ سے ۲۵۸ تک فرہنگ اصطلاحات تحریر کی گئی ہیں اس طرح کتاب کی اصل عبارت ۲۳۵ صفحات تک محدود ہے۔ کتاب کو آٹھ حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا حصّہ۔ زمین کی قسمیں۔ زمین کاشت کے قابل بنانا وغیرہ صفحہ ا سے ۳۹ تک۔ دوسرا

---

[1] تہذیب الاخلاق، حرکتِ زمین کا معائنہ عینی، مولوی ذکار اللہ، یکم ذی الحجہ (۱۳۱۲ھ)

حصّہ۔ کھاد بنانا، قسمیں، کس فصل کے لیے کون سا کھاد ـــ صفحہ ۳۹ سے ۸۰ تک ـــ۔
تیسرا حصّہ۔ بیجوں کی اقسام، جو، جئی، گندم کا بیان ـــ صفحہ ۸۶ سے ۱۳۶ صفحہ تک ـــ۔
چوتھا حصّہ۔ اُن فصلوں کا بیان جو پھلیاں لاتی ہیں، مٹر وغیرہ صفحہ ۱۴۱ سے ۱۴۸ تک۔
پانچواں حصّہ۔ شلجم، گاجر، آلو، گانٹھ گوبھی، چقندر وغیرہ جڑوں والی فصلوں کا بیان ۱۴۹ تا ۱۸۳ ـــ چھٹا حصّہ۔ پتّوں کی غرض سے بوئی جانے والی فصل، گوبی گلادر، لوسرن، سین فائن، رائی گھاس وغیرہ صفحہ ۱۸۴ سے صفحہ ۲۰۰ تک ـــ ساتواں حصّہ۔ گھاسوں اور چراگاہوں کا بیان صفحہ ۲۰۱ سے ۲۱۵ تک ـــ آٹھواں حصّہ سن اور ہاپس کا بیان صفحہ ۲۱۶ سے ۲۲۵ تک۔

تتمہ۔ اصطلاحات اور کھیت سے متعلق تجربوں کے عمدہ طریقے بیان کیے گیے ہیں۔

اس کتاب میں انگریزی اصطلاحات مثلاً کلوروہائیڈرک ایسڈ، نائٹریٹ آف سوڈا، سلف آف سوڈا، سلفٹ آف ایمونیا، فاسفٹ، جیالوجی، فزیالوجی، پوٹاش وغیرہ کا استعمال کیا گیا ہے، جن اصطلاحات کے ترجمے اردو میں کیے گیے ہیں وہ یہ ہیں کیمسٹری (کیمیا)، سلفٹ (تیزاب گندھک)، نائٹرک ایسڈ (شورے کا تیزاب) آکسائڈ آف آئرن (لوہے کے زنگ) وغیرہ۔ کیمسٹری کے بارے میں ایک تعارفی مضمون بھی دیا گیا ہے جس میں لکھا ہے:

"علم کیمیا جس کو انگریزی میں کیمسٹری کہتے ہیں، ایک نہایت عمدہ علم ہے، فرنگستان کے سوا، اور ملکوں کے لوگ علم کیمیا اس کو کہتے تھے جس کے ذریعے سے کم قدر دھاتوں کو جیسے تانبا، رانگ، پارہ ـــ سونا، چاندی بنالیں۔ انگریزوں نے بھی اوّل اوّل اس پر کوشش کی اور معلوم ہوا کہ یہ ایک محض لغوبات نہیں ہے۔ اِلّا اس کے تلاش اور تجربوں سے ایک نیا اور نہایت مفید علم نکل آیا۔ جس کا اب نام علم کیمیا ہے۔ یہ علم وہ ہے جس سے تمام جسموں کی خاصیت اور اوصاف بذریعہ تفریق اور

اجتماع ان کے اجزاء کے دریافت ہوتے ہیں"[1]

رسالہ علم فلاحت کی زبان قدیم اور عام فہم ہے، انداز بیان دل چسپ اور جملوں کی ساخت زبان کو قدامت کے رنگ میں رنگتی معلوم ہوتی ہے. درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"نائٹریٹ آف سوڈا، اور سلفٹ آف سوڈا اور سلفٹ آف ایمونیا کا بیان... وہ مصنوعی اور خاص کھاتیں کہ استعمال ان کا فی زمانا رائج ہے، منجملہ اُن کے یہ کھاتیں بہت مستعمل ہیں اور ان کھاتوں میں سے نائٹریٹ آف سوڈا خصوصاً ملک پروسے ہاتھ آتی ہے اور یہ قسم صرف شورہ کا تیزاب بنانے کے کام آتی ہے مگر باروت کے بنانے میں اس سبب سے صرف نہیں ہوتی کہ وہ نمی کو بہت مانتی ہے اور چراگاہوں میں چھڑکنے کے واسطے اور جئی کے لیے نہایت مفید ہے اور سلفٹ آف سوڈا، تیزاب گندھک اور سوڈا سے بنتا ہے اور اناج کی فصلوں کے لیے استعمال اس کا ہوتا ہے"[2]

کتاب کے آخر میں ان انگریزی الفاظ کی فرہنگ دی گئی ہے جو کتاب میں استعمال ہوئے ہیں. اس میں جیالوجی اور فزیالوجی کی تشریح بھی کی گئی ہے:

"جیالوجی ایک نیا علم فرنگستان میں نکلا ہے جس میں مرکّباتِ جمادیہ اور اجزاء زمین اور ان کے تعلقات باہمی اور ترکیب وصورت کے حالات وعوارض بیان کیے جاتے ہیں" "فزیالوجی کے معنیٰ اصل یونانی میں قدرتی چیزوں پر بحث کرنے کے ہیں اور زمانۂ حال میں اس کے معنیٰ زیادہ محدود لیے ہیں یعنی اس علم کو کہتے ہیں جس میں حیوانوں اور درختوں کے

۱- رسالہ علم فلاحت، ترجمہ آوٹ لائنس آف ماڈرن فارمنگ از اسکاٹ برن، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ (۱۸۶۵ء) آزاد لائبریری

۲- رسالہ علم فلاحت، ترجمہ لائنس آف ماڈرن فارمنگ از اسکاٹ برن، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ (۱۸۶۵ء) (آزاد لائبریری علی گڑھ)

تمام مختلف حصّوں اور اعضاء کے کاموں کا حال معلوم ہوتا ہے۔"[1]

"رسالہ علمِ فلاحت" کے قاعدوں کے مطابق سائنٹفک سوسائٹی نے عملی طور پر خود بھی تجربے کیے جس کی رپورٹ اخبار سائنٹفک سوسائٹی نے بھی شائع کی ہے۔ لکھا ہے:

"سیکریٹری موصوف نے اطلاع کی کہ سابق میں جو رسالہ علمِ فلاحت کا سوسیٹی نے مشتہر کیا تھا اور اس میں جو قاعدہ کہ بموجب سوسیٹی کے باغ میں تھوڑے سے گیہوں بوئے گئے تھے چنانچہ نمونہ ان گیہوں کا اور چند درخت بجنسہٖ مینے او کھاڑ رکھے ہیں، معہ رپورٹ ان کی کارروائی کے اجلاس کے سامنے پیش کرتا ہوں۔"[2]

رسالہ علمِ برقی

۱۲ ½ × ۲۲ ½ سینٹی میٹر سائز کے ۲۸۴ صفحات پر مشتمل ٹائپ کی طباعت سے آراستہ ۱۸۶۹ء میں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سے شائع ہوا۔

یہ رسالہ سائنٹفک سوسائٹی کی دسویں مطبوعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کو سر ولیم ہیرس کی کتاب (— ELECTRICITY —) سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا۔ مترجم کا نام کتاب پر تحریر نہیں ہے۔ یہ کتاب آٹھ ابواب پر تقسیم ہے جس میں برقی قوت برقی آلے، قدرتی برق، اور برق کی جملہ اُمور کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ہر مسئلے کو ثابت کرنے کے لیے تصاویر سے بھی مدد لی گئی ہے۔

کتاب کے ابتدائی ۵۰ صفحات میں پہلا باب، برقی قوت کی اصطلاحیں اور تعارف دیا گیا ہے جس میں ۲۷ تجربے بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں ان برقی مسئلوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو استعمال میں آتے ہیں۔ تیسرے باب میں آلاتِ برق نُما اور میزان البرق کا

۱۔ رسالہ علم فلاحت، ترجمہ لائنس آف ماڈرن فارمنگ از اسکاٹ برن، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ (۱۸۶۵ء) (آزاد لائبریری علی گڑھ)

۲۔ اخبار سینٹیفک سوسیٹی علی گڑھ ۳۰ نومبر (۱۸۶۶ء) ص ۵۱۳ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

حال تحریر کیا گیا ہے۔ چوتھا باب اعمال برقیہ کے قاعدوں سے متعلق ہے۔ پانچواں باب اخراج برق سے وابستہ ہے۔ چھٹا باب بجلی کی تاثیر اس کی گرمی اور روشنی کے اخراج سے منسوب ہے۔ ساتویں باب میں قدرتی برق، ہوائی برق اور شہابوں کا بیان کیا گیا ہے اور آٹھویں باب میں خاتمہ اور برق کے برتاؤ پر تفصیلات لکھی گئی ہیں۔ ہر بحث کو ایک ایک دفعہ کے تحت لکھا گیا ہے۔ اس پوری کتاب میں ایک سو سڑسٹھ (۱۶۷) دفعات ہیں۔ پوری کتاب میں ۶۵ تجربے اور ۶۹ تصاویر دی گئی ہیں۔

اس رسالے میں انگریزی اصطلاحوں کا بہت کم استعمال کیا گیا ہے۔ سائنس کی اکثر اصطلاحوں اور آلہ جات کے ناموں کے ترجمے اردو میں کر لیے گئے ہیں جیسے برق نما آلہ، انفراجِ برقی، میزان البرق ریسمانی، میزان البرق پینچیاں، ایصالِ برق، برق مستدیر، محرف، زاویہ منفرجہ، معمول برق وغیرہ۔

بعض انگریزی اصطلاحوں کے ترجمے نہیں کیے گیے ہیں بلکہ بجنسہ انگریزی تلفظ کے لحاظ سے اصطلاحیں منتقل کر لی گئی ہیں۔ جیسے کاربون گاس (CARBON GAS) ہائیڈروجن گاس (HYDROGEN GAS) وغیرہ۔ برقی قوت (ELECTRICITY) کا ترجمہ، اور "اشیائے برقیہ" (جن میں برقی خصوصیات پائی جائیں) وغیرہ۔

اس رسالے کی زبان عام فہم اور اندازِ بیان اس قدر دلچسپ ہے کہ قاری کو محسوس نہیں ہوتا کہ وہ کوئی سائنسی کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے۔ مترجم کی تحریر سے اندازہ نہیں ہوتا کہ اسے کسی دوسری کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے بلکہ مصنف کی ذاتی تخلیق معلوم ہوتی ہے۔ قدیم کتابوں کی طرح اس رسالے میں فارسی اور عربی ترکیبوں سے گریز کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں زبان کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ طرزِ تحریر کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

> "... برقی دمدموں یعنی توپ خانوں کے نظم و نسق میں بڑی احتیاط درکار ہوتی ہے چنانچہ جب مرتبان متوسط کی موسل برق ڈنڈی کو کل کے ساتھ ملاتے ہیں تو سارے مرتبان آسانی سے معمول برق

ہو سکتے ہیں اور اس ترکیب سے سارے مرتبانوں میں ہر مرتبان کی
ناقل برق ڈنڈی کے ذریعے سے برقی اثر نافذ ہو جائے گا۔"[1]

سرسید احمد خاں کی شخصیت ایک متحرک اور فعال کردار کی حامل رہی۔ سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعہ تراجم، تالیفات اور تصنیفات کے سلسلے سے ہی ان کے عملی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ اُن کے تعلیمی رجحانات کے ارتقا اور شعور کی بلندی سے بھی اس کی نمائندگی ہوتی ہے۔ وہ سوسائٹی جو صرف سائنسی تجربات اور تراجم تک محدود تھی اب اپنے جلو میں لامحدود وسعت اختیار کر چکی تھی۔

وہ تحریک جس کی ابتدا، شمس الامراء کبیر ثانی نے کی تھی سرسید کی سائنسی خدمات اسی تحریک کی ایک اہم کڑی کے طور پر قابلِ تحسین اقدامات کی حامل ہیں ملکی سطح پر مادری زبان میں سائنسی علوم کی جو کمی واقع تھی وہ درجہ بدرجہ پوری ہوتی رہی اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی شکل میں یہ تحریک اپنے انتہائی عروج تک پہنچ گئی۔

۱۔ رسالہ علم برقی، ترجمہ الیکٹری سٹی از ولیم اسو ہیرس، انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ (۱۸۶۹ء) ۱۳۵ (آزاد لائبریری علی گڑھ)

باب ششم

طامسن انجینئرنگ کالج رڑکی

طامسن کالج خاص طور پر ان انگریز تعلیم یافتہ طلباء کی ضرورت کے پیشِ نظر وجود میں آیا جو انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم کے خواہاں تھے اس مقصد کے تحت رڑکی سے ملحق گنگا نہر کے کنارے ۱۹ اکتوبر ۱۸۴۷ء کو انجینئرنگ اسکول کی حیثیت سے اس کا افتتاح ہوا جس کا تعلیمی انحصار صرف تین شعبوں ۱۔ انجینئر ۲۔ اپر سبارڈی نیٹ اور ۳۔ لوئر سبارڈی نیٹ، تک محدود تھا شروع میں صرف انگریز طلباء ہی اس میں داخل کیے گئے اور ذریعۂ تعلیم انگریزی رکھا گیا — ۱۸۷۰ء میں یعنی اس کالج کے ۲۳ ویں سال ہندوستانی طلباء بھی اس میں شریک کیے جانے لگے جس کے سبب طلباء کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو گیا اور " طلباء کی تعداد بڑھ کر ۲۸۱ ہو گئی "[1]

۱۹۷۰ء میں ہندوستانی طلباء کی شمولیت کے سبب ہندوستانی زبانوں میں نصاب کی کتابوں کا مسئلہ بھی در پیش آیا اور اسی مقصد کے تحت یہاں پریس قائم کیا گیا۔ نصاب کی کتابوں کا ترجمہ اردو میں کرنے کے لیے ایک ترجمہ کمیٹی مقرر کی گئی جس کی قیادت اس کالج کے پرنسپل کرنل اے ایم برنڈر تھ نے کی اور میجر فائز بریس اس کے نگراں مقرر کیے گئے

---

۱ ہندی وشو کوش (جلد نہم) ناگری پرچارنی سبھا، وارانسی (۱۹۶۸ء) ص ۱۶۱ (ہندی)

۱۸۸۲ء میں کالج کی ترقی کے پیشِ نظر ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ صوبہ متحدہ (موجودہ اتر پردیش) کے تحت اسے مزید مراعات ملنا شروع ہوئیں لیکن انگریزی سے اردو میں تراجم کا سلسلہ منقطع ہوگیا اس عہد میں ملک کے مختلف حصّوں کے انجینیئرنگ کالجوں کے بارے میں احمدالدین مارہروی کا بیان ہے :

"انجینیئری کے کل پانچ کالج ہیں، بنگال انجینیئرنگ کالج، طامسن انجینیئرنگ کالج رڑکی، کالج آف انجینیئرنگ پونا، کالج آف انجینیئرنگ گنڈی مدراس، انجینیئرنگ کالج بنارس، جن میں سے چار سرکاری ہیں اور پانچواں جو بنارس میں ہے پرائیویٹ ہے بجز رڑکی طامسن سول انجینیئری کالج کے تمام کالج یونیورسٹیوں سے ملحق ہیں"[1]

رڑکی کالج ایک آزاد ادارے کی حیثیت سے سائنسی علوم کے ترجمے اور تالیف میں معاون ثابت ہوا۔ انگریزوں نے خود بھی اس عہد میں مسیحی کُتب اور انگریزی ادب کو اردو میں منتقل کرنے کا کام اپنے اداروں سے لیا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو مذہب و قومیت سے بُلند ہوکر علوم و فنون کی ترویج کو انسانی بہبودی کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ ان انگریزوں میں دہلی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر اشپرنگر، جون ہنری ٹیلر اور رڑکی کالج کے پرنسپل کرنل اے ایم برنٹر ریتھ اور میجر ایف فائر بریس قابلِ ذکر ہیں۔

رڑکی کالج کی مطبوعات سائنسی علوم کی ترویج و اشاعت میں ایک نمایاں اہمیت کی حامل ہیں، کیونکہ ایسی کتابیں اردو میں نایاب تھیں جو کتابیں یہاں انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوئیں ان میں مندرجہ ذیل کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔

استعمال جرِ ثقیل مصنف طامس ٹیٹ مترجم لالہ منو لعل بہاری (مطبوعہ ۱۸۵۶ء)

رسالہ نمبر ہفتم در باب پیمائش مصنف میجر ایف فائر بریس مترجم شمبھو داس (مطبوعہ ۱۸۶۹ء)

رسالہ در باب فن نجاری۔ مترجم لالہ منو لعل بہاری (مطبوعہ ۱۸۷۰ء)

بیان لوگارتم اور استعمال ٹیبل لوگارتم۔ مصنف کیپ مترجم شمبھو داس (۱۸۶۲ء)

---

۱ نظام تعلیمات۔ مترجم احمدالدین مارہروی۔ الہ آباد (۱۹۰۳ء) ص ۱۰۴

مجموعہ سامانِ عمارت۔ مصنف کرنل اے ایم ، برنڈر ریتھ مترجم لالہ منولال بہاری ومنشی روپ چند وغیرہ (مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

قواعدِ حساب متعلقہ فنِ انجینیئرنگ مصنف کرنل اے ایم برنڈر ریتھ۔ مترجم لالہ جگموہن لال (مطبوعہ ۱۸۸۵ء)

رسالہ نمبر ۴ پلوں کے بیان میں۔ مترجم لالہ بہاری لعل تیسرا ایڈیشن (مطبوعہ ۱۸۸۲ء)

رسالہ درباب فنِ نجاری

۲۱½ x ۱۶ سینٹی میٹر سائز پر ۱۲۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ترجمہ بہاری لعل اوّل ہیڈ ماسٹر مدرسہ رڑکی نے کیا اور طامسن کالج پریس رڑکی سے ۱۸۷۰ء میں یہ کتاب شائع ہوئی۔

کتاب کی ابتدا میں فہرست مضامین ہیں چھ ابواب دیے گئے ہیں۔ باب اوّل چوب کے بیان میں ، باب دوم۔ ہندوستانی چوب کے بیان میں ، باب سوم شہتیروں کی مضبوطی کے بیان میں ، باب چہارم۔ چوبی ڈھانچے کے بیان میں ، باب پنجم قالب کے بیان میں اور باب ششم چوبی فرش اور بنے ہوئے شہتیر وجوڑ و اسکارف و کابلوں کے بیان میں۔

کتاب کی زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں اردو املا میں فرق ہے مثلاً لمبا (لنبا) کو لہو (کو لھو) اُن (اون) وغیرہ۔ طرزِ اسلوب کا مندرجہ ذیل اقتباس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

"ببول ۔ جس کو کیکر بھی کہتے ہیں ناقص قسم کی زمین میں خوب جمتا اور پھلتا پھولتا ہے اور گاؤں کے نزدیک افتادہ زمین میں اکثر ملتا ہے۔ یہ درخت ۳۰ یا ۳۵ فٹ سے زیادہ لنبا اور دو فٹ سے زیادہ موٹا ہوتا ہے اور چوب اس کی سخت اور کرخت ، نزدیک ریشے اور ہلکے سرخ رنگ کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کچھ وزنی بھی ہوتی ہے۔ تاہم سبب زیادہ پائیداری کے بہت سے کاموں کے لیے پسندیدہ ہے۔ خاص کر پہیوں کے آرے اور بیتھی اور دیگر ہندوستانی سامان مثلاً ہل اور پاتھوں کے لیے جہاں کہ بہم پہنچ سکے ، بہتر ہے۔

گاڑیوں کی دُھری بھی اس کی بنتی ہے اور نیز اوکھ کے کولھوؤں کے لیے لاٹھ اس چوب کی خوب ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض اوقات اِملی کی بھی بنائی جاتی ہے۔ آخرالامر بہت زیادہ فائدہ اس چوب کا یہ ہے کہ باوجود ہونے سخت اور کرخت کے یہ ہلکی ہوتی ہے اس لیے دھروں کی میخوں کے لیے بہت پسندیدہ ہے کیونکہ مسافروں کو اون کی بارکشی میں آسانی ہوتی ہے۔"[1]

رسالہ نمبر ہفتم در باب پیمائش

یہ رسالہ ۲۴۲ صفحات پر مشتمل میجر الیف فائر بریس آر-ای، اسسٹنٹ پرنسپل طامسن کالج رڑکی کی تالیف ہے جس کا ترجمہ شمبھو داس سابق نیٹو سروئینگ ماسٹر طامسن کالج رڑکی نے کیا۔ یہ رسالہ پہلی بار ۱۸۶۹ء میں دوسری بار ۱۸۷۵ء میں، تیسری بار ۱۸۸۷ء میں اور چوتھی دفعہ ۱۸۹۰ء میں طامسن سول انجینیرنگ کالج پریس رڑکی سے طبع ہوا۔ زیر نظر رسالہ (طبع چہارم) ٹائپ میں چھپا ہوا ہے اس رسالہ میں میجر کی کتاب کے آٹھویں اور پندرھویں باب کے ترجمے شامل نہیں کیے گئے کیونکہ وہ ملٹری پیمائش اور علم ہیئت سے متعلق تھے اور عام طور سے سرویئر کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہ رسالہ چودہ (۱۴) فصلوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اوّل صفحہ ۱ سے ۲۹ تک جیومیٹریکل ڈرائنگ یعنی نقشہ بالہندسہ کے موضوع سے متعلق ہے۔ فصل دوم میں صفحہ ۳۰ سے ۴۱ تک جریبی پیمائش کے اصول لکھے گئے ہیں۔ فصل سوم صفحہ ۴۲ سے ۵۰ تک پریزمیٹک کمپاس سے متعلق ہیں۔ فصل چہارم میں صفحہ ۵۱ سے ۸۰ تک تھیوڈولائٹ کے اصولوں سے بحث کی گئی ہے۔ فصل پنجم میں ۸۱ سے ۹۱ تک قاعدہ ٹریراس کیل صاحب دیا گیا ہے۔ فصل ششم صفحہ ۹۲ سے ۱۰۸ تک ہے جس میں مثلثی پیمائش کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ فصل ہفتم میں صفحہ ۱۰۹ سے ۱۱۸ تک اندرونی پیمائش کو پورا کرنے کے اصول سے بحث کی گئی ہے۔ فصل ہشتم کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ فصل نہم میں صفحہ ۱۱۹ سے ۱۲۷ تک

---

[1] رسالہ در باب فنِ نجاری، مترجم بہاری لعل، طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۷۰ء) ص ۱۹

نصف النہار اور تبدیلی قطب نما کی معلومات فراہم کی گئی ہے۔ فصل دہم صفحہ ۱۲۸ سے ۱۴۰ تک پاکٹ سیکشن اور پلینیٹر کے موضوع سے متعلق ہے۔ فصل یازدہم میں صفحہ ۱۴۱ سے ۱۵۸ تک مفید شکلوں در باب پیمائش کے عنوان کے تحت گفتگو کی گئی ہے۔ فصل دوازدہم صفحہ ۱۵۹ سے ۱۸۱ تک قوسوں کی فصل کے سلسلے میں ہے۔ فصل سیزدہم میں صفحہ ۱۸۲ سے ۲۱۴ تک لیونگ کے اصول سمجھائے گئے ہیں اور فصل چہاردہم میں صفحہ ۲۱۵ سے ۲۳۴ تک انجینیئرنگ کی پیمائشوں کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

کتاب میں جابجا خاکے اور کتاب کے آخر میں نقشے دیے گئے ہیں۔ جن سے اصل موضوع کی وضاحت میں مدد ملتی ہے۔ یہ کتاب فن علم ہندسہ پر مبنی، مختلف مشقوں کے ساتھ تفصیل سے ہر قسم کے خطوط کی پیمائش کرنے اور اُسے کاغذ پر اُتارنے کے طریقوں کے لیے مُفید ہے۔ انجینیئری کے طلباء کے لیے یہ کتاب بہت اہم ہے۔

کتاب کی ابتداء میں نقشہ بنانے کے متعلق تفصیلی ہدایات تحریر کی گئی ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کاغذ کس قسم کا ہونا چاہیئے، پینسل کیسی ہو، سیاہی کس طرح بنائی جائے۔ ربر کس طرح استعمال کی جائے، پرکار اور ڈرائنگ پن کے استعمال کے بارے میں بھی وضاحت درج کی گئی ہے۔ کتاب کی عبارت کے لیے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کریں:

"سوال اوّل: زاویہ مفروضہ کی تنصیب کرو؟ فرض کرو کہ ب آس (دیکھو شکل اوّل) زاویہ مفروضہ ہے اب اور آس ہیں۔ آی = آو قطع کرو اور دا اور ی کو مرکز مان کر بفاصلہ مساوی نصف قطروں کے (دیکھو قواعد ۵، ۶ اور ۷ کو) قوسین کھینچو جو آپس میں نقطہ ف پر قطع کریں تو خط آف کے ملانے سے زاویہ مفروضہ کی تنصیب ہو جائے گی"[1]

ایک اور نمونہ اس رسالہ کا ملاحظہ کریں:

"سوال چہارم۔ ایک ایسا خط کھینچو جو بڑھانے سے زاویہ محصورہ دو خطوں کو جو خارج کرنے سے باہر کاغذ کے ملتے ہیں تنصیب کرے فرض کرو کہ

۱۔ رسالہ نمبر ہشتم در باب پیمائش مترجم شمبھو داس، طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۹۰ء) ص ۵

پ ق اور ر ص (دیکھو شکل ۹) خطوط ہیں پ ق میں نقطہ ع لے کر ع ط متوازی ر ص کا کھینچو اور ع ط۔ پ ع قطع کر کے پ ط کو یہاں تک خارج کرو کہ ر ص سے نقطہ د پر ملے۔ بعد اس کے ف ر کو تنصیف کر کے عمود م ن کا نکالو تو یہ عمود خارج کرنے سے نقطۂ تقاطع پ ق اور ر ص میں گزرے گا اور زاویہ کی تنصیب کرے گا"۔[۱]

کتاب طلبا کے لیے نہایت مفید ہے سمجھانے کا طریقہ اپنی تمام جزیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جس کے سبب بہت کم وقت میں اس کی مہارت ہو جاتی ہے۔

استعمال جرثقیل

۱۸ × ۱۲ سینٹی میٹر سائز کے ۱۴۱ صفحات پر مشتمل یہ کتاب طامسن کالج پریس رڑکی سے ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب طامسن ٹیٹ کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے جس کو لالہ منو لعل بہاری نے سرانجام دیا۔ زیر نظر کتاب میں جرثقیل کے استعمال اور اس کی تعریف اور وزن کو اٹھاتے وقت کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے اور تمام کام کن اصولوں کے تابع ہوتا ہے اسے بڑی تفصیل کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تفصیلی بحث درج ہے:

"تمہید اور پر کام کرنے کے — بیان پیمانۂ کام کا، کام جانوروں کا۔ مرکز — پہیہ اور دُھری — دندانی پہیہ، مرکب پہیہ اور دُھری — بیان چرخی کا۔ ڈھلوان سطح، بیان پیچ کا — پانی کے زور کی کل اجسام ترانے والے اور وزن مخصوص"۔[۲]

کام کرنے کے اصولوں پر بحث کرتے ہوئے کتاب میں لکھا ہے:

"جب کوئی کام متعلق جرثقیل کے ہوتا ہے تو ایک قوت مزاحمت کل اوس فاصلے میں

---

۱ — رسالہ نمبر ہفتم در باب پیمائش مترجم شبھو داس، طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۹۷ء) ص ۷

۲ — استعمال جرثقیل مترجم منو لعل بہاری، طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۵۶ء) ص ۲

پڑتی ہے جس میں کہ وہ زور یا مزاحمت ہوتی ہے مثلاً جب کہ ایک بڑھئی آرہ سے ایک لکڑی کو پیرتا ہے تو وہ آرہ میں ایک روز لگاتا ہے اور اس سبب سے اس لکڑی میں ایک مزاحمت برعکس حرکت آرہ کے پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی زور آرہ پر لگایا جاوے اور وہ نہ سرکے تو صاف ظاہر ہے کہ اس سے کچھ کام نہ ہوگا اور اگر خلاف اس کے آرہ بدون کسی زور کے سرکے تب بھی کچھ کام نہ ہوگا۔ جبکہ ایک آدمی ایک وزن سیڑھی پر لے جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ کچھ کام کرتا ہے اور جبکہ وہ اس پر صرف بوجھ کے لیے کھڑا ہے تب بھی وہ کچھ کام نہیں کرتا ہے۔ اسی لیے واسطے صرف کام کرنے کے زور نہیں دینا چاہیے بلکہ وہ زور کسی فاصلے میں کچھ مسافت بھی طے کرے۔"[1]

اسی کتاب میں رفتاروں کے اصولوں سے متعلق بھی بحث کی گئی ہے :

"جبکہ کوئی حالت معاولت میں ہووے، اوس وقت میں اگر اوس کو بہت تھوڑی سی بھی حرکت دی جاوے تو ط کی ضرب کھایا ہوا رفتار ط سے اوس سمت میں شمار کر سکتے ہیں جس میں کہ وہ اثر کرتی ہے اور وہ مساوی ہوگی و ضرب کھایا ہوا رفتار و سے اوس سمت میں جس میں کہ وہ اثر کرتا ہے یہی اصول رفتاروں کا ہے۔ شکل صرف ایک دوسری صورت اصول کام کی مساوات کے بیان کرنے کا واسطہ ہے جس کا ذکر ہم سابق میں کر چکے ہیں"[2]

مذکورہ بالا کتاب آج بھی اپنی اہمیت اور افادیت کے سبب ضروری معلومات مہیا کرتی ہے۔ اگر ان اصولوں کے تحت کام کیا جائے جو کتاب میں دیے گیے ہیں تو بہتر نتائج نکلیں گے۔ یقیناً اس عہد کے طلبا میں یہ کتاب بہت مقبول اور مفید معلومات کی حامل رہی ہوگی۔ زبان کی تبدیلی کے ساتھ اس کی اشاعت آج بھی افادیت رکھتی ہے۔

بیان لوکارتم اور استعمال ٹیبل لوکارتم

یہ کتاب تمبھو داس سابق نیٹو سروئنگ ماسٹر طامسن کالج رُڑکی نے اردو میں ترجمہ کی۔

۱۔ استعمال جر ثقیل مترجم منو لعل بہاری۔ طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۵۶ء) ص ۲۲
۲۔ استعمال جر ثقیل مترجم منو لعل بہاری۔ طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۵۶ء) ص ۸۷

یہ اصل میں کیپ کی انگریزی کتاب سے اردو میں منتقل کی گئی۔ یہ رسالہ بہت مختصر صرف ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے جس کی اشاعت ۱۸۶۲ء میں طامسن کالج پریس رڑکی سے ہوئی۔

یہ کتاب کتب خانہ ادارہ ادبیاتِ اردو حیدر آباد میں موجود ہے، فہرستِ مطبوعات جلد سوم کتب خانہ ادارہ ادبیاتِ اردو، مرتبہ محمد اکبر الدین مطبوعہ ۱۹۶۳ء کے صفحہ ۲۸ پر مضمونِ حساب کی فہرست ب ۳ پر بہ سلسلہ نمبر 'ہ' پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

مجموعہ سامانِ عمارت

۱۳۵ صفحات پر مشتمل کرنل اے۔ ایم۔ برنڈریتھ پرنسپل طامسن سول انجینیرنگ کالج رڑکی، کی انگریزی کتاب کا اردو میں ترجمہ لالہ منولعل بہاری ہیڈ ماسٹر لوور سبارڈینیٹ کلاس طامسن کالج اور اسسٹنٹ انجینئر منشی روپ چند، منشی بٹولال، اور بابو کالی کرشنا مکھو پادھیائے نے مشترکہ طور پر کیا۔ جو کالج ہی کی پریس سے ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔

اس کتاب میں کچھ حصے ص ۱۶ سے ۲۷، ص ۸۶ سے ۹۴ لیتھو میں بقیہ ٹائپ میں چھپے ہوئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں بڑے سائز کی شیٹ پر دس شکلیں (جو کتاب کے موضوع اور عنوان کے تحت شائع کی گئی ہیں) موجود ہیں کتاب میں گیارہ باب دیے گیے ہیں جن میں پتھر، اینٹ، کھپریل، چونا، چونائی کا کام، لکڑی، فنِ نجاری، آہنی کام، رنگ و روغن، مٹی کا کام، اصولِ بندوبست، تعمیر اور تجویزِ تعمیر کے عنوانات کے تحت تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب میں اکثر انگریزی فنی اصطلاحیں درج ہیں جن کے محاذی ہندی رسم الخط میں ان کو لکھا گیا ہے جیسے بلاکس ریوربیٹوری فرنس یوبیس وغیرہ۔ کتاب میں کچھ انگریزی اصطلاحات کے ترجمے بھی شامل ہیں جیسے کیمسٹری کا علم کیمیا، اسپیسی فیکشن کا خلاصۂ تعمیر وغیرہ کچھ الفاظ کا املا مختلف ہے مثلاً طیار (تیار) او نپر (اوپر) وغیرہ۔ زبان و بیان سادہ، سلیس اور عام فہم ہے مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کریں:

"طالب علم کو لازم ہے کہ ان تینوں اقسام کے لوہے کی خاصیتیں ساتھ ہوشیاری کے ذہن نشین کر لیوے آیا کہ لوہے اجتماع یاد رکھے اور نیز طریقے کہ جن کے موافق اون سے کام

لے سکتے ہیں بمراد اس کے کہ ہر ایک حالت میں وہ اپنے کام کے لایق لوہے کو استعمال میں لاوے اور کل طلبہ اس کالج کے ہر ایک قسم کی چیزیں جو کہ رڑکی کے گودام میں ہمیشہ بنتی رہتی ہیں ملاحظہ کر سکتے ہیں اور وے ان کو بغور تمام ایک ہفتے بھر دیکھنے سے اتنا زیادہ سیکھ سکتے ہیں جتنا کہ مہینوں کتاب میں پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔"[۱]

قواعد حساب متعلقہ فنِ انجینیئرنگ

۸ء۱۵ × ۳ء۲۰ سینٹی میٹر سائز کے ۳۲ صفحات پر مشتمل یہ مختصر کتاب کرنیل اے۔ ایم۔ برنانڈ ریتھ پرنسپل طامسن کالج کی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے جسے لالہ جگ موہن لعل اسسٹنٹ ماسٹر رڑکی کالج نے سرانجام دیا۔ کتاب ٹائپ میں چھپی ہوئی ہے یہ کتاب طامسن کالج پریس رڑکی سے ۱۸۸۵ء میں طبع ہوئی۔ اس کتاب میں بیانِ قوت کھینچاؤ، بیان قوت دباؤ، بیانِ قوتِ جھکاؤ اور سوالات قوتِ آڑ کے عنوانات کے تحت بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے اختتام پر چار صفحات پر اسباق سے متعلق چند تصویریں بھی شامل کی گئی ہیں بیانِ قوت کھینچاؤ سے متعلق اقتباس مندرجہ ذیل ہے:

"دباؤ اور کھینچاؤ کی بہت ساری حالتیں مستعمل ہیں جو تجربوں سے دریافت کر کے اون کے نتائج مولسورتھ کی کتاب میں لکھے گیے ہیں یعنی وہ وزن جو ایک لکڑی کو جس کے تراش کی مساحت ایک مربع انچ ہو توڑ دے گا۔ ٹیبل جو اس کتاب میں مندرج ہیں دیکھو، ان سے معلوم ہو گا کہ قوتِ کھینچاؤ کھڑے ہوئے لوہے کی ۱۶ سے ۲۹ ٹن تک فی مربع انچ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک سلاخ کھڑے ہوئے لوہے کی جس کے تراش کی مساحت ایک مربع انچ ہو ۲۲ ٹن وزن بلا شکست ہونے کے برداشت کر سکتی ہے۔ فرض کرو کہ تم کو ایک وزن ۱۰۰ ٹن کا کسی قسم کے لوہے کی سلاخ پر کسی جگہ

۱۔ مجموعہ سامانِ عمارت، مترجم بہاری لال، روپ چند، بٹولال اور بابو کالی کرشنا، طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۸۱ء) ص ۱۱۹

لٹکانا منظور ہے پس مساحت تراش سلاخ کی ۲۲/۱ یا ۵ء۴ مربع ہونی چاہئے۔ اسی طور پر اگر تم کو لکڑی استعمال میں لانی ہے تو دریافت کرو گے کہ قوت لکڑی کی قریب ۱۲۰۰۰ پونڈ فی مربع انچ ہے۔ اب فرض کرو ۵ ٹن ہیں پس تم کو اسے وزن لٹکانے کے واسطے لکڑی ۵/۱ جس کی مساحت تراش ۲۰ انچ مربع ہو کام میں لانی چاہیئے۔"[1]

انجینیئرنگ سے متعلق مذکورہ کتاب میں عام معلومات اور ضروری حساب موجود ہے۔ جو ہر عہد میں اہمیت اور ضرورت کے اعتبار سے فائدہ بخش ہے اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انجینیئرنگ کے طلباء کے لیے اس کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ اور اس کو وہ بخوبی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

رسالہ نمبر نہم پلوں کے بیان میں

۱۶ × ۲۱ سینٹی میٹر سائز پر، ساٹھ صفحات پر مشتمل یہ کتاب طامسن کالج پریس رڑکی سے ۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ لالہ منولعل بہاری ہیڈ نیٹو ماسٹر طامسن کالج نے کیا۔

کتاب کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ۱۔ بیان تدبیرات عبور، ۲۔ بیچ ذکر پائیدار پلوں ۳۔ بیچ بیان چنائی کے پلوں ۴۔ بیچ بیان محرابوں اور ۵۔ بیچ بیان چوبی پلوں کے۔ کتاب کی زبان عام فہم اور سلیس ہے طرز اسلوب میں قدامت پائی جاتی ہے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل اقتباس رقم کیا جاتا ہے:

"ایک متحرک پل۔ کسی شے کو دریا میں بذریعہ لنگر کے اس طور پر قائم رکھنے سے بنتا ہے کہ صدمہ دھار کا اوس پر ترچھی رُخ پڑے کہ جس سے اوس شے کو دریا سے پار اُترنے کے لیے ایک زور دھار سے ملے۔ ایک کشتی (نقش چہارم کی شکل اوّل کو ملاحظہ کرو) بذریعہ ایک رسّے کے نقطہ ب پر ایک لنگر نما سے بے خطرہ باندھی ہوئی ہے۔ اب نقطہ س سے پار اُترنے میں

۱۔ قواعد حساب متعلقہ فن انجینیئرنگ، مترجم لالہ جگ موہن لعل، طامسن کالج پریس رڑکی (۱۸۸۵ء) ص ۱۳

وہ جلد دھار کی سمت یعنی خط ب د میں آجاوے گی اور اگر وہ وہاں سے ایک موقع کی ترچھائی پر کھینچ جاوے تو قوس کے اونچے حصے یعنی کنارے سی پر گزرے گی اور وہاں سے پھر اسی طور پر نقطہ س کو واپس آسکتی ہے یہ تدبیر ایک لمبے رستے سے بہ نسبت ایک چھوٹے رستے کے بہت آسانی سے ہو سکتی ہے کیونکہ تب وہ ایک بڑے دائرے کے قوس میں گزرے گی اور ایک چھوٹا رستا ہی استعمال میں لایا جاوے تو کشتی کو ص پر پہنچانے کے لیے فقط ج سے ج کی بلندی کے برابر اوپر کو چڑھنا پڑے گا اوس صورت میں اوس کو دھار کی بڑی مزاحمت برداشت کرنی پڑے گی سوائے اس کے اگر ب ص کو ب ھ اور ھ ص سے تبدیل کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ زور ب ھ ناؤ کو مقابل دھارے سہارتا ہے اور مرکز ب کی طرف وہ ایک بہت بڑے زور ھ ص سے سہارا پاتی ہے۔ اس واسطے یہ لازم آیا کہ حرکت ناؤ کی ایسی قوس میں ہونے نہ پاوے گی جو کہ °۹۰ سے بڑی ہوگی اور جبکہ یہ قاعدہ عمل میں آوے گا تو زاویہ اب سی °۴۵ سے کبھی بڑا نہ ہوگا اور زور ی و بہ نسبت و ب کے زیادہ ہوگا"[1]

مذکورہ کتاب فنِ انجینیرنگ اور پلوں کے خصوص میں قابل ذکر اہمیت کی حامل ہے۔ ہر موضوع خوبصورت عام فہم انداز میں پوری جزیات کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔

[1] رسالہ نہم پلوں کے بیان میں، مترجم لالہ بہاری لعل، طامسن کالج پریس رڑکی ۱۸۶۹ء، ص ۱۲-۱۱

باب ہفتم

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

اُردو زبان میں سائنسی موضوعات کو منتقل کرنے کا سلسلہ کافی قدیم ہے جس کی ابتدائی منظّم کوشش شمس الامراء کے عہد میں ہوئی اور اس کے تقریباً ایک صدی بعد حیدر آباد ہی کی سرزمین سے ایک اور اجتماعی منظّم کوشش نواب میر عثمان علی خاں کے عہد میں ہوئی جنہوں نے جامعہ عثمانیہ قائم کر کے اعلیٰ درجات تک اُردو ذریعۂ تعلیم کا آغاز کیا اور سائنسی موضوعات کو اُردو میں منتقل کرنے کے لئے دار الترجمہ قائم کیا۔

نواب میر محبوب علی خاں کے بیٹے میر عثمان علی خاں کی پیدائش ۳۰ر جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ مطابق ۶ر اپریل ۱۸۸۶ء بروز سہ شنبہ کو پُرانی حویلی، حیدر آباد میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مولوی نور اللہ خاں صاحب اور آقا سیّد علی شوستری نے دی۔ کرنل افسر الملک نے فوجی تعلیم گھوڑے کی سواری اور قواعد پریڈ کی خوب مشق کرائی۔ اپنے والد کے ساتھ اکثر سیر و سفر میں ساتھ رہتے تھے چنانچہ چودہ سال کی عمر میں کلکتہ کا سفر بھی کیا۔ ۱۳۲۲ھ میں اُن کی شادی ہوئی۔ ۸ر رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ مطابق ۲۹ر اگست ۱۹۱۱ء کو ستائیس سال کی عمر میں نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع تخت نشین ہوئے[1]۔ سلطان العلوم میر عثمان علی خان کے تخت نشین ہوتے ہی مصاحبت

---

1. The End of an Era : Hyderabad Memories, Bhartiya Vidya Bhavan, Bombay : 1957, p.25.

کی درباری بدعتیں ماند پڑنے لگیں کیونکہ عثمان علی خاں نے انھیں پسند نہ فرماکر علوم اور علمار کی حوصلہ افزائی کا شیوہ اختیار کیا۔ جس کی تصدیق محی الدّین قادری زورؔ کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے :

"سلطان العلوم کی جواں ہمتی اور بیدار مغزی نے حیدر آباد کو جلد جلد بدلنا شروع کیا .... اس میں رہنے والوں کے خیالات اور رجحانات میں بھی تبدیلی ہونا شروع ہوئی .... قدیم رسم و رواج کی خرافات کو دُور کرنے کی طرف توجّہ کی .... شاعروں اور ادیبوں پر بھی اس تبدیلی کا اثر پڑنا ضروری تھا ... جب کہ شعر و سخن کے مقابلے میں علم و فضل اور مذہب و اخلاق پر زور دیا جانے لگا۔"[۱]

تعلیمی سطح پر ایک اُردو یونیورسٹی، دارالترجمہ اور زرعی اصلاحات میں حیدر آباد کو تمام دوسری ریاستوں پر فوقیت حاصل رہی۔ آصفی حکمراں ابتدا ہی سے علم نواز اور ادب پرور رہے ہیں۔ ان حکمرانوں کا اثر حیدر آباد کے علماء، امرا اور رؤسا پر بھی پڑا۔ چنانچہ شمس الامرا کبیر ثانی کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سلطان العلوم میر عثمان علی خاں کے عہد میں سائنسی علوم کی طرف خصوصیت سے توجہ دی گئی اس عہد کے دو بڑے کارنامے تاریخ میں سنہرے باب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ پہلا کارنامہ "دارالترجمہ" کا قیام ہے اور دوسرا کارنامہ "جامعہ عثمانیہ" ہے۔ اس سے پہلے نہ صرف حیدر آباد بلکہ پورے ہندوستان میں کوئی ایسی یونیورسٹی نہیں تھی جہاں ہندوستانی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا گیا ہو۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی صرف نچلی سطح تک اُردو ذریعۂ تعلیم تھا اور کالج کی سطح پر دہلی کالج نے پیش قدمی کی تھی۔ لیکن اعلیٰ سطح پر اُردو ذریعۂ تعلیم ہندوستان میں کہیں نہ تھا۔

جامعہ عثمانیہ سے پہلے حیدر آباد میں "نظام کالج" اور "دارالعلوم" صرف دو ہی درس گاہیں تھیں۔ نظام کالج میں ذریعۂ تعلیم انگریزی تھا اور زیادہ تر اعلیٰ طبقے کے طلبا ہی داخلہ پا سکتے

۱۔ داستانِ ادبِ حیدر آباد، محی الدین قادری زورؔ، سب رس کتاب گھر حیدر آباد (۱۹۵۱ء) ص ۱۷۷

تھے۔ نظام کالج کے متعلق محمد اکبر حیدری لکھتے ہیں :

"اس سلسلہ میں اعلیٰ تعلیم کا مرکز ان ممالک میں صرف ایک نظام کالج ہے۔ اگرچہ اس کالج میں اعلیٰ قابلیت کے پروفیسر اور مدرس مقرر کئے گئے ہیں، مگر باوجود ان کی مساعی کے اہلِ ملک اس سے کافی طور پر مستفید نہیں ہو سکے۔ چنانچہ آٹھ سال (یعنی ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۴ء تک) کے عرصہ میں ۲۵۵ طالب علم داخل کالج ہوئے جن میں سے صرف ۱۳ طالب علموں نے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ باقی تقریباً ۹۵ فی صدی طلبا یا تو ناکامیاب رہے یا کالج چھوڑ کر چلے گئے۔"[۱]

دارالعلوم مشرقی انداز کا ادارہ تھا جہاں رائج الوقت تعلیم فقہ، فلسفہ اور مذہبیات سے متعلق تھی یہ ادارہ سرکارِ عالی نے خود قائم کیا تھا اور ادارہ کا مقصد حیدرآباد کی تمدنی اور معاشرتی، روحانی اور مادی ترقی کے لئے فضا ہموار کرنا تھا۔ دارالعلوم سے متعلق محمد اکبر حیدری نے لکھا ہے :

"…. اگرچہ یہ سلسلہ صحیح اصول پر مبنی ہے کیونکہ سرکارِ عالی کو اس کے نصابِ تعلیم، امتحانات، انتظامی و تعلیمی معاملات میں پورا اقتدار حاصل ہے اور رفتارِ زمانہ کے ساتھ اس میں اصلاحات کا کوئی امر مانع نہیں ہے لیکن عملاً اس کا دائرۂ افادہ اب تک محدود رہا ہے اور جو اصل غرض و غایت اس کے قیام سے تھی وہ پوری نہیں ہوئی۔"[۲]

حیدرآباد کا ماحول ایک یونیورسٹی کی ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ جس میں اعلیٰ سطح تک تمام علوم و فنون کی تعلیم اُردو میں ہو اور ہر طبقے کو تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع فراہم ہوں۔ اس قسم کی کوششیں میر عثمان علی خاں کے عہد سے پیشتر بھی کی جا چکی تھیں لیکن اُن کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تھا بقول پروفیسر محی الدین قادری زورؔ :

۱۔ احکام و کاغذات متعلقہ قیام جامعہ عثمانیہ، حمید احمد انصاری، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ص ۲
۲۔ رہنمائے دکن (گولڈن جوبلی جامعہ عثمانیہ خصوصی اشاعت، مضمون جامعہ عثمانیہ تاریخی جائزہ از پروفیسر ہارون خاں شیروانی)، حیدرآباد دکن ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۸ء

"حیدرآباد میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا خیال عہد مختارالملک میں پیدا ہو چکا تھا اور عہد آصف جاہ سادس میں دو چار مرتبہ تحریر و تقریر کے ذریعے سے اہلِ ملک نے اس اہم کام کی طرف توجہ دلائی مگر معلوم ہوتا ہے کہ وقت نہیں آیا تھا لہٰذا اس اہم کام کے سلسلے میں جتنی بھی تحریکیں کی گئیں وہ تمام جنگل کی آواز بن کر رہ گئیں "۔ [1]

میر عثمان علی خان کے عہد میں بھی ایسی تحریکیں اُن کی مسند نشینی کے بعد اُبھریں اور اس عہد کے جید اور قوم پرور علما جن میں مولوی اکبر الدین، ڈاکٹر رضی الدین، ملا عبد القیوم، عبد القدیر صدیقی، محمد مرتضیٰ، محمد مظہر اور مرزا محمد بیگ قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے بھی اس سلسلے میں کوششیں کیں انجمن ترقیِ اُردو اورنگ آباد (جس کے سیکریٹری بابائے اردو مولوی عبدالحق تھے) نے اس سلسلے میں بڑی کوشش کی۔ روزنامہ مشیرِ دکن ۱۸ر جولائی ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں مراسلات انجمن ترقی اُردو کی مجلس شوریٰ اور اُس کی روئیداد میں تحریر ہے :

"گزشتہ نصف صدی میں جو تغیرات اس ملک میں ہوئے اُن پر نظر ڈالتے ہوئے صاف نظر آتا ہے کہ اہلِ ہند کی مستقل باقاعدہ اور اعلیٰ درجہ کی ترقی کا بہت کچھ دارومدار زبانِ اُردو کی وسعت اور ترقی پر ہے "۔ [2]

اسی سلسلے میں ایک جگہ مزید وضاحت کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے :

"اِس ملک کی دفتری اور سرکاری زبان بھی اُردو ہے جس زبان کو دولتِ آصفیہ کی سرپرستی کا افتخار حاصل ہو اُس کی ترقی اور وسعت کے لئے اس ملک کے اعیان و اکابر اور دیگر خوش باش حضرات سے جس قدر بھی اعانت طلب کی جائے بجا اور درست ہوگا "۔ [3]

۱۔ عہدِ عثمانی میں اُردو کی ترقی ۔ محی الدین قادری زورؔ ۔ حیدرآباد ۱۹۳۴ء ص ۸۷

۲۔ مراسلات انجمن ترقی اُردو کی مجلس شوریٰ اور اُس کی روئیداد روزنامہ مشیر دکن ۱۸ر جولائی ۱۹۱۴ء

۳۔ اپیل منجانب کانفرنس ۔ روزنامہ مشیرِ دکن ۲۳ مئی ۱۹۱۴ء

اس طرح جامعہ عثمانیہ کے قیام اور اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے لئے مختلف کانفرنسوں ، ادبی جلسوں اور مباحثوں کا انعقاد کیا لیکن یہ کوششیں کبھی بارآور ثابت نہ ہوئیں البتہ لوگوں کے ذہن اس مقصد کے لئے آمادہ ہوگئے اور اُن میں یہ فکر پیدا ہوگئی کہ آخر یہ علما ایک اُردو یونیورسٹی کا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں ۔

رائے عامہ ہموار کرنے میں جن انجمنوں اور اداروں نے بھی حصہ لیا اُن میں سیاسی انجمنوں اور تحریکوں کے علاوہ ، حیدرآباد ایجوکیشنل سوسائٹی ، انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم حیدرآباد ، انجمن ترقیِ اُردو اورنگ آباد ، انجمن ثمرۃ الادب ، مجلس اشاعتِ علوم ، انجمن اسلامیہ ، اور انجمن ارباب اُردو وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔ ایجوکیشنل کانفرنس کے دستور میں علوم وفنون کی ترقی اور تالیف و ترجمہ کے لئے زور دیا گیا :

"(الف) علوم وفنون کے تراجم اردو زبان میں کیے جائیں ۔

(ب) حیدرآباد کی تاریخ اور جغرافیہ اُردو میں مرتب کرائے جائیں

(ج) ملک کی ترقی کے لئے ملکی زبان یعنی اُردو میں ایک موزوں و مناسب حال نصابِ تعلیم مہیا کیا جائے

(س) اپنی تعلیم اپنے ہاتھ ہونے کے لئے ایک یونیورسٹی کا قیام ۔" [۱]

ایجوکیشنل کانفرنس نے بہت سی تحریکیں چلائیں ۔ اس ادارہ کے صدر نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر تھے عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے سر اکبر حیدری نے ۱۹۱۷ء میں اسی غرض سے مندرجہ ذیل عرضداشت اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کی خدمت میں پیش کی :

"موجودہ طریقۂ تعلیم کی دورنگی اور بے اصولی کو مٹانے کے لئے اور اُن خطرات اور خطرناک نقائص کو رفع کرنے کے لئے جو موجودہ طریقۂ تعلیم نے پیدا کیے ہیں اور جو گھُن کی طرح ہمارے نظامِ تمدن و معاشرت وقوائے ذہنی وجسمانی کو اندر ہی اندر کھائے جارہے ہیں ۔ ہمیں ایک جدید یونیورسٹی کی ضرورت ہے جس کی بُنیاد

---

۱ ۔ دکن میں اُردو ۔ نصیرالدین ہاشمی ۔ نامی پریس لکھنؤ (۱۹۶۳ء) ص ۶۴۴

صحیح اصولِ تعلیم ملکی خدمات اور قومی خصائص پر قائم ہو جس میں قدیم و جدید دونوں خوبیوں سے فائدہ اُٹھایا جائے جو تعلیمی بھی ہو اور امتحانی بھی اور ساتھ ہی تالیف و ترجمہ کا کام بھی کرے اور ترتیبِ ذہن اور تحصیلِ علوم و فنون کے لئے اپنی زبان یعنی اُردو کو کام میں لائے ۔" ۱؎

اس عرض داشت کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا کیونکہ خواص نے اب عوام کی ترجمانی کی تھی اور عوام کی بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا دوسرے میر عثمان علی خاں خود بھی تعلیمی ترقی کے خواہاں تھے وہ شاعری سے زیادہ نثر اور ذہنوں کو بیدار کرنے والی نثری کتابوں کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے تھے بہر حال اس عرض داشت کو حضور نظام نے شرف قبولیت بخشا اور ۴ رجب المرجب ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۱۷ء کو ایک فرمان کے ذریعہ یونیورسٹی کے احکام صادر فرمائے جس میں انھوں نے لکھا :

"مجھے بھی عرض داشت اور یادداشت کی مصرحہ رائے سے اتفاق ہے کہ ممالک محروسہ کے لئے ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں جدید و قدیم مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور پر کیا جائے کہ موجودہ نظامِ تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمی و دماغی و روحانی تعلیم کے قدیم کو جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے ۔" ۲؎

اجازت کا فرمان صادر کرنے کے ساتھ ہی حضورِ نظام نے اس بنیادی اصول کی صراحت بھی کر دی جس پر پابندی کر کے ایک جدید یونیورسٹی کا خواب پورا ہو سکتا تھا انھوں نے اس کی وضاحت اسی فرمان میں اس طرح کی :

"اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہئے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اُردو قرار دی جائے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان

۱۔ دکن میں اُردو ۔ نصیر الدین ہاشمی ، نامی پریس لکھنؤ (۱۹۶۳ء) ص ۵۴۷

۲۔ احکام و کاغذات متعلقہ جامعہ عثمانیہ ، حمید احمد انصاری ، دار الطبع عثمانیہ حیدر آباد ص ۱

کے ہر طالب علم پر لازمی گردانی جائے لہٰذا میں بہت خوشی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ میری تخت نشینی کی یادگار میں حسبِ مذکورا صولِ محولۂ عرضداشت کے مطابق ممالک محروسہ کے لئے حیدر آباد میں یونیورسٹی قائم کرنے کی کارروائی شروع کی جائے اس یونیورسٹی کا نام (عثمانیہ یونیورسٹی) حیدر آباد ہوگا۔[1]

عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کا اعلان عوام کی فلاح و بہبودی اور تعلیمی معیار قائم کرنے کے لئے نیک فعال ثابت ہوا۔ اس کی منظوری ایسے جلیل القدر علماء کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ تھی جو دوررس نتائج پر نظر رکھنے والے تھے۔ اس یونیورسٹی کی منظوری کے ساتھ میر عثمان علی خان نے منشورِ خسروی (رایل چارٹر) جاری کیا:

"(۱) حیدر آباد دکن میں ایک جامعہ (یونیورسٹی) بنام "جامعہ عثمانیہ" یکم محرم الحرام ۱۳۳۷ھ سے قائم کی جائے۔

(۲) جامعہ عثمانیہ کا مقصد یہ ہے کہ مذہبی، اخلاقی، ادبی، فلسفی، طبیعی، تاریخی، طبّی، قانونی، زراعتی، تجارتی اعلیٰ تعلیم کا اور دیگر علوم و فنون و سودمند پیشوں اور صنعت و حرفت وغیرہ سکھانے اور ان سب میں تحقیقات و ترقی کا انتظام کرے۔

(۳) جامعہ عثمانیہ کی خاص خصوصیت یہ ہوگی کہ جملہ علوم کی تعلیم زبانِ اُردو میں دی جائے گی اور اسی کے ساتھ انگریزی زبان و ادب کی تعلیم بھی لازمی رہے گی۔"[2]

مندرجہ بالا منشور کی پابندی کے ساتھ مجوزہ عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام بخوبی عمل میں آیا لیکن اسی کے ساتھ سائنس کے مختلف مضامین نیز جدید علوم کی کتابوں کی اُردو میں فراہمی کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ جامعہ عثمانیہ کے لئے ہندوستان کے بہترین اساتذہ کا انتخاب کیا

۱۔ عہدِ عثمانی میں اُردو کی ترقی۔ محی الدین قادری زور، حیدر آباد (۱۹۳۴ء) ص ۹۲

نیز ملاحظہ ہو: احکام و کاغذات متعلقہ قیامِ جامعہ عثمانیہ۔ حمید احمد انصاری۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ ص ۱

۲۔ احکام و کاغذات متعلقہ قیام جامعہ عثمانیہ۔ حمید احمد انصاری۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد ص ۹۵

نیز ملاحظہ ہو: داستانِ ادبِ حیدر آباد۔ محی الدین قادری زور، سب رس کتاب گھر حیدر آباد (۱۹۵۱ء) ص ۱۸۸

گیا ان میں سے اکثر اساتذہ درس و تدریس کے علاوہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے سبب کافی مشہور تھے اور اُن کی تصنیفات حیدرآباد کی علمی و ادبی فضا میں بالیدگیِ علم کی ایک عمدہ مثال سمجھی جاتی تھیں۔

ابتدا میں انفرادی طور پر بہت سے اساتذہ کتابیں لکھتے تھے اور غیر ملکی کتابوں سے تراجم کرا کے اُردو کی کتابوں کا ذخیرہ پیدا کرتے رہے تھے ان اساتذہ کے فیضانِ صحبت سے طلبا میں بھی اردو ادب کا شوق و ذوق پیدا ہوا اور اُردو کی خدمت کرنے کا جذبہ بیدار ہوا۔ جامعہ عثمانیہ کے علاوہ ریاست کی تعلیمی ضرورت کے پیشِ نظر متعدد کالج کھولے گئے۔ چنانچہ شہر میں سٹی کالج کا قیام عمل میں آیا۔ طبی ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ۱۹۲۹ء میں ایک میڈیکل کالج قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ ورنگل، اورنگ آباد اور گلبرگہ میں بھی کالج کھولے گئے۔

جدید اور سائنسی تعلیم کو اُردو میں رائج کرنے کے لئے انجینیرنگ کالج ۱۹۱۷ء میں کھولا جا چکا تھا اور بعد میں میڈیکل کالج نے اہم رول ادا کیا۔ یہاں تمام مضامین فزکس، کیمسٹری، میڈیسن وغیرہ سبھی اُردو زبان میں پڑھائے جاتے تھے۔ یہاں کے اساتذہ میں اُردو کی خدمت کا جذبہ موجود تھا اس طرح اِن حضرات نے انفرادی اور مجموعی طور پر سائنسی مضامین کو اُردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی اور یہ ثابت کر دیا کہ اُردو حسن و عشق اور گل و بلبل کی قصیدہ خوان اور شعر و نغمہ کی شاعرانہ زبان ہی نہیں ہے بلکہ اس میں سائنسی مضامین کو احاطہ کرنے کی صلاحیت و وسعت بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔

سلطان العلوم میر عثمان علی خاں کا سب سے اہم کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے محسوس کیا کہ اُردو بھی دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی صف میں کھڑی ہو سکتی ہے اور جدید اور سائنسی علوم سے اپنی تنگ دامنی کو بھر سکتی ہے بقول مولوی عبدالحق:

"اس امر کو اعلیٰ حضرت واقدس نے پہچانا اور جامعہ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ جامعہ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعۂ تعلیم ... اردو ہوگی"[۱]

۱۔ مقالات عبدالحق، عبادت بریلوی، اردو مرکز لاہور (۱۹۶۴ء) ص ۵۳۰

اگرچہ جامعہ عثمانیہ کی تعلیمی جماعتیں ۷، اگست ۱۹۱۹ء سے شروع کر دی گئی تھیں، لیکن اُردو کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم کے لئے نصابی کتابوں کا مسئلہ درپیش ہونے کے سبب تقریباً ۴ سال کے عرصہ کے بعد "بی، اے" کا پہلا امتحان ۱۹۲۳ء میں لیا گیا جس میں ۲۷، افراد امیدوار کامیاب ہوئے۔ [1]

جب اہلِ اُردو نے اعلیٰ حضرت کی اُردو سے دلچسپی دیکھی تو انھیں بھی اپنی ادبی اور علمی ضرورتوں کا احساس ہوا۔ لہٰذا بعض اربابِ ذوق نے سنہرے موقع سے فائدہ اٹھا کر علوم و فنون اور سائنسی کتب کو اُردو میں منتقل کرنے کے لئے دارالترجمہ (سررشتۂ تالیف و ترجمہ) کے قیام کی درخواست پیش کی۔ چونکہ ترقی یافتہ اقوام کے کارناموں سے فائدہ اٹھانے کا رجحان خود اُن کے مزاج میں بھی شامل تھا لہٰذا انھوں نے دارالترجمہ کی منظوری دے دی:

"نواب میر عثمان علی خاں نے، جس کی علمی قدردانی اور علمی سرپرستی اس زمانے میں احیائے علوم کے حق میں آبِ حیات کا کام کر رہی ہے، بہ تقاضائے مصلحت و دوربینی سب سے اوّل سررشتۂ تالیف و ترجمہ (دارالترجمہ) کے قیام کی منظوری عطا فرمائی جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرے گا بلکہ ملک میں نشر و اشاعت علوم و فنون کا کام بھی انجام دے گا۔" [2]

دارالترجمہ کے قیام کے سلسلے میں میر عثمان علی خاں کی منظوری سے اہلِ اُردو میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اُردو حلقوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ مقامی اخبار "صحیفہ" میں مشتہر ہوئی خبر کے مطابق:

"عثمانیہ یونیورسٹی کے لئے امتحاناً ایک سال کے لئے سررشتہ (تالیف و ترجمہ) کے قیام کی منظوری صادر ہوئی۔ سررشتہ مذکورہ کا صرفہ سولہ ہزار روپے ہوگا جو بتدریج چوالیس ہزار سے اسّی ہزار تک متجاوز ہو سکے گا۔" [3]

۱۔ داستانِ ادب حیدرآباد، محی الدین قادری زورؔ، سب رس کتاب گھر حیدرآباد (۱۹۵۱ء) ص ۱۸۹

۲۔ مقدمات عبدالحق، ڈاکٹر عبادت بریلوی، اُردو مرکز لاہور (۱۹۶۳ء) ص ۵۳۸

۳۔ منشور خسروی، بحوالہ روزنامہ "صحیفۂ ادب" حیدرآباد ۲۴، اگست ۱۹۱۷ء

نیز ملاحظہ کریں: احکام و کاغذات متعلقہ قیام جامعہ عثمانیہ، حمید احمد انصاری، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، ص ۹۵

حیدر آباد میں جدید علوم فنون کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کی طرف توجہ سب سے پہلے شمس الامراء امیر کبیر ثانی کے عہد میں کی گئی اس بیدار مغز علم دوست اور عالمانہ ذوق رکھنے والے امیر نے نہایت وسیع پیمانے پر نہ صرف شعر و ادب کی سرپرستی کی بلکہ سائنسی اور فنی کتب کا ذخیرہ بھی جمع کیا۔ دارالترجمہ سے متعلق بہت سی تحریکیں مولوی عبدالحق، بابو گیا پرشاد، پنڈت کیشوراؤ اور محمد مظہر وغیرہ نے سلطان العلوم میر عثمان علی خاں کی خدمت میں پیش کی تھیں اور اُن کی کوششیں بھی اس سلسلے میں ممد و معاون ثابت ہوئیں بقول عبدالقادر سروری :

"منشورِ خسروی (رایل چارٹر) جامعہ عثمانیہ ۱۹۱۸ء .... بالآخر حضرت غفران مکان نواب سر سالار جنگ بہادر، علامہ شبلی، نواب عماد الملک، ملا قیوم مرحوم، مولوی مرتضیٰ مرحوم اور مسٹر آرتھر ہو، کے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔"[۱]

واضح ہو کہ اس تحریک میں صرف مسلمان یا ہندوستانی علما ہی نہیں بلکہ غیر ملکی علماء بالخصوص انگریز رزیڈنٹ بھی پیش پیش رہے۔ اوّل اوّل دارالترجمہ کے ذریعے صرف مغربی اور سائنسی تصانیف کے تراجم کا انتظام کیا گیا بعد میں فارسی کی مشہور کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے۔

دارالترجمہ کا قیام یونیورسٹی کے قیام سے پہلے ہی کر دیا گیا تھا تاکہ طلبا جوں جوں اعلیٰ درجوں تک پہنچتے جائیں اُن کی نصابی کتابیں اُردو میں مہیا ہو سکیں۔ اس بات کا تذکرہ عبدالقادر سروری نے بھی کیا ہے :

"جدید اور سائنٹفک درسیات کی کتابوں کا ترجمہ اور اُن کی اشاعت کا انتظام کرنے کے لئے ۱۴ راگست ۱۹۱۷ء کو شاہی فرمان جاری ہوا اور جامعہ عثمانیہ سے قبل ۱۶ ستمبر ۱۹۱۷ء میں دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا۔"[۲]

اس بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ یونیورسٹی کے قیام پر ۱۹۱۸ء سے عمل درآمد شروع ہوا۔ اگرچہ یونیورسٹی کے قیام کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ کچھ محقق یونیورسٹی کے قیام کو ۱۹۱۷ء

۱۔ حیدر آباد کی تعلیمی ترقی گذشتہ ربع صدی میں، عبدالقادر سروری، حیدر آباد ۱۹۳۴ء ص ۸۸

۲۔ رہنمائے دکن (گولڈن جوبلی جامعہ عثمانیہ، خصوصی اشاعت، مضمون جامعہ عثمانیہ تاریخی جائزہ از پروفیسر [illegible] شریف [illegible])، حیدر آباد دکن ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۸ء

سے مانتے ہیں اور فرمان کی رُو سے بھی ۱۹۱۷ء ہی ثابت ہوتا ہے لیکن اتنے بڑے کام کے لیے کچھ نہ کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے اس بات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ۱۹۱۸ء ہی قرینِ قیاس اور حقیقت پر مبنی سال قرار دیا جاسکتا ہے اور دارالترجمہ کا قیام ۱۴ر اگست ۱۹۱۷ء بالکل صحیح ہے۔

ابتدا میں دارالترجمہ کی نظامت مولوی عبدالحق کے سپرد کی گئی۔ اگرچہ شروع میں صرف مغربی زبانوں کی کتابوں کے تراجم کئے گئے لیکن حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں اس بات کی طرف توجہ دی گئی کہ صرف مغربی کتب ہی اُردو میں ترجمہ نہ کی جائیں بلکہ عربی، فارسی اور مشرقی علوم کی کتابیں بھی اُردو میں منتقل کی جائیں۔ بقول ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ:

"اس کانفرنس کی رائے میں سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے ذریعے سے علوم شرقیہ کے لیے بھی اُن کے اصلی مآخذوں سے اُردو میں ترجمہ و تالیف کا انتظام ہونا چاہیے۔" [۱]

ایجوکیشنل کانفرنس کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے ۱۹۳۶ء میں مشرقی علوم کی کتابوں کے ترجموں پر بھی توجہ کی گئی اور عربی اور فارسی کی مستند اور قلمی کتابیں بھی اُردو میں ترجمہ کی گئیں۔ اس کام کے لئے نواب حیدر یار جنگ، نظم طباطبائی، مولوی عبداللہ عمادی، مولوی ابوالخیر مودودی اور مولوی سید ابراہیم ندوی جیسے عربی اور فارسی کے علماء کا تقرر کیا گیا۔ مولوی عبدالحق سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے ناظم کی حیثیت سے ۱۹۳۶ء تک رہے اس کے بعد مولوی عنایت اللہ دارالترجمہ کے ناظم مقرر کئے گئے اور اُن کی نیابت کے لئے ڈاکٹر فرحت علی صدر میڈیکل کالج حیدرآباد کو منتخب کیا گیا۔

دارالترجمہ کے قیام کے مقاصد بہت وسیع تھے جن میں سب سے زیادہ اہمیت اس امر کو دی گئی کہ سائنس اور جدید علوم کو اُردو میں ترجمہ کرنے میں اوّلیت حاصل ہو۔ دوسرے تراجم کی اشاعت کا مقصد اُردو زبان کو مغربی ذخیرہ سے فیض پہنچانا تھا۔ روزنامہ صحیفۂ ادب کی خبر کے مطابق:

"سائنس، کیمسٹری، طبیعات، اقتصادیات یہاں تک کہ عام علوم جدیدہ کا ترجمہ

۱۔ عہدِ عثمانی میں اُردو کی ترقی۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، حیدرآباد، ۱۹۳۴ء، ص ۱۰۹

اردو میں کیا جائے گا اور پھر اُن کے ساتھ ساتھ علومِ قدیمہ کی تحقیق و تکمیل سے بھی اُردو کا دامن خالی نہیں رکھا جائے گا۔" ۱؎

ہندوستانی اقوام اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے یہی ایک ایسا ذریعہ تھا جو ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلنے کے قابل بنا سکتا تھا۔ قوموں کا عروج و زوال صرف سیاسی اقتدار پر ہی مرکوز نہیں ہے بلکہ قوم کی اپنی سوجھ بوجھ اور علم و ہنر پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر کشادہ ذہن رکھتی ہے۔ کشادہ ذہنی کے لیے علم اور خصوصاً جدید علم سے واقف ہونا از حد ضروری ہے تاکہ روز مرّہ کی ضروریات پر یہ علم اثر انداز ہو کر جینے اور زندگی گزارنے کا سلیقہ فراہم کر سکے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

"جب قوم میں جدّت اور اُپج نہیں رہتی تو ظاہر ہے اس کی تصانیف معمولی، ادھوری، کم مایہ اور ادنیٰ ہوں گی۔ اس وقت قوم کی بڑی خدمت یہی ہے کہ ترجمے کے ذریعے سے دنیا کی اعلیٰ درجے کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں یہی ترجمہ خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے اور قوم میں ایک نئی حرکت پیدا ہوگی ایسے وقت میں ترجمہ، تصنیف سے زیادہ قابلِ قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔" ۲؎

زبان خیال اور خیال زبان ہے اور ایک مدّت کے بعد تمام اہلِ علم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم، زبان کی تاریخ کے مطالعے سے ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں ویسی ہی مدد دیتے ہیں جس طرح آنکھیں دیکھنے میں، اس لئے زبان کی ترقی کو عقل کی ترقی سے منسوب کیا گیا ہے۔ اسی غرض سے سررشتۂ تالیف و ترجمہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

اُردو میں سائنسی ادب کو منتقل کرنے کی یہ اجتماعی اور مثالی کوشش ہے جو دارالترجمہ سے پیش تر کہیں نہیں ملتی۔ اس ادارہ نے وہ علمی و فنی کارہائے نمایاں انجام دیے جن سے اُردو کی

۱۔ روزنامہ صحیفۂ ادب، ایڈیٹر مولوی اکبر علی، حیدر آباد ۳ ستمبر ۱۹۱۷ء

۲۔ مقدمات عبدالحق، ڈاکٹر عبادت بریلوی، اُردو مرکز لاہور (۱۹۶۴ء) ص ۵۲۸

بے سروسامانی اور تہی دامنی کے بادل چھٹتے ہوئے نظر آنے لگے۔ علم و ادب کے اس گہوارے کے متعلق مختلف لوگوں نے مختلف نام دیے۔ کسی نے اُسے دار التصنیف و ترجمہ، کسی نے دار الترجمہ[1] اور کسی نے سررشتۂ تالیف و ترجمہ[2] کے نام سے یاد کیا۔ دراصل ابتدا میں یہ ادارہ سررشتۂ تالیف و ترجمہ کی حیثیت سے ہی منظر ادب پر جلوہ گر ہوا بعد میں اُس نے دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ کی شکل اختیار کر لی۔

جامعہ عثمانیہ (اُردو ذریعۂ تعلیم) اور دار الترجمہ کا قیام عمل میں آتے ہی مختلف حلقوں سے اعتراضات بھی کیے جانے لگے۔ عام لوگوں خصوصاً شہریوں کے اعتراضات کی ترجمانی مولوی عبدالحق نے ان الفاظ میں کی :

"جب تعلیم کا ذریعہ اُردو قرار دیا گیا تو کھلا اعتراض یہ تھا کہ اُردو میں اعلیٰ تعلیم کے لیے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے ؟ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ اُردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے۔" [3]

اُردو داں طبقے کا خیال تھا کہ اُردو صرف شعر و شاعری کی زبان ہے اور اس زبان میں سائنسی اور فنی علوم کا اظہار اور اُن کی نشر و اشاعت ناممکن ہے۔ دوسرے عام رجحان یہ بھی تھا کہ اُردو میں اتنی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ جدید اور سائنسی علوم کا اس میں احاطہ کیا جا سکے۔ اس عہد میں کوئی یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ زبان کو غریب یا امیر، پست یا بلند کرنے میں کوششوں کو بھی دخل ہے بقول مولوی عبدالحق :

"یہ طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد کہاں سے آتی جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیونکہ مہیا ہوتیں۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی ہے تو علوم و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا۔" [4]

۱۔ داستانِ ادب حیدرآباد، ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، حیدرآباد (۱۹۵۱ء) ص ۱۸۷

۲۔ مقدمات عبدالحق، ڈاکٹر عبادت بریلوی، اُردو مرکز لاہور (۱۹۶۴ء) ص ۵۲۷

۳۔ اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ، مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اُردو پاکستان (۱۹۲۹ء) ص ۹

۴۔ مقدمات عبدالحق، ڈاکٹر عبادت بریلوی، اُردو مرکز لاہور (۱۹۶۴ء) ص ۵۳۱

جب کسی زبان کو ایسی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو حالات اور ذہن و فکر کی راہیں خود بخود رہنمائی کرتی ہیں اور کوئی نہ کوئی راستہ نکل آتا ہے۔ تنہا آدمی کے بھٹکنے کا خوف ضرور رہتا ہے لیکن اگر پورا قافلہ ہمراہ ہو تو دلیل کے ساتھ منزل کا تعین اور راستے کا انتخاب ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی پورا قافلہ دارالترجمہ جیسے ادارہ کو بھی میسّر آیا۔ ابتدا میں اصطلاحات کی کمی کے باعث مغربی کتب کے تراجم کے سلسلے میں دشواریاں بھی پیش آئیں۔ ہاشمی فرید آبادی کے الفاظ میں:

"اُردو میں اعلیٰ مغربی تعلیم دلانے میں سب سے بڑی دشواری یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں سائنس کی جدید اصطلاحات موجود نہیں ہیں حالانکہ جب کسی زبان میں تعلیم دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو کتابوں کے ترجمے کے ساتھ اصطلاحات کا عقدہ بھی کسی نہ کسی طرح حل ہو ہی جاتا ہے۔" [۱]

اصطلاح کی ضرورت ایسی نہیں ہے جس سے لوگ ناواقف ہوں اگر اصطلاحیں نہ ہوں گی تو ہم علمی مطالب کے ادا کرنے میں اور اُن کے مفہوم کو واضح کرنے میں ناکام رہیں گے اور طویل جملوں میں مافی الضمیر ادا کرنا پڑیں گے اور اُن کو بار بار دُہرانے میں یقیناً دقت پیش آئے گی مثلاً ہم رات کو رات نہ کہہ کر یہ کہیں کہ "وقت کا وہ حصّہ جب سورج غروب رہتا ہے" تو جملہ طویل بھی ہوگا اور اُس کی تکرار بھی بارِ سماعت ہوگی جب کہ صرف "رات" کہہ دینے سے یہ تصوّر خود پیدا ہو جاتا ہے کہ سورج غروب ہے۔ پروفیسر وحید الدّین سلیم کے مطابق:

"اصطلاحیں درحقیقت اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو فوراً منتقل کر دیتے ہیں۔" [۲]

جب زبان ایجاد نہیں ہوئی تھی تو آوازوں کی جگہ اعضائی اشاروں سے کام لیا جاتا تھا اور بعض دفعہ ان اشاروں کا مطلب کچھ کا کچھ سمجھ لیا جاتا تھا جس کے سبب ترسیل کا مسئلہ اطمینان بخش نہ تھا۔ آہستہ آہستہ انسان مہذّب اور متمدن ہوتا گیا اور اس نے اپنے

۱۔ دکن میں اُردو، نصیر الدّین ہاشمی۔ نامی پریس لکھنؤ (۱۹۶۳ء) ص ۵۵۷

۲۔ وضع اصطلاحات، وحید الدّین سلیم۔ حیدرآباد (۱۹۳۱ء) ص ۲

اظہار کے لیے آوازا ور الفاظ کا سہارا بھی ڈھونڈھ لیا۔ اور الفاظ کے ذریعے ہی زبانیں وجود میں آئیں۔ جس زبان میں جس قدر زیادہ الفاظ ہوں گے اتنی ہی زیادہ اُسے ترقّی یافتہ سمجھا جائے گا۔ بہرحال الفاظ کی حیثیت مسلّم ہے بقول مولوی عبدالحق :

"الفاظ بھی ایک طرح انسان کی طرح جاندار ہیں وہ بھی انسان کی طرح پیدا ہوتے، مرتے، بڑھتے اور گھٹتے ہیں۔ ہر لفظ اپنے ساتھ ایک تاریخ رکھتا ہے جو خود اس کی ذات میں پنہاں ہے۔ وہ گذشتہ زمانے کی تہذیب اور معاشرت کی یادگار ہے وہ قومی ترقّی کے ساتھ ترقّی کرتا اور قومی تنزّلی کے ساتھ تنزّل کرتا ہے ..... ہر لفظ زبان میں ایک منصب رکھتا ہے اور اُس کے صحیح استعمال پر وہی قادر ہو سکتا ہے جو اُس کی سیرت سے آگاہ ہے۔" [۱]

بہرحال ہماری ترقی کے لئے اور شائستہ و مہذّب اقوام میں نمائندگی کے لیے ضروری ہے کہ ہم جدید علوم کے حصول کو زندگی کا اہم مقصد سمجھیں اور اپنی زبان کو اصطلاحات اور نئے نئے جدید الفاظ سے آراستہ کر کے اُس کی وسعت میں اضافہ کرتے رہیں۔

اس مقصد کے پیشِ نظر دارالترجمہ میں مجلس وضعِ اصطلاحات قائم کی گئی۔ یہ مجلس جمہوری اصولوں پر کام کرتی تھی۔ پارلیمینٹ کی طرح اس کے دو بڑے گروہ تھے جس میں زبان اور علم کا صحیح مذاق رکھنے والے بزرگ شامل تھے۔ یہ مسئلہ کثرتِ رائے سے طے کر لیا گیا :

"انگریزی زبان کی اصطلاحیں بجنسہٖ یا کسی تغیّر و تبدّل کے ساتھ اُردو زبان میں نہ لی جائیں بلکہ انگریزی علمی اصطلاحات کے مقابلے میں اردو کی علمی اصطلاحات وضع کی جائیں۔" [۲]

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے قیام سے قبل فورٹ ولیم کالج، شمس الامراء، دہلی کالج علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی وغیرہ نے مغربی کتابوں کے اُردو ترجموں کے لیے جو کوششیں کیں

۱۔ اذکارِ عبدالحق، آمنہ صدّیقی، موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی (۱۹۷۹ء) ص ۲۰

۲۔ وضعِ اصطلاحات، وحیدالدین سلیم، حیدرآباد (۱۹۳۱ء) ص ۷

وہ سب وقتی، عارضی اور چھوٹے پیمانے پر تھیں۔ اُن میں سے اکثر اداروں کا مقصد صرف یہ تھا کہ اُردو دانوں کو جدید مغربی علوم سے ایک حد تک واقف کرایا جائے۔ اُن میں سے کسی نے بھی اعلیٰ درجہ کی کسی تصنیف پر توجہ نہیں کی کیونکہ ان اداروں کو جامعہ عثمانیہ جیسے بڑے ادارہ کی طرح بڑی سرپرستی نہ ملی تھی۔ اس سبب اُن کی تصنیفات کو وہ قبولیت نہ مل سکی جو دارالترجمہ کی مطبوعات کو میسّر آئی دوسرے اس عہد کے مترجمین نے اُردو الفاظ کے مفہوم کا تعین کرنے اور زبان کو سائنسی اصطلاحات سے آراستہ کرکے ترجمے کے مستقل اصول اپنانے کے لیے کوشش کبھی نہیں کی۔ ان اداروں کو اقتصادی پریشانیاں بھی لاحق رہیں جس کے سبب علمار نے بھی اس پر توجہ کم ہی کی، علمار سائنس وعلوم اور ماہرین زبان ولسان کی ایسی متحدہ خدمات کبھی نہ مل سکی تھی جو اس ادارہ کو میسّر آئیں۔

دارالترجمہ کی اصطلاحات سازی کے دو بڑے گروہوں میں سے ایک گروہ کی رائے تھی:

"تمام اصطلاحی الفاظ عربی زبان سے بنانے چاہئیں۔"[1]

جب کہ دوسرے گروہ نے مختلف سمت میں رہنمائی کی یہ گروہ اُن تمام زبانوں کے الفاظ کو استعمال میں لانا چاہتا تھا بقول وحید الدّین سلیم:

"جو اُردو زبان میں بطور عنصر کے شامل ہیں (یعنی عربی، فارسی، ہندی) اور ان لفظوں کی ترکیب میں اُردو گرامر سے مدد لینی چاہیئے۔"[2]

پہلے گروہ نے اپنے نظریات کی تائید میں دو دلیلیں پیش کیں۔

اوّل یہ کہ عربی مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اور اس سبب وہ تمام مسلمان قومیں جو دنیا کے مختلف حصّوں میں آباد ہیں۔ اس زبان سے یکساں طور پر مانوس ہیں۔ اگر اس زبان کے الفاظ سے اسی زبان کے قواعد کے مطابق علمی اصطلاحیں بنائی گئیں تو دنیا کے تمام مسلمان

۱۔ وضعِ اصطلاحات، سید وحید الدّین سلیم، حیدر آباد (۱۹۳۱ء) ص ۸

۲۔ اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ، مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اُردو پاکستان (۱۹۴۹) ص ۴۱

ان کو آسانی اور دلچسپی کے ساتھ قبول کرلیں گے اور جس طرح یورپ کی علمی زبان تمام ممالک یورپ کے لئے ایک بین قومی زبان ہے اسی طرح ہماری زبان بھی تمام مسلمانوں کے لیے ایک بینِ قومی زبان ہوگی۔

دوسری دلیل یہ تھی کہ عربی پہلے سے علمی زبان ہے۔ مسلمانوں کے تمام علمی کارنامے جو انھوں نے زمانۂ سابقہ میں سرانجام دیے تھے اس زبان میں جمع ہیں۔ اگر جدید علمی اصطلاحیں بھی اس زبان کے الفاظ سے اور اسی زبان کے قواعد کے مطابق وضع کی جائیں تو اس میں کافی قابلیت اس سلسلے میں موجود ہے۔

گروہ اوّل کی دلیل جس نظریے کی حمایت میں پیش کی گئی ہیں وہ صرف ایک قوم یعنی مسلمانوں کو مدِ نظر رکھ کر پیش کی گئی ہیں جب کہ کسی زبان کو ترقی یافتہ بنانے کے سلسلے میں یہ دلیل نامناسب ہے اور زبان کے حق میں بہتر نہیں ہے ہاں صرف مسلمانوں کے جذبات کو ضرور اچھا تأثر بخشتی ہے جبکہ دوسرے گروہ نے اپنے نظریات کی تائید میں کئی معقول دلیلیں پیش کی ہیں۔

دوسرا گروہ اپنی پہلی دلیل کے بارے میں کہتا ہے کہ کسی زبان کی ترقی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس زبان میں غیر زبانوں کے بے شمار الفاظ بجنسہٖ بغیر کسی تصرّف کے داخل کر دیے جائیں۔ زبان کی ترقی اسی حالت میں ترقی کہلا سکتی ہے جب کہ وہ تمام الفاظ جو اس میں بڑھائے جائیں اس زبان کی قدرتی ساخت اور اس کی اصلی قواعد کے اعتبار سے بنائے گیے ہوں اور ان الفاظ کے مادّے انھیں زبانوں سے لیے گئے ہوں جو اس زبان کی بناوٹ اور ترکیب میں قدرتی طور سے دخل رکھتی ہوں۔ اُردو زبان میں علمی اصطلاحات وضع کرنا اسی حالت میں اس زبان کی ترقی کا باعث ہو سکتا ہے جب کہ اس اصول پر عمل کیا جائے۔

دوسری دلیل میں اس گروہ کا خیال ہے کہ عربی زبان میں بلاشبہ مفرد مادّوں کی افراط ہے اور اس لحاظ سے یہ زبان ایک اعلیٰ درجہ کی زبان ہے مگر جب کہ اُردو زبان کے قدرتی عنصر عربی، فارسی، اور ہندی زبانیں ہیں تو ان میں سے کسی ایک زبان پر قناعت کرلینا اپنے لیے ترقی کے دائرے کو محدود کر دینا ہے۔ ہم جو نئے الفاظ بنائیں اُن کے مادّے تینوں زبانوں

سے لیں اور اپنی زبان کو ترقی کی اسی طبعی رفتار پر آگے بڑھنے دیں جس پر کہ وہ آج تک چلتی اور آگے بڑھتی رہی ہے۔

تیسری دلیل کے جواز میں یہ گروہ کہتا ہے کہ اُردو زبان میں ہندوستان کے مختلف باشندوں نے اپنی زبان کے الفاظ حسب ضرورت شامل کیے ہیں اور اس طرح یہ زبان ان تمام گروہوں کے لیے ذریعۂ فہم و تفہیم بن گئی ہے۔ اگر ہم کسی ایک گروہ کی زبان مثلاً عربی کے الفاظ اس میں کثرت سے شامل کریں تو دوسرے گروہوں کے لیے وہ ذریعۂ فہم و تفہیم نہیں رہے گی۔

اپنے چوتھے اور آخری جواز میں یہ گروہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں مدتِ دراز سے دو زبانیں ذریعۂ تعلیم رہی ہیں۔ ہندوؤں کے لیے سنسکرت اور مسلمانوں کے لیے عربی مگر اب ہم اُردو زبان کو ذریعۂ تعلیم ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ اس بنا پر نہ تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ سنسکرت کی اصطلاحوں سے اپنی زبان کو بوجھل کریں اور مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کریں اور نہ اس بات کو مناسب سمجھتے ہیں کہ تنہا عربی سے تمام اصطلاحیں لے کر ہندوستان کے دوسرے گروہوں کے لیے اپنی زبان کو نامانوس اور اجنبی ہونے دیں۔ ہمارے نزدیک اصطلاحیں وضع کرنے میں ان تمام زبانوں سے کام لیا جائے جو اس زبان کی ترکیب میں طبعی طور پر پہلے سے موجود ہیں۔

اس طرح یہ دونوں گروہ اپنے نظریات اور خیالات کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف ثابت ہوئے۔ نتیجہ کے طور پر دونوں گروہوں میں خوب گرما گرم بحث ہونے کے بعد کچھ اصول وضع کیے گئے۔ جس میں دونوں گروہوں کے جذبات اور زبان کی ساخت کے سلسلے میں اس کی فطری ضرورت کو مدِ نظر رکھا گیا۔ ہر فن کے لئے وضعِ اصطلاحات کے لیے ایک ذیلی مجلس مقرر کی گئی۔ مختلف علوم و فنون کے اعتبار سے مجلسیں اپنے اجلاس منعقد کرتی تھیں جس میں متعلقہ فن اور لسانیات کے ماہر پورے غور و خوض سے بحث و مباحثہ کے ذریعے اصطلاحی الفاظ وضع کرتے تھے ہر لفظ کو مختلف پہلوؤں سے پرکھا جاتا تھا۔ دوسری زبانوں کے الفاظ کو اُردو کی خراد پر چڑھا کر محل وقوع اور ساخت کے اعتبار سے مختلف سانچوں میں ڈھال کر مثالوں کی کسوٹی پر پرکھا جاتا اور کسی اصطلاح کو جب ہی منظور کیا جاتا جب وہ پرکھ کی کسوٹی پر

کندن محسوس ہوتی۔ مجلسِ وضع اصطلاحات کے بارے میں نصیر احمد عثمانی کا بیان ہے:

"الفاظ کی پہلے سے فہرست تیار کر لی جاتی تھی اور ہر رکن کے پاس بھیج دی جاتی تھی لہٰذا جب وہ لفظ پیش کیا جاتا تھا تو اس کا ترجمہ بھی پیش کیا جاتا تھا اس ضمن میں اگر کسی کو اعتراض نہ ہوتا تو وہ لفظ مع ترجمہ صدر نشین مجلس ایک رجسٹر میں درج کر لیتے اور دوسرے لفظ پر بات ہوتی۔ اگر کوئی لفظ ایسا آتا کہ مختلف ترجمے پیش ہوتے تو اُن پر بحث ہوتی اور جو طے پاتا اُسے درج کر لیتے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی لفظ نے طول پکڑا تو ایک گھنٹہ سے زائد صرف ہو جاتا" [۱]

اصطلاح بناتے وقت جس زبان کا لفظ ہوتا اس زبان میں اس کے سابقے، لاحقے، مصدر، مفرد، جمع، جمع الجمع، اصطلاحات مشتقات، نیم سابقے، نیم لاحقے کے اصول کے ماتحت بحث کی جاتی۔ مفرد اصطلاحیں بنانے کے لیے زبان کے قدرتی عناصر یعنی ہندی، فارسی اور عربی اور کبھی کبھی ترکی زبان کے الفاظ بھی مدِنظر رکھے جاتے۔ انگریزی کے صرف اُن الفاظ کو ترجیح دی جاتی جو اُردو میں رائج اور مشہور ہو گئے ہوں جیسے گیس، مشین، کونین، انجن وغیرہ۔ بصورتِ دیگر نئی اور غیر مستعمل اصطلاحیں کبھی بنائی جاتیں۔ لیکن مشہور سائنس دانوں کے نام اور اُن کی ایجادات بجنسہٖ اُس زبان میں رکھی جاتیں جس زبان سے وہ وابستہ یا مشہور رہے ہوں۔ نامانوس الفاظ سے احتراز کیا جاتا۔ اصطلاحات وضع کرتے وقت اس بات کا پورا خیال رکھا جاتا کہ جو بھی اصطلاح تیار ہو وہ اُردو زبان کی خصوصیات سے ہم آہنگ ہو۔ بقول مولوی عبدالحق:

"ایک مدت کے تجربے اور کامل غور و فکر اور مشورے کے بعد میری یہ رائے قرار پائی ہے کہ تنہا نہ تو ماہر علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا ہے اور نہ ماہر لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے اور ایک کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لیے اس اہم کام کو صحیح طور سے انجام دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں ایک جا جمع کیے جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورے اور مدد سے ایسی اصطلاحیں بنائیں

۱۔ مجلۂ عثمانیہ، مضمون جامعہ عثمانیہ اور اُردو اصطلاحیں، حیدر آباد (۱۹۶۰ء) ص ۱۴

جو اہلِ علم کو ناگوار ہوں نہ اہلِ زبان کو۔ چنانچہ اسی اصول پر ہم نے وضعِ اصطلاحات کی ایک ایسی مجلس بنائی جس میں دونوں جماعتوں کے نمائندے شریک ہیں۔"[۱]

اُردو کو یوروپین زبانوں کی طرح علمی اصطلاحات وضع کرنے میں دیگر زبانوں سے استفادہ کا رجحان ایک علمی اور دُور اندیشی پر مبنی قدم تھا جو دارالترجمہ کے اراکین نے اُٹھایا، حالانکہ اس عہد میں عام رجحان عرب کی طرف مائل تھا اور اس عہد کے اخبارات[۲] میں مولانا وحید الدین سلیم اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے معتبر علمار کی رائے بھی شائع ہوئی جس میں انھوں نے عربی زبان کو وضعِ اصطلاحات کے لئے موزوں قرار دیا۔ لیکن دارالترجمہ نے ثابت کر دیا کہ اُردو زبان میں خود اتنی صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنی اصطلاحات خود وضع کر سکتی ہے۔ وضعِ اصطلاحات کمیٹی کے ممبران کی بحث و مشوروں کے بعد مندرجہ ذیل سات اصول مقرر کر لیے گئے تھے۔

۱۔ اصطلاحیں وضع کرنے کے لیے ماہرانِ زبان اور ماہرانِ فن دونوں کو یکجا ہونا ضروری ہے اصطلاحات بنانے میں دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنا لازم ہے تاکہ جو اصطلاح بنائی جائے وہ زبان کے سانچے میں ڈھلی ہو اور فن کے اعتبار سے ناموزوں نہ ہو۔

۲۔ اصطلاحات بنانے کے لیے عربی، فارسی، ہندی میں سے کسی زبان کا بھی ایسا مادّہ لے سکتے ہیں جو سہل ہو جو مروّج ہو اور جو موزوں ہو۔ الفاظ دوسری زبان سے لے سکتے ہیں لیکن اُس کے لغوی قاعدے نہیں لے سکتے۔

۳۔ جس طرح اگلے زمانے میں اپنی زبان یا غیر زبانوں کے اسمار سے مصادر بنائے جاتے تھے مثلاً بولنا، قبولنا، بخشنا وغیرہ اسی طرح اب بھی حسبِ ضرورت اسمار سے افعال بنائے جائیں۔

۴۔ حتّی الامکان مختصر لفظ وضع کیے جائیں جو اصل مفہوم یا اُس کے قریبی معنوں کو

۱۔ مقدمات عبدالحق، ڈاکٹر عبادت بریلوی، اُردو مرکز لاہور (۱۹۶۴ء)

۲۔ رہنمائے دکن (گولڈن جوبلی جامعۂ عثمانیہ۔ خصوصی اشاعت، مضمون جامعۂ عثمانیہ تاریخی جائزہ از پروفیسر ہارون خاں شیروانی)، حیدرآباد دکن ۵ ستمبر ۱۹۶۸ء

ادا کر سکیں ۔

۵۔ ترکیب میں بھی انہی اصولوں کو پیشِ نظر رکھا جائے جو اب تک ہماری زبان میں مستعمل ہیں مثلاً ہندی لفظ کے ساتھ فارسی عربی کا جوڑ اور عربی سابقوں اور خصوصاً لاحقوں کا میل ہندی الفاظ کے ساتھ مثلاً دھڑے بندی، اُگال دان، بے کل وغیرہ یا عربی قاعدے سے فارسی ہندی الفاظ کے اسم کیفیت جیسے رنگت، نزاکت کے طرز پر مزاجیت وغیرہ ۔

۶۔ ہماری زبان کی ایسی اصطلاحیں جو قدیم سے رائج تھیں اور اب بھی اسی طرح کارآمد ہیں انھیں برقرار رکھا جائے البتہ بعض اصطلاحیں جو صحیح نہیں اور رائج ہو گئی ہیں یا جن سے اشتقاق و ترکیب کی رو سے آگے لفظ نہیں بن سکتے انھیں ترک کر کے اُن کے بجائے دوسرے مناسب لفظ وضع کر لیے جائیں ۔

۷۔ بعض انگریزی اصطلاحیں جو پہلے زمانے میں اس وقت کی معلومات کی رو سے تجویز کی گئی تھیں اور حال کی تحقیق سے صحیح نہیں رہیں اُن کے بجائے ایسے لفظ تجویز کیے جائیں جو جدید تحقیق کی رُو سے صحیح مفہوم ادا کر سکیں اس میں انگریزی الفاظ کی تقلید نہ کی جائے ۔" [۱]

دارالترجمہ کی اصطلاحات کسی ایک شعبۂ علم سے متعلق نہ تھیں بلکہ جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، نفسیات، ریاضیات، طبیعات، علم الحیوانات وغیرہ سبھی علوم و فنون کے لئے اصطلاحوں کی ضرورت تھی اور ہر شعبۂ علم سے متعلق اصطلاحات وضع کی گئیں۔ ان اصطلاحات کی بدولت مولوی میر حسن کے مطابق :

"دارالترجمہ کی مطبوعات نے اُردو میں غیر معمولی وسعت پیدا کر دی۔ جدید علوم و فنون کا کافی ذخیرہ اُردو میں منتقل کر دیا اور علمی خیالات کے لیے اظہار کی گنجائش پیدا کر دی ۔" [۲]

۱۔ اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ، مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اُردو پاکستان (۱۹۳۹ء) ص ۴۲۔ ۳۹

۲۔ مغربی تصانیف کے اُردو تراجم، مولوی میر حسن، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس (۱۹۳۹ء) ص ۱۱۷

اُردو میں علمی خیالات کے اظہار کے لیے گنجائش اور وسعت پیدا کرنا دارالترجمہ کے مترجمین کا ایک قابلِ تحسین کارنامہ ہے۔ انھوں نے غور و فکر اور عرق ریزی سے اس دشوار کام کو انجام دیا۔ اس بارے میں رائے جانکی پرشاد کا قول ہے :

"اس بات کی کوشش کرتے کہ اصل اصطلاح کی طرح اُردو اصطلاح بھی مطالب کی تمام پرچھائیوں پر چھا جائے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی اُن کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتی کہ جس طرح انگریزی کی بعض اصطلاحیں کئی کئی فنون میں استعمال کی گئی ہیں۔ اس طرح اُردو اصطلاحیں بھی جامع ہوں" [۱]

اصطلاح سازی کے دوران انھوں نے زبان کی چاشنی اور خوب صورتی کو برقرار رکھنے کی بھی کوشش کی اور ایسے الفاظ کو اُردو ادب میں جگہ دی جو عام فہم، سادہ، سلیس اور معنوی اعتبار سے پُرکار اور معیاری ہوں۔ اس کے علاوہ اصطلاحیں وضع کرتے وقت زبان کے ماحول کا خیال رکھا اور اس عہد کی رائج الوقت زبانوں سے بھی استفادہ کیا گیا۔

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی بدولت فنی، سائنسی اور علمی اصطلاحات وضع کی گئیں یہ اُن لوگوں کے اندیشوں کے سامنے معجزہ بن گئیں جو اُردو کو علمی اور فنی زبان تسلیم کرنے کے حق میں نہیں تھے اور اسے صرف حسن و عشق کے افسانوں اور شعر و شاعری کے شائقینوں کی زبان تصوّر کرتے تھے۔ کچھ لوگ وضعِ اصطلاحات کے تعمیری اور بامقصد عمل کو اہلِ زبان کے ذہنوں کا اختراع کیا ہوا کارنامہ نہیں مانتے بلکہ اس کی حیثیت کو تقلیدی بنیادوں کا ثمرہ سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دارالترجمہ کا قیام مغربی جامعات اور اُن سے منسلکہ "اشاعت گھر" کے نمونوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے کیا گیا۔ ایسا نہیں ہے کہ دارالترجمۃ کی مجلس وضع اصطلاحات نے مغرب کی کوری تقلید کی ہو۔ ادبی اصطلاحوں کے مقابلے میں سائنس و ٹیکنالوجی کی اصطلاحیں وضع کرنے میں زیادہ دشواریاں سامنے آتی ہیں۔ سائنسی اصطلاحوں کا راست تعلق روزمرہ کی ضروریات کی چیزوں سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف انھیں مضامین کا احاطہ کرتی ہیں جن کے لیے وہ وضع

۱۔ مجلّہ عثمانیہ (ماخوذ) جامعہ عثمانیہ اور اردو اصطلاحیں بابت ۱۹۶۰ء حیدرآباد ص ۱۴۱

کی جاتی ہیں۔ سائنسی اصطلاحات وضع کرنے کے مسئلہ پر اصطلاح ساز دو حصّوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک نے رائے دی کہ انگریزی اصطلاحات کو سائنسی مضامین میں بجنسہٖ قبول کر لیا جائے۔ دوسرے نے اعتراض کیا کہ وہ اصطلاحوں کو بجنسہٖ اس لئے استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ ایسا کرنا اُردو کے مزاج کے خلاف ہے بقول مولوی عبدالحق :

"سائنس کی کتابوں کے لیے وہی پرانی بحث اصطلاحات کی پیش آئی اس مسئلے پر بہت بحث رہی۔ اس میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک جماعت کا خیال تھا کہ انگریزی اصطلاحات بجنسہٖ اُردو میں اختیار کر لی جائیں۔ دوسری جماعت کی رائے تھی کہ ہمیں خود اپنی اصطلاحیں وضع کرنی چاہئیں" [۱]

مجلسِ وضعِ اصطلاحات کی پہلی مجلس ۱۹۱۷ء میں منعقد ہوئی، جس میں مولوی عبدالحق، وحیدالدین سلیم، مرزا ہادی رسوا، نظم طباطبائی اور مہدی خان کوکب شریک تھے۔ اس کی آخری مجلس ۱۹۴۶ء میں ہوئی، جس میں مولوی عبداللہ عمادی ناظر مذہبی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، محمد نصیر احمد عثمانی، مولوی عاقل علی خاں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۶ء تک مندرجہ ذیل نئی اصطلاحیں وضع کیں :

"فیکلٹی آف سائنس ——— (۱) میتھ میٹکس اور استریالوجی ——— ۱٫۶۹۶
(۲) فزکس ——— ۲٫۰۰۰
(۳) کیمسٹری ——— ۲٫۴۵۲
(۴) بوٹونی، زولوجی ——— ۷٫۰۰۰

انجنیئرنگ ——— ۱۰٫۰۰۰
میڈیسن ——— ۴۰٫۰۰۰
آرٹس ——— ۳٫۱۷۷
قانون ——— ۱۸٫۰۰۰

۱۔ اُردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ، مولوی عبدالحق، انجمن ترقیِ اُردو کراچی (۱۹۴۹ء) ص ۳۸

اس طرح کل ملاکر سائنس و ٹیکنالوجی اور میڈیسن کی اصطلاحات کی تعداد ۴۶ ار ۶۲، ہوئی مجموعی طور پر دارالترجمہ کی وضع کردہ اصطلاحات کی تعداد ۲۹۲ر ۹۹ قرار پاتی ہے۔

دارالترجمہ کے مترجمین ہیں علامہ عبداللہ عمادی، مولوی مسعود علی، قاضی تلمذ حسین، چودھری برکت علی اور سید ہاشمی فرید آبادی وہ لوگ ہیں جنھوں نے دارالترجمہ کے لیے اپنی بے بہا خدمات پیش کیں۔ ابتدا میں اس ادارے کے ناظم کی حیثیت سے مولوی عبدالحق کا تقرر ہوا۔ اس کے بعد مولوی عنایت اللہ، مولوی الیاس برنی، ڈاکٹر نظام الدین اور آخر میں ڈاکٹر ٹوپا ناظم بنائے گئے۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق ۔ ۱۸۷۰ء میں ہاپوڑ میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی۔ اے کرنے کے بعد مدرسہ آصفیہ حیدرآباد میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر اُن کا تقرر ہو گیا۔ ۱۹۰۱ء میں مددگار ناظم تعلیمات مقرر ہوئے اور اورنگ آباد کے صدر مہتمم تعلیمات کی حیثیت سے بھی اُن کی خدمات مستحسن ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی تحریک میں پیش پیش رہے اور دارالترجمہ کے پہلے ناظمِ اعلیٰ بھی رہے۔ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد کے سیکریٹری کی حیثیت سے بھی ممتاز خدمات انجام دیں۔ اُردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ، اُردو ذریعۂ تعلیم سائنس او اُن کے تراجم بہت مقبول ہوئے اس کے علاوہ اُن کے خطبات اور مقدمات کے مجموعے، تنقیداتِ عبدالحق، مراٹھی زبان پر فارسی کا اثر، اُردو کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ، مرحوم دہلی کالج اور نصرتی اُن کی مشہور تصنیفات ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے۔

۱۶ر اگست ۱۹۶۱ء کو کراچی میں وفات پائی۔ اُن کے متعلق خواجہ احمد فاروقی کا خیال ہے:

"جس وقت میں نے ہوش کی آنکھ کھولی مولوی صاحب کا طوطی بول رہا تھا وہ سرسید کے جانشین، حالی کے جانشین، اُردو کے عاشق صادق، عثمانیہ یونیورسٹی اور دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر اعلیٰ اور انجمن ترقی اُردو کے جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے مشہور ہو چلے تھے" [2]

---

1. Numerical Index to the Technical Terms, Compiled by: Mr.M.Nizamuddin, Curator, Compilation and Translation Bureau, Osmania University (1917 to 1936), Hyderabad : 1st March, 1936.

۲۔ یادِ یارِ مہرباں، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی مضمون مولوی عبدالحق، دہلی (۱۹۷۵ء) ص ۴۹

مولوی مسعود علی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فارغ التحصیل اور فارسی شاعری کے صاحبِ کمال اُستاد کی حیثیت سے حیدر آباد کے اعلیٰ عہدوں پر رہنے اور ادب کی خدمت کرنے کا موقع ملا۔ آخر میں دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ کے ارکان میں شامل کیے گئے۔ مہاراجہ کے مخصوص احباب اور اُن کے دربار کے نورتن میں شامل رہے۔

ابتدا میں دار الترجمہ کے کام کو انجام دینے کے لیے مترجمین کا تقرر بحیثیت ارکان کیا گیا اور آٹھ علوم و فنون پر دس مترجمین کی خدمات حاصل کی گئیں جن میں چودھری برکت علی بی ایس سی، محمد حسین، ظفر علی خاں، عبد الماجد دریا آبادی، عبد الحلیم شرر، سید علی رضا اور عبد اللہ عمادی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ بعد میں جس قدر دار الترجمہ کا کام ترقی کرتا گیا مترجمین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور اُن کی تعداد ۱۲۹ تک پہنچ گئی۔ ان مترجمین میں عارضی بھی ہوتے تھے اور مستقل بھی۔ مستقل مترجمین کو ماہانہ مشاہرہ دیا جاتا تھا جب کہ عارضی مترجمین کو صرف اُن کی آمد پر حقِ محنت ادا کیا جاتا تھا۔ دار الترجمہ کے کام اور مترجمین کی تنخواہوں کے لیے شروع میں ۱۶ ہزار روپیہ منظور کیا گیا جو بعد میں بڑھ کر چوالیس ہزار سے اسّی ہزار روپے تک ہوگیا۔ روزنامہ صحیفہ ادب کی خبر کے مطابق:

"... ایک مترجم کو ۵۰۰ تا ۸۰۰ گریڈ دیا جاتا تھا مستقل مترجمین کے گریڈ بلحاظ مراتب تھے۔"[1]

دار الترجمہ کو منظم بنانے کے لیے کثیر رقم صرف کی گئی اور اُس کے اراکین و مترجمین کو تمام سہولتیں بہم پہنچائی گئیں جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور قلیل عرصے میں دار الترجمہ کے مترجمین نے مغربی زبانوں کی اہم کتابوں کا جامع اور بامحاورہ ترجمہ اُردو میں پیش کیا۔ ۱۹۳۶ء تک فلسفہ مابعد الطبیعات، نفسیات، منطق اور اخلاقیات سے متعلق سترہ[17]، تاریخ و جغرافیہ، اسلامی تاریخ، ہندوستان، تاریخِ روم اور تاریخِ یورپ سے متعلق چوالیس[44]، سماجیات، سیاسیات اور معاشیات سے متعلق نو[9]، قانون اُصولی، قانون دستوری، قانونِ شخصی اور قانونِ معاہدہ و شہادت سے متعلق

۱۔ روزنامہ صحیفۂ ادب، ایڈیٹر سید محمد اکبر علی، ۹؍ ستمبر ۱۹۱۷ء

دینیات، ریاضیات، طبیعات، کیمیا، ارضیات، نباتات اور حیوانات سے متعلق اکیس[21]، انجینیرنگ، سول میکانک اور علم ہندسہ سے متعلق سترہ[17]، طب، فزیالوجی، اناٹمی، سرجری وغیرہ سے متعلق گیارہ[11] مترجمین وابستہ رہے۔ اس طرح کل ملا کر مترجمین کی تعداد ۱۲۹ پہنچ گئی تھی۔

دارالترجمہ کے شعبۂ تالیف و ترجمہ میں ہندوستان کے بلند پایہ ادیب، انشاپرداز، مدبر، معلم، ماہر لسانیات، علمائے فکر و فن یکجا کیے گئے تھے۔ اُن میں چودھری برکت علی، قاضی تلمذ حسین، مرزا ہادی رسوا، فدا علی طالب، سید ہاشمی فریدی، عبدالستار صدیقی، عبدالرحمن خاں، نذیرالدین احمد، حمیداللہ انصاری، ضیاءالدین انصاری، سید ابراہیم ندوی، ابوالخیر مودودی، ڈاکٹر محمد عثمان، مولوی مسعود علی، محمد الیاس برنی، عبدالباری ندوی، ڈاکٹر سید عبداللطیف، ولی الرحمٰن، عبدالقدیر، رائے ناتھ جی، حسرت صدیقی، عبدالواسع، مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، ہارون خاں شیروانی، جمیل الرحمٰن، سعیدالدین، حکیم عبدالسلام، ڈاکٹر شہباز، عزیزالرحمٰن سجاد مرزا، نواب احمد علی خاں، عبداللہ عمادی، محمد محی الدین، حکیم عبدالباقی شطاری، خواجہ عبدالقدوس، مسعود علی، سید علی رضا، میر اکبر علی موسوی، میر سعادت علی خاں، میر محبوب علی، سید دلدار حسین، سید منظور حسین، محمد اسد اللہ، غلام محمد خاں، ڈاکٹر زاہد علی، کشن چند، نذیر حسین فاروقی، ڈاکٹر محمد اشرف الحق، ڈاکٹر حیدر علی، ڈاکٹر خورشید حسن، تیرتھ ساستوکار، ڈاکٹر غلام دستگیر، حسن عابد جعفری، سید فخرالحسن، موہن جی راؤ، نظم طباطبائی، جوش ملیح آبادی، وحیدالدین سلیم، ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ، اور شیو موہن لال قابل ذکر ہیں۔

قابلِ ذکر ہیں۔

نظم طباطبائی کا پیدائشی نام علی حیدر اور حیدر یار جنگ بہادر خطاب تھا۔ آپ کی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت لکھنؤ میں اور اعلیٰ تعلیم کلکتہ میں ہوئی۔ نواب واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتہ میں قیام رہا جہاں شہزادہ مرزا کام بخش کی تعلیم کے لیے آپ کا تقرر ہوا۔ واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد آپ حیدرآباد آئے اور کتب خانہ آصفیہ کے مہتمم مقرر کیے گئے بعد میں نظام کالج حیدرآباد میں عربی کے پروفیسر مقرر کیے گئے۔ عربی، فارسی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھیں جن میں شرح دیوانِ غالب، شرح تشریح الافلاک، تعریف نحو، بینات، معربات، تحقیق لون و شعاع، مثنوی شقشقیہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ آخر میں عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ سے آپ کا تعلق ہوا اور آصف جاہ

سابع کے شہزادوں کی تعلیم بھی آپ کے ذمّہ ہوئی۔ دارالترجمہ میں اُردو کی اصطلاح سازی کے کام میں آپ آخر عمر تک مصروف رہے۔

دارالترجمہ میں مجلسِ وضع اصطلاحات کے ساتھ مزید دو عہدے دار مخصوص تھے جو ناظرِ مذہبی اور ناظر ادبی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ان ناظرین کا فرض ہوتا تھا کہ ترجمہ شدہ کتابوں کی مذہبی اور ادبی نقطۂ نظر سے دیکھ بھال کریں۔ ناظر مذہبی کی حیثیت سے مولوی حاجی صفی الدین اور اُن کے بعد مولوی عبداللہ عمادی کا تقرر ہوا۔ ناظر ادبی کا عہدہ ابتدا میں نواب یار جنگ کے تحت رہا اور اُس کے بعد جوشؔ ملیح آبادی اس عہدے پر فائز ہوئے۔

عبداللہ عمادی، فارسی کے فاضل اور اردو کے ادیب تھے۔ بلند پایہ کتابوں کے مصنف اور جرائد کے مدیر رہے۔ فارسی زبان کے باکمال شاعر ہونے کے سبب مہاراجہ کشن پرشاد کی علمی و ادبی محفلوں میں شہرت حاصل کی۔ آخر میں دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے رکن اور مذہبی مبصر کی حیثیت سے اُن کا تقرر کیا گیا اور اصطلاح سازی کے لیے بھی آپ کے مشوروں کو قبول کیا گیا۔

جوشؔ ملیح آبادی، کا پیدائشی نام شبّیر حسن خاں اور جوشؔ تخلّص تھا۔ آپ ملیح آباد میں پیدا ہوئے لکھنؤ میں پروان چڑھے پہلے غزل اور رباعیات سے محفلیں گرم کیں پھر ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو کر انقلابی نظموں سے ہندوستان میں ایک نیا جوش پیدا کیا۔ حیدرآباد میں آکر دارالترجمہ کے ناظر ادبی مقرر کیے گیے۔ پُرگوئی اور رندمزاجی کے سبب حیدرآباد کے نوجوان شعراء پر اُن کا گہرا اثر پڑا۔ اُن کے کلام کے تقریباً جملہ مجموعے حیدرآباد ہی کے زمانے میں شائع ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد بھی ہندوستان ہی میں رہے، لیکن کچھ دوستوں کی ضد پر بعد میں پاکستان چلے گئے اور وہیں ۱۹۸۲ء میں انتقال ہوا۔

سائنسی ادب کی خدمت میں جامعہ عثمانیہ کے جن اصحاب نے تالیف و ترجمہ میں نمایاں حصّہ لیا اُن میں چودھری برکت علی، محمد عبدالرحمٰن خاں، شیخ فیروزالدین مرادؔ، محمد حسین، محمد نذیرالدین، قاضی تلمذ حسین، مفتی شاہنواز، محمد عثمان، محمد نعمت اللہ، محمد نصیرالدین عثمانی، محمد عظمت اللہ، خلیل الرحمٰن، عبدالباری ندوی، محمد سعیدالدین، محمد اشرف، ضیاءالدین انصاری، حبیب حسن، مرتن جی راؤ، سید ہاشمی فرید آبادی، کرنل فرحت علی، ڈاکٹر غلام دستگیر، محمد عزیزالرحمٰن، محمد نذیرالدین

محمد احمد مرزا، حکیم محمد یوسف، حکیم غلام جیلانی اور حکیم محمد کبیرالدین قابلِ ذکر ہیں۔

چودھری برکت علی کا ابتدائی تقرر ریاضی کے لکچرر کی حیثیت سے ۲۲ر فروری ۱۹۱۸ء کو عمل میں آیا اور کچھ عرصہ بعد اُن کی علمی استعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے انھیں شعبۂ فزکس کا لکچرر مقرر کیا گیا۔ انھوں نے فزکس، کیمسٹری اور ریاضی کی مشہور کتابوں کا ترجمہ اُردو میں پیش کیا۔ مندرجہ ذیل کتب اُن کی علمی لیاقت اور اہمیت کی حامل ہیں۔

" طبیعات حصہ اوّل و دوم ________ از گریگوری اور سائمن

طبیعات حصہ پنجم (مقناطیس) ________ از گریگوری اور بارڈلی

آواز (طبیعات حصہ چہارم) ________ از گریگوری اور بارڈلی

برق (طبیعات حصہ ششم) ________ از گریگوری اور بارڈلی

کیمیا۔ برائے انٹرمیڈیٹ حصہ اوّل ________ از بیلی اور باسر

کیمیا۔ برائے انٹرمیڈیٹ حصہ دوم ________ از بیلی اور باسر

کیمیا۔ برائے انٹرمیڈیٹ حصہ سوم ________ از بیلی اور باسر

کیمیا۔ برائے میٹرک ________ از گریگوری اور سائمن

عملی کیمیا ________ از بروس و ہارپر

علم مثلث تحلیلی ________ از ایس ایل لونی

علم ہیئت ________ از جی ڈبلیو پارکر "[1]

محمد عبدالرحمٰن خان ۔ ۱۸۹۰ء میں حیدرآباد ہی میں پیدا ہوئے، جامعہ عثمانیہ میں آپ کا تقرر شعبۂ طبیعات و فلکیات کے پروفیسر کی حیثیت سے ہوا۔ انھوں نے شعبۂ قانون کے پرنسپل کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۴ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف سے مزید تعلیم کے لیے یورپ گیے اور واپس آکر دوبارہ یونیورسٹی میں صدر شعبۂ فزکس مقرر ہوئے۔ آپ نے کئی بار مجلسِ وضع اصطلاحات

---

1. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Osmania University, Hyderabad : 1952.

(یہ کتابیں کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہیں)

کی صدارت بھی کی۔ سائنس کے ساتھ ساتھ آپ نے قانون، تاریخ، عربی اور فارسی سے بھی دلچسپی برقرار رکھی۔ لین پول کی کتاب "مسلمان شاہی خاندان اور اُن کے سلسلے" کا ترجمہ اُردو میں کیا جو بعد میں ادارہ ادبیات اُردو کی طرف سے شائع ہوئی۔ انگریزی میں اُن کا ایک ڈرامہ "ضمیر" بہت مشہور ہوا۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے لئے مختلف سائنسی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا اور سائنسی علوم سے متعلق اصطلاحیں اُردو میں وضع کیں۔ ذاتی تصنیف و تالیف کے علاوہ طلبار جامعہ عثمانیہ میں علمی و ادبی شوق پیدا کرنے کا سہرا بھی اُن ہی کے سر ہے، چنانچہ جامعہ کے اکثر و بیشتر فارغ التحصیل اُن کی ہمت افزائی اور مشوروں کے باعث اس عہد کے بڑے محقق اور معلم و مؤلف بنے۔ یورپ اور امریکہ کے اعلیٰ درجہ کے رسائل و جرائد میں فلکیات پر اُن کی تحقیقات شائع ہوئیں، حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس اور حیدرآباد اکیڈمی کے صدر بھی رہے ہیں۔ سائنسی موضوعات پر اُن کے مندرجہ ذیل تراجم قابلِ ذکر ہیں :

"طبیعات عملی حصہ اول ______ از ایچ ایس ایلسن اور ایچ مور

طبیعات عملی حصہ دوم ______ از ایچ ایس ایلسن اور ایچ مور

طبیعات عملی حصہ سوم ______ از ایچ ایس ایلسن اور ایچ مور

طبیعات حصہ سوئم (نور) ______ از ڈنکسن اور اسٹار لنگ

طبیعات حصہ چہارم (آواز) ______ از ڈنکسن اور اسٹار لنگ

طبیعات عملی ______ از اسکچر اور لینر

ٹیکسٹ بک آف فزکس ______ از ڈنکسن اور اسٹار لنگ"[1]

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ ذیلی نصاب ریاضی برائے طبیعات حصہ اول و دوم کیا الکولر طبعی مناظر، نقشہ کشی حصہ اوّل دوم بھی اُن کی تصنیفات ہیں۔

شیخ فیروز الدّین مرادؔ : پہلے جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ سے وابستہ رہے۔ خود فطرتاً شاعر تھے۔

---

1. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Osmania University, Hyderabad : 1952.

(یہ کتابیں کشمیر یونیورسٹی سری نگر کی لائبریری میں موجود ہیں)

کثیر المطالعہ ہونے کے سبب اُن کی علمی استعداد کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ مجلس وضع اصطلاحات سے بھی متعلق رہے اور بہت سی سائنسی اصطلاحیں اُردو میں وضع کیں۔ مندرجہ ذیل کتابوں کے ترجمے آپ نے دارالترجمہ کی ایما پر کیے:

"طبعی کیمیا حصہ اوّل ———— از جیمز واکر ۱۹۲۴ء
طبعی کیمیا حصہ دوم ———— از جیمز واکر ۱۹۲۵ء[1]

محمد حسین جامعہ عثمانیہ اور محکمہ تعلیمات میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ دارالترجمہ کے لیے تصنیف و تالیف کا ذوق بھی کام آیا اور تدریس سے متعلق کتب اور رسائل ترتیب دیے۔ مندرجہ ذیل کتابوں کا آپ نے اُردو میں ترجمہ کیا:

"ہندسی مخروطات ———— از ایف بی والٹر ۱۹۲۰ء
علم مثلث مستوی ———— از ایس ایل لونی ۱۹۲۴ء
ہندسہ تحلیلی ———— از جے ایس گریلس ۱۹۲۴ء
طب قانون و سمومیات اوّل و دوم ———— از جے دکن مان ۱۹۲۷ء
فعلیات و حیاتی کیمیا جلد اوّل ———— از ہیلی برٹن ۱۹۲۵ء"[2]

علم الولادت، طبع شدہ ۱۹۳۹ء اُن کی ذاتی تصنیف ہے۔

محمد نذیر الدین کا تقرر جامعہ عثمانیہ میں ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ آپ کا شمار جامعہ کے قابلِ قدر مترجمین میں کیا جاتا ہے۔ انھوں نے بہت سی اُردو اصطلاحیں وضع کیں جن کا اہلِ زبان نے خیر مقدم کیا۔ ریاضی سے متعلق انھوں نے مندرجہ ذیل کتابوں کے ترجمے کیے:

"مخروطی تراشیں ———— چارلس اسمتھ
مساوات نظریہ (جلد اوّل و دوم) ———— از برن سائڈ اور پینٹن

---

1. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Osmania University, Hyderabad : 1952.

(یہ کتابیں کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہیں)

2. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Osmania University, Hyderabad : 1952.

علمِ ہندسہ نظری ______________ از ای۔ ایچ۔ اسک

علمِ مثلث ______________ از ای۔ ڈبلیو۔ ہابسن

تفرقی مساواتیں ______________ از ایچ۔ ڈی۔ ایچ۔ بائیگو

نظری علم الحیل ______________ از جے۔ ایچ۔ جینس

سکونیات ______________ از لیپ ہارس

حرکیات ______________ از ایچ لیب

علمِ ہیئت کروی ______________ از ہال سر رابرٹ بال ¹

قاضی تلمذ حسین دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے مایہ ناز مترجمین میں شمار کیے جاتے ہیں انھوں نے تقریباً دس کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا جو اس عہد کی درسیات میں شامل کی گئیں۔ مجلسِ وضعِ اصطلاحات کے ممبر کی حیثیت سے بھی آپ نے قابلِ تحسین خدمات انجام دیں۔

مفتی شاہنواز بھی دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہے انھوں نے جامعہ عثمانیہ کی درسی کتابوں کے لیے انگریزی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ مجلسِ وضعِ اصطلاحات میں بھی آپ کی حیثیت نمایاں رہی۔ کثیر المطالعہ ہونے کے سبب آپ بہت جلد اُردو اصطلاح وضع کر لیتے تھے۔ مندرجہ ذیل کتابیں اُن کے مقبول تراجم کی حیثیت سے مشہور ہیں :

"عملی تشریح ______________ از کننگھم ۱۹۲۴ء

کیمیائی فلکیات (اناٹمی) ______________ از ڈبلیو ڈی برٹن ۱۹۲۵ء ²

ڈاکٹر محمد عثمان خان نے بھی دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے لئے بعض قابلِ ذکر کتب کے تراجم کیے ہیں جو اس عہد میں بہت مقبول ہوئے اور جامعہ کی درسیاتی کتب میں شامل کیے گیے اُن میں کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

---

1. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Usmania University, Hyderabad : 1952.

(یہ کتابیں کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہیں)

2. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Usmania University, Hyderabad : 1952.

"تجربی فعلیات — از ای۔ ایس۔ شیفر

عملی طب (اوّل) — از ٹا ئیلر

نسیجیات (ہسٹیالوجی) اوّل — از ای۔ ایس۔ شیفر

نسیجیات (ہسٹیالوجی) دوم — از ای۔ ایس۔ شیفر

فعلیات وحیاتیاتی کیمیا — از ڈبلیو۔ ڈی۔ ہیلی برٹن [۱]

اس کے علاوہ علم طب پر رسالہ حصہ دوم، سوم اور چہارم تین رسالے تصنیف کیے جو بالترتیب ۱۹۴۱ء، ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئے۔

محمد نعمت اللہ نے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی ایما پر صرف ایک رسالہ "ماقوائیات مصنف ایچ۔ ڈی۔ لوہ [۲] کا ترجمہ اُردو میں کیا۔

محمد نصیر الدّین عثمانی دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہے۔ اُن کے بارے میں صرف اتنا سراغ ملتا ہے کہ انھوں نے صرف ایک کتاب "طبیعات حرکت مصنف ایس جی اسٹارلنگ" [۳] کا دارالترجمہ کے ایما پر اُردو میں ترجمہ کیا جو بہت مقبول ہوا۔

پروفیسر وحید الدّین سلیم کا تقرر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ طبیعات میں ہوا۔ اس سے پیشتر ۱۹۱۸ء میں عثمانیہ یونیورسٹی میں لکچرر تھے اس کے بعد طبیعات کے پروفیسر اور اپنے شعبے کے صدر رہے۔ انھوں نے جامعہ کے طلبا میں اُردو ادب کی تحقیق اور تالیف کا خوش گوار ذوق پیدا کیا۔ وضعِ اصطلاحات پر ایک ایسی تالیف کی جو اس موضوع پر اب تک اُردو کی واحد کتاب ہے اُردو ادب کے مختلف پہلوؤں پر معرکہ آرا مضمون لکھے جو تحقیق و تنقید کے عمدہ نمونوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اُن کا ایک مجموعۂ نثر افاداتِ سلیم اور شاعری کے دو مجموعے طبع ہوئے ہیں۔ انھیں نیچرل شاعری کا

۱۔ کلاسیفائڈ لسٹ آف اُردو، ڈپارٹمنٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشن جامعہ عثمانیہ حیدر آباد ۱۹۵۲ء

2. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Osmania University, Hyderabad : 1952.

3. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Osmania University, Hyderabad : 1952.

علم بردار کہا گیا اُن کے کلام میں بے انتہا جوش اور روانی پائی جاتی ہے انھوں نے "طبیعات عملی پہلا حصہ اوّل (مادّہ کے خواص اور حرارت) کے عنوان سے ایچ. ایل. ایلسن کی کتاب کا اُردو میں ترجمہ کیا.

ڈاکٹر مظفر الدّین قریشی کا ابتدائی تقرر ۱۹۲۴ء میں جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ کیمیا میں ہوا انھوں نے دارالترجمہ کے لئے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور اُس کے شعبۂ وضعِ اصطلاحات کو اپنے قیمتی اور مفید مشوروں سے فیض پہنچایا. دارالترجمہ کے لیے انھوں نے عملی کیمیا[۱] سے متعلق ایک کتاب بھی تالیف کی

پروفیسر سعید الدّین، جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ علم الحیات سے وابستہ ہوئے انھوں نے جامعہ کے لیے درسیاتی کتب کی تالیف میں حصہ لیا اور:

"مبادی نباتات حصہ اوّل ______ ۱۹۳۸ء

مبادی نباتات حصہ دوم ______ ۱۹۴۲ء

ابتدائی حیوانات ______ ۱۹۳۹ء[۲]

کے علاوہ حیاتیات کی تیسری کتاب برائے ہشتم، نہم،" سائنس کی دنیا،" نظامی نباتات اور حالیہ رجحانات معلومات حاصل کرنے کا لطف،" وغیرہ کتابیں بھی تصنیف کیں جو اس عہد میں مقبول ہوئیں۔

مولوی عبدُالبَاری نے دارالترجمہ کے ایماء پر مندرجہ ذیل کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا:

"عملی نباتات (پریکٹیکل بوٹنی) ______ از کے رنگاچاری ۱۹۳۸ء

مقدمہ مابعد الطبیعات ______ از برگسان نہری ۱۹۳۱ء

ڈاکٹر عبدالسّلام نے ۱۹۳۲ء میں جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی سے بی. اے کا امتحان پاس کیا اور اسی سال شعبۂ نباتات میں بحیثیت جونیر لکچرر تقرر ہوگیا. ۱۹۴۶ء میں آپ یورپ گئے جہاں سے پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد حیدرآباد لوٹے اور جامعہ عثمانیہ میں آپ کا بحیثیت

---

1. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Osmania University, Hyderabad : 1952.

2. Classified List of Urdu, Department of Translation and Publication, Osmania University, Hyderabad : 1952.

ریڈر دوبارہ تقرر عمل میں آیا۔ انھوں نے نباتات کے مختلف موضوعات پر سولہ تحقیقی مقالے شائع کیے انھوں نے ایک کتاب " زہریلے پودے"[1] کے نام سے ۱۹۴۵ء میں لکھی۔

مہندر راج سکسینہ ۱۹۱۴ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دارالعلوم حیدرآباد سے میٹرک کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ سے بی۔ ایس سی کی ڈگری حاصل کی اور پھر ایم۔ ایس سی میں تمام طلبا میں امتیازی حیثیت حاصل کی چنانچہ اُن کی کامیابی پر یونیورسٹی نے انھیں گولڈ میڈل کا مستحق قرار دیا اور ۱۹۳۷ء میں انھیں شعبۂ نباتات کا لکچرر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۴۵ء میں ریڈر انچارج کی حیثیت سے ترقی ہوئی اور اس کے بعد پروفیسر کی خدمات بھی انجام دیں اُن کی تصنیف "چیونٹی"[2] کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی یہ کتاب ۱۹۴۱ء میں ادارہ ادبیات اُردو کی طرف سے شائع کی گئی۔

محمد عزیز الرحمٰن بھی جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ سے وابستہ رہے۔ اُن کی علمی استعداد خصوصاً فنِ انجینیرنگ قابلِ لحاظ تھیں انھوں نے دارالترجمہ کے لیے انجینرنگ سے متعلق مندرجہ ذیل کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا:

"مساحتِ انجینیرنگ ______________ از اے۔ ای پیر لوائنٹ ۱۹۴۹ء

مساحتِ میٹریکیولیشن ______________ از اے۔ ای پیر لوائنٹ ۱۹۴۹ء[3]

مندرجہ بالا کتابیں اس عہد کی درسیات میں شامل کی گئیں۔

ڈاکٹر غلام دستگیر، جامعہ عثمانیہ کے فارغ التحصیل طلبا میں سے ہیں انھوں نے اپنی کثیر تصنیفات[4] سے اُردو کو مالا مال کیا۔ یہ اقبالیات کے ماہر اور اسلامی علوم سے متعلق رسائل کے مؤلف بھی ہیں۔ اُن کی بہت سی تصنیفات ادارہ ادبیاتِ اُردو سے شائع کی گئیں۔ دارالترجمہ کے لیے مندرجہ کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا:

"جراحی اطلاق تشریح اول ______________ از ایف۔ ٹریو ۱۹۳۷ء

---

1. CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

2. CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

جراحی اطلاق تشریح دوم ــــــــــــــــــ از ایف بُرلیسو ۱۹۲۷ء

امراض النساء اوّل ــــــــــــــــــ از انڈین اور لک پر ۱۹۳۹ء

امراض النساء دوم ــــــــــــــــــ از انڈین اور لک پر ۱۹۴۴ء

فعلیات وحیاتی کیمیا ــــــــــــــــــ از ڈبلیو ڈی ہیلی برٹن ۱۹۴۶ء[1]

ڈاکٹر اشرف الحق، دارالترجمہ کے قابلِ ذکر مترجمین میں سے ہیں۔ انھوں نے فنِ طب پر مندرجہ ذیل کتابیں ترجمہ کیں :

"تشریحِ فعلیات ــــــــــــــــــ از گرے ہین رے ۱۹۳۴ء

تشریحِ عضلیات ــــــــــــــــــ از گرے ہین رے ۱۹۲۴ء"[2]

ریاضیات انجینیری سے متعلق مندرجہ ذیل مترجمین و مصنفین نے بھی دارالترجمہ کے لیے کتابیں لکھیں :

خواجہ محی الدین ــــــــــــــــــ مستوی طبع ثانی "تالیف ۱۹۴۶ء

خواجہ محی الدین ــــــــــــــــــ ہندسہ تحلیلی "تالیف ۱۹۴۶ء

کشن چندر، رضی الدین ــــــــــــــــــ احصار تفرقی وتکملی تالیف ۱۹۲۹ء

جے تیرتھ ساستور ــــــــــــــــــ ملتوت کے تفاعل "تالیف ۱۹۴۷ء

محمد حسین مہاجر ــــــــــــــــــ تقادمہ کی مثالیں از ہارٹ اور کسی ۱۹۲۵ء[3]

محمد حسین مہاجر ــــــــــــــــــ جناتی از جی ٹی بارلو ۱۹۲۵ء"

محمد عبداللہ ــــــــــــــــــ فلزیات از ای۔ ایل۔ سیلی ۱۹۴۱ء

سید دلدار حسین ــــــــــــــــــ انجینیری کارخانے کے عملی ہم سبق۔ از مٹ چل ۱۹۲۰ء

1- CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

(یہ کتابیں سینٹرل لائبریری دہلی یونیورسٹی، کتب خانہ آصفیہ اور سری نگر لائبریری کشمیر یونیورسٹی میں موجود ہیں)

2. CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

3. CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

محمد اسد اللہ ـــــــــ اشیائے تعمیر ــــ از سی، ای، وی ۱۹۴۲ء

ضیاء الدین انصاری ــــ اطلاقی میکانیات ــــ از ڈبلیو پی او زڈن ۱۹۴۶ء

مرزا محمد علی ــــــ حرارتی انجنوں کا نظریہ، از ڈبلیو انکلے ۱۹۴۸ء[1]

حیوانیات سے متعلق مندرجہ ذیل مترجمین و مصنفین نے دارالترجمہ کے لیے کتابیں ترجمہ و تالیف کیں :

شہباز حسین ـــــــــ حشرات الارض

عبدالحیٔ جمیل علوی ـــــــــ نظام عصبی

محمد رحیم اللہ قریشی ـــــ مچھلیاں اور اُن کے ذیلی حاصل

سیّد معین عالم ـــــ جانوروں کی سماجی زندگی

سیّد حامد حسین ـــــ شہد کی مکھی تحقیقاتی روشنی میں

طہیور حسن ـــ چوبی کیڑے[2]

اُن کے علاوہ حیاتیات پر محمد رحیم اللہ قریشی کا ۱۹۲۹ء میں پیش شدہ ایک مقالہ بھی دستیاب ہوا ہے جس کا عنوان "ہندوستان کے میٹھے پانی کی مچھلیوں کے خاندان" ہے یہ مقالہ ایم۔ اے کے لئے لکھا گیا تھا۔

ارضیات سے متعلق مندرجہ ذیل کوششیں انفرادی طور پر کی گئیں ۔

احمد الدین محمد سعید ـــــ قران ارضیات ۱۹۴۲ء

مسعود علی ـــــ ہندوستان کے قدرتی وسائل ۱۹۴۳ء

سلطان احمد ـــــ ارضیات ۱۹۴۲ء

---

1. CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

(سینٹرل لائبریری آف دہلی یونیورسٹی، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد اور سرینگر لائبریری کشمیر یونیورسٹی میں کتابیں موجود ہیں۔)

2. CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

طبیعات سے متعلق مندرجہ ذیل مصنفین نے دارالترجمہ کے لیے تصنیفات کیں۔

سید حیدر رضا زیدی ـــــــ عناصر کی قلب ماہیئت ۱۹۴۰ء

عبدالرحیم خاں ـــــــ جوہر کی ساخت ۱۹۴۰ء

خادم حسین قریشی ـــــــ لاشعاعیں ۱۹۴۲ء

علی انور سیف الدین ـــــــ گوئی شعاعیں ۱۹۴۳ء

تاراچند باہل ـــــــ نظام شمسی کی ابتدا ۱۹۴۲ء

رضیہ بیگم ـــــــ فضا میں ایک آواز ۱۹۴۱ء[1]

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کی تصنیفات کی اہمیت کے پیش نظر چند اہم تصنیفات کا تفصیلی جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

طبیعاتِ حرارت

مصنف ڈکسن اسٹارلنگ مترجم مولوی عبدالرحمٰن سنِ طباعت ۱۹۲۱ء ۲۵۸ صفحات کی یہ کتاب نصابی ضرورت کے تحت ترجمہ کی گئی۔ اس کتاب میں دارالترجمہ کی وضع کردہ اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند سطور ملاحظہ کریں:

"اگر ہم لوہے کے دو حصے گرم کرکے ایک کو دھوپ میں اور دوسرے کو سایہ میں رکھ دیں تو چھونے پر یہ معلوم ہوگا کہ وہ حصہ جو دھوپ میں رکھا ہوا تھا وہ دوسرے کی نسبت زیادہ گرم ہے۔ قوتِ لامسہ میں بالکل مختلف ہے جس سے کھردرا و چکنا پن و سختی وغیرہ میں تمیز ہوتی ہے۔ اصطلاحِ مروجہ میں اس شے کی نسبت جو چھونے سے زیادہ گرم محسوس ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ تپش بالا پر ہے۔"[2]

طبیعات حصہ اوّل

مصنف گریگوری اور سائمن کی کتابوں سے ماخوذ۔ اردو ترجمہ چودھری برکت علی نے کیا۔ اس کتاب کی اشاعت ۱۹۲۰ء میں ہوئی جو جامعہ عثمانیہ کا ابتدائی عہد تھا۔ یہ کتاب بھی نصابی ضرورت کے تحت ترتیب دی گئی۔ دارالترجمہ کی وضع کردہ اصطلاحات سے استفادہ کیا گیا

---

1. CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

۲۔ طبیعات حرارت، از ڈکسن اسٹارلنگ مترجم مولوی عبدالرحمٰن، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۲۱ء

ہے۔ ذیل کا اقتباس بطور نمونہ تحریر ہے :

"کسی جسم کے وجود میں حرارت کی مقدار بڑھتی ہے یا کم ہوتی ہے تو اس جسم میں کئی تغیر پیدا ہوتے ہیں۔ ہم اس کتاب میں ان تمام تغیرات سے بحث نہیں کر سکتے صرف تین پہلو لیں گے۔

۱۔ جسامت یا حجم کا تغیر۔ یعنی پھیلاؤ یا سکڑاؤ۔

۲۔ تپش کا تغیر

۳۔ حالات کا تغیر

حرارت کی مقدار بڑھتی ہے۔ عام طور پر مادی چیزوں کا قاعدہ یہ ہے کہ ان کے جسم پھیل جاتے ہیں اس میں شک نہیں کہ بعض چیزیں اس قسم کی بھی ہوتی ہیں جو حرارت کے اثر سے سکڑنے لگتی ہیں مثلاً چمڑا۔ لیکن ایسی چیزوں کی تعداد بہت کم ہے۔" [1]

طبیعات عملی حصہ اوّل

(مادہ کے خواص و حرارت) مصنف ایچ۔ ایس ایلن مترجم پروفیسر وحیدالدین، سن طباعت ۱۹۲۱ء دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔

اس کتاب میں دارالترجمہ کی وضع کردہ اصطلاحات سے استفادہ کیا گیا۔ جملوں کی ساخت اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلبا کی ضرورت کو مدِ نظر رکھ کر اس کتاب کا ترجمہ کیا گیا ہے نمونۂ تحریر کے طور پر مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کریں :

"جب کوئی بھی قوت کسی پر عمل کرتی ہے تو جسم مذکور کی شکل میں کم و بیش بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ بگاڑ بالعموم قوت کے ہٹا لینے پر غائب ہو جاتا ہے۔ جسم کا اپنی شکل میں واپس آجانا جسم مذکور کی اپنی اس خاصیت کا نتیجہ ہے جس کو لچک کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔" [2]

علمی نباتات

مصنف کے رنگاچاری کی کتاب پریکٹیکل بوٹنی کا ترجمہ مولوی عبدالباری نے

۱۔ طبیعات حصہ اوّل، از گریگوری اینڈ سائمن مترجم چودھری برکت علی، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۲۰ء

(یہ کتاب کشمیر یونیورسٹی لائبریری سری نگر میں موجود ہیں)

۲۔ طبیعات عملی حصہ اوّل، مصنف ایچ۔ ایس۔ ایلن مترجم پروفیسر وحیدالدین، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۲۱ء

اُردو میں کیا جو ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ امدادی کتب میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۸ رصفحات پر مشتمل ہے۔ نمونے کے طور پر درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو :

"گملے میں ایک سریع النمو پودے کے تنے کو مٹی کی سطح سے ڈو انچ کی بلندی پر کاٹ ڈالو اس پر دس سینٹی میٹر لمبی ربر کی نلی باندھ دو شیشہ کی ایک شعری نلی کو پانی سے بھر کر جو ایوسین سے لال رنگ کا بنا دیا گیا ہو ربر کی نلی میں داخل کر دو اور مضبوط باندھ دو شعری نلی کو شگاف دار لکڑی یا استادہ کے ذریعے افقی سطح میں تھامے رکھو۔ ربر کی نلی کو خفیف سے جھٹکے سے دبا دو تاکہ شعری نلی کے کھلے سرے کچھ رنگین پانی باہر نکل جائے۔" [1]

علم ہیئت

یہ کتاب سر رابرٹ کی انگریزی کتاب سے مولوی نذیر الدین نے اُردو میں ترجمہ کی جس کی اشاعت دارالطبع جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ یہ کتاب امدادی کتب میں شمار کی جاتی ہے بطور نمونہ ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ کریں :

"اگرین کے فاضل مظاہر اس وقت شروع ہوتے ہیں جب کہ مشاہدہ ظلّ مؤب یا ظلّ محض پر ہو۔ پہلی صورت میں سورج اور چاند کے کناروں کا تماس خارجی ہوتا ہے اور جزوی سورج گرہن عین شروع یا ختم ہونے کو ہوتا ہے۔ پورے گرہن کی صورت میں وہ ہیئت جسے ہم کاملیت کہیں گے عین شروع یا ختم ہو رہی ہوتی ہے جب کہ مشاہدہ عمل محض پر ہوتا ہے۔" [2]

مثلث تحلیلی

ایس۔ ایل لونی کی انگریزی کتاب سے چودھری برکت علی نے اس کا ترجمہ اُردو میں کیا جس کی اشاعت دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ اس کتاب کو جامعہ کے نصاب میں شامل کیا گیا تھا اور طلباء کی ضرورت کے پیشِ نظر ہی اُس کے ترجمہ کی نوبت آئی کتاب کی زبان اور بیان کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہو جاتا ہے :

۱۔ علمی نباتات، مصنف کے رنگاچاری مترجم مولوی عبدالباری، دارالطبع جامعہ حیدرآباد ۱۹۳۸ء

۲۔ علم ہیئت کروی، مصنف بال سر رابرٹ مترجم مولوی نذیر الدین، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۴۰ء ص ۱۸۶

"اس باب میں پہلے ہم یہ بتائیں گے کہ کس طرح سے کسی زاویہ کی جیوب اور جیوب التمام کی قوتوں کی تفصلیں اس زاویہ کے اضعاف کو جیوب اور جیوب التمام کی رقوم میں معلوم کی جا سکتی ہیں اور یہ پھر یہ بتائیں گے کہ کس طرح سے ایک زاویہ کے کسی ضعف کی جیوب اور جیوب التمام کو زاویہ کو زاویہ مذکورہ کی جیوب اور جیوب التمام کی قوتوں کے سلسلے میں پھیلایا جا سکتا ہے" [1]

مساحت

مصنف پیر لوائنٹ کی انگریزی کتاب سے اردو ترجمہ محمد عزیز الرحمن نے کیا جس کی اشاعت دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے ۱۹۲۹ء میں عمل میں آئی۔ اس کتاب کو بھی طلبا کی ضرورت کے پیش نظر ترجمہ کیا گیا۔ کتاب کی زبان اور انداز بیان کو سمجھنے کے لیے درج ذیل اقتباس نمونہ کے طور پر تحریر کیا جاتا ہے:

"مخروط مضلع یا ہرم مستوی سطحوں گھرا ہوا ایک ایسا جسم ہوتا ہے کہ ان میں ایک سطح جو اس کا قاعدہ کہلاتی ہے کوئی شکل مستقیم الاضلاع ہوتی ہے اور باقی تمام سطحیں ایسے مثلث ہوتے ہیں جن کا ایک مشترک راس قاعدہ کی سطح سے باہر واقع ہوتا ہے" [2]

قانونی طب اور سمومیات

طب پر ایک اہم کتاب ڈاکٹر محمد حسین نے ہنمن اور برانڈ کی انگریزی کتاب سے اردو میں ترجمہ کی۔ اس کتاب کی اشاعت ۱۹۳۰ء میں دار الطبع جامعہ عثمانیہ سے ہوئی۔ میڈیکل کے طلبا کی ضرورت کے پیش نظر اس کا ترجمہ کیا گیا جو میڈیکل کالج کے نصاب میں شامل کی گئی۔ کتاب کی عبارت عام فہم ہے اور انگریزی اصطلاحوں کا دار الترجمہ کی اردو اصطلاحوں کی مدد سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ ذیل کا اقتباس بطور نمونہ پیش ہے:

"بسا اوقات طبی قانونی تحقیقات کا موضوع ایسی اموات ہوتی ہیں جو اچانک مشتبہ

۱۔ مثلث تحلیلی، مصنف پروفیسر ایس۔ ایل۔ لونی مترجم چودھری برکت علی، دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد ۱۹۳۲ء
(یہ کتاب سینٹرل لائبریری دہلی یونیورسٹی میں موجود ہے۔)

۲۔ مساحت، مصنف پیر لوائنٹ مترجم محمد عزیز الرحمن، دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (۱۹۲۹ء) ص ۶۱

حالات میں بنظرِ سہولت اس قسم کی اموات کو عین عنوانوں کے ماتحت جماعت بند کیا جا سکتا ہے۔ ایسے مرض سے واقع شدہ اموات جس کے متعلق یہ امر ہمہ گیر طور پر تسلیم شدہ ہو کر اس کے اچانک موت میں ختم ہو جانے کا امکان ہے اور جو عام طور پر اپنی موجودگی کا تسلی بخش بعد الموت ثبوت چھوڑ جاتا ہے۔“[۱]

امراضِ چشم

جومیس اور ورتھ کی انگریزی کتاب 'اے مینول آف ڈیسیزیز آف آئی حصہ I، II کا اردو ترجمہ خورشید حسن نے کیا۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۴۰ء میں اور دوسری جلد ۱۹۴۱ء میں دار الترجمہ عثمانیہ سے شائع ہوئی۔ پہلی جلد سے اقتباس ملاحظہ ہو:

”اگر شاہد میں کوئی الغطاف البصر موجود ہے تو اسے عینک جس میں فاصلے کو درست کرنے والے شیشے موجود ہوں لگانی چاہئے۔ یا ان عدسات جو چشم بین کے قرص میں لگے ہوئے ہیں اپنا صحیح عدسہ پھرا کر روزن کے سامنے لے آنا چاہئے۔“[۲]

مبادی جنسیات

ڈاکٹر حیدر علی خاں نے ہیلی برٹن کی انگریزی تصنیف کا ترجمہ اردو میں مبادی جنسیات کے نام سے کیا یہ کتاب بھی میڈیکل کے طلبا کے لیے لکھی گئی جس کی اشاعت ۱۹۲۹ء میں دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے ہوئی۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ کریں:

”یا فتیں خلیوں پر مشتمل ہوتی ہیں جو صرف ایک ہی خلیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ امیبا جیسے سادہ حیوانات میں ایک ہی خلیہ ایک ہی فرد کامل ہوتا ہے اور تنہا یہی خلیہ ایک حیوان کے سارے کاروبار (افعال و وظائف) انجام دیتا ہے۔“[۳]

۱ــــ قانونی طب اور سمومیات، مصنف ہنمن اور برانڈ، مترجم محمد حسین دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (۱۹۳۰ء) ص ۳

۲ــــ امراض چشم، مصنف جومیس اور ورتھ مترجم ڈاکٹر خورشید حسن دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (۱۹۴۰ء)

۳ــــ مبادی جنسیات، مصنف ہیلی برٹن مترجم ڈاکٹر حیدر علی خاں، دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (۱۹۲۹ء) ص ۳

عملی طب

ٹائلر کی انگریزی کتاب کا ترجمہ عملی طب کے نام سے ڈاکٹر محمد عثمان خاں نے اردو میں میڈیکل کالج کی نصابی ضرورت کے تحت کیا اس کی اشاعت دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے ۱۹۳۷ء میں ہوئی۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"ڈفتھیریا (جو ڈیٹیرا) یعنی کھاتے ہوئے چمڑے یا چمڑے کے ٹکڑے سے ماخوذ ہے ایک حارساری مرض ہے جس کا اصلی سرپریاتی خاصہ سطحی یا فتوں کا ایک عجیب التہاب ہے جو ایک نام نہاد "جھلی" پیدا کر دیتا ہے یہ عموماً دہن بالعموم ناک یا جبڑے کے نسبتاً شاذ طور پر کسی دوسری مخاطی جھلی کو یا خراشیدہ جلد کو یا کسی زخم کی سطح کو ماؤف کرتا ہے۔" [1]

جراحی اطلاقی تشریح

یہ کتاب سا بیرونٹ کی انگریزی کتاب سے ڈاکٹر غلام دستگیر نے اردو میں ترجمہ کی جو دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بھی میڈیکل کے طلباء کی ضرورت کو مدِّ نظر رکھ کر ترجمہ کی گئی۔ کتاب میں دارالترجمہ کی اردو اصطلاحوں سے مدد لی گئی ہے۔ ذیل کا اقتباس بطور نمونہ تحریر کیا جاتا ہے:

"جہاں تک آنکھ سے سیال کے خارجی پھیلاؤ کا تعلق ہے مقدم کو کشک کا محیطی حصّے کی اہمیت بہت طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے اگر یہ حصہ قرینہ کے انقلاب میں فزحیہ سے یا عدسیہ کے تن جانے سے عدسہ ہی مسدود ہو جائے تو گلوب کے دباؤ کی زیادتی اس کا لازمی نتیجہ ہوگی۔" [2]

دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کا قیام ۱۷ اگست ۱۹۱۷ء میں ہوا اور ترجمہ شدہ کتابیں ۱۹۵۱ء تک شائع

۱۔ عملی طب۔ مصنف ٹائلر، مترجم ڈاکٹر محمد عثمان خاں، دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (۱۹۳۷ء) ص ۱۶۳

۲۔ جراحی اطلاقی تشریح، مصنف سا بیرونٹ مترجم ڈاکٹر غلام دستگیر دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (۱۹۳۰ء)

ہوتی رہیں۔ اس طرح یہ ادارہ تینتیس برسوں پر اپنا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس ادارہ کی سب سے پہلی کتاب ۱۹۱۹ء میں اشاعت کے مراحل طے کرکے منظرِ عام پر جلوہ گر ہوئی۔ اور سب سے آخری کتاب ۱۹۵۱ء میں طبع ہوئی۔

آخر میں دارالترجمہ کے مترجمین کی تعداد گھٹ کر صرف چھ افراد پر مشتمل رہ گئی۔ جن میں احسان اللہ، رشید احمد، ڈاکٹر غلام دستگیر، ڈاکٹر یوسف انطونی، محمد حسین اور عبدالرحمن خاں شامل تھے۔ یہ مترجمین ۱۹۵۰ء کے بعد تک ادارہ سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۱ء میں انہیں ملازمت سے سبکدوش کردیا گیا اور اس شعبہ کو ختم کردیا گیا۔ کتابوں کی فروخت کے لیے محمد عبداللہ کو اسٹورکیپر کے عہدے پر فائز کیا گیا اور ان کے بعد ڈاکٹر ایشور ناتھ ٹوپا کو ناظم دارالترجمہ کا اعلیٰ عہدیدار مقرر کیا گیا۔ موصوف اس عہدے پر ۱۹۶۰ء تک فائز رہے۔

دارالترجمہ کی بیشتر کتابوں کی اشاعت ہوئی لیکن جو کتابیں طباعت کے مراحل سے نہ گزر سکیں ان مخطوطات کو دارالترجمہ میں محفوظ کردیا گیا۔ دارالترجمہ میں آتشزدگی کے باوجود یہ کتابیں محفوظ رہیں جو بعد میں نظام ٹرسٹ لائبریری کو بطور تحفہ دیدی گئیں جو آج بھی وہاں پر بہتر حالت میں موجود ہیں۔

آتش زدگی کے بارے میں رہنمائے دکن میں مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی:

"حیدرآباد، ۱۸ اگست۔ کل رات زبانِ اردو کی نایاب کتابوں کا ذخیرہ جل کر خاکستر ہوگیا۔ جب کہ دارالترجمہ کی عمارت کو آگ لگ گئی۔ نقصان کی مالیت کا اندازہ اسّی ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان ہے۔ ساری کتب کی فہرستیں تیار کی جارہی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ اور نایاب کتب آہنی الماریوں میں جو تباہ ہونے سے بچ گئی ہیں۔

پانچ آتش فرو انجنوں کی مدد سے آگ پر دو گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد قابو پایا جاسکا۔ اس آگ سے دارالترجمہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ آگ کے شعلوں میں آکر چھت گر گئی۔ آگ کے بجھانے کے لیے اس عمارت کے دروازوں کو توڑنا پڑا تاکہ ان دروازوں کی راہ سے پائپوں کے ذریعے پانی کو

آگ پر مارا جائے۔ آتشزدگی کا یہ حادثہ تقریباً دس بجے رات پیش آیا"۔[1]

قوم کی خوش حالی زبان و علوم کی ترقی پر منحصر ہے زبان ہی کے ذریعے اپنے تہذیبی، تمدنی اور علمی وراثت کو محفوظ کیا جا سکتا ہے اور رجحانات کو اپنے اندر جذب کرنے کی قوت حاصل کی جاتی ہے تاکہ زبان وادب کو منجمد ہونے سے بچایا جاسکے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے اُسے متحرک رکھا جاسکے اردو کو یہ فخر حاصل رہا ہے کہ اس کے دامن کو ہر دور میں کشادہ کرنے والے اصحابِ علم کا تعاون ملتا رہا اور یہی سبب ہے کہ تمام جدید فکری اور سائنسی علوم کے سرمایے سے اس کا دامن مزید وسیع ہوگیا ہے دارالترجمہ کے قیام سے قبل اس زبان کو اتنی وسعت حاصل نہ تھی جتنی اس کے بعد اس زبان کو حاصل ہوئی۔ دارالترجمہ کے ذریعے مغرب و مشرق کے درمیان علم کا وہ فاصلہ جو بظاہر بہت بڑی خلیج کے مانند تھا مٹ گیا اور اس کی کوششوں کے سبب ہی جدید علوم جو مغرب کی ترقی کا سرچشمہ تھے نہ صرف اردو میں منتقل ہوئے بلکہ آئندہ کے لیے بھی ایسا راستہ بن گیا جس سے وہ مزید ترجمہ ہوکر اس زبان کو مالامال کرتے رہیں اگر یہ ادارہ قوم کی اس دشواری اور ضروریات کو محسوس نہ کرتا تو اردو کو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت نہ ملتی۔ مترجمین اور مصنفین نے اس بات کو ملحوظ رکھا کہ تراجم اور تصنیفات زبان کے ادق استعمال سے بوجھل نہ ہونے پائیں اور عام فہم، سادہ اور سلیس اسلوب نگاری کا فروغ ہوا اور اتنا وقیع اور قابل قدر علمی و فکری سرمایہ اکٹھا کردیا جس پر اردو کو بجا طور پر فخر ہے۔

اگر دارالترجمہ کی شائع شدہ جملہ کتابوں کو فنون کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے تو یہ سات شعبوں میں ترتیب دی جاسکتی ہیں پہلا شعبہ آرٹس یعنی میٹافیزکس، سیکالوجی، لاجک اور ایتھکس دوسرا شعبہ ہسٹری اور جاگرافی، تیسرا شعبہ سوشیالوجی پولٹیکل سائنس اور اکنامکس، چوتھا شعبہ قانون، پانچواں شعبہ ریاضی اور سائنس، چھٹا شعبہ انجینیرنگ اور ساتواں شعبہ زولوجی، بوٹنی اور میڈیسن وغیرہ سے متعلق ہوگا۔ نصیرالدین ہاشمی کے مطابق ان ساتوں شعبوں پر مشتمل مندرجہ ذیل کتابیں طبع ہوئیں، جن کی جملہ تعداد ۳۵۹ اور سائنس سے متعلق کتابیں ۲۰۰ ہیں:

اؔ ـــ فلسفہ، مابعد الطبیعات، نفسیات، منطق، اور اخلاقیات ۵۹

---

[1] ـــ روزنامہ رہنمائے دکن، حیدرآباد مورخہ ۹ اگست ۱۹۵۵ء

۲۔ تاریخ وجغرافیہ، تاریخ اسلام، ہند، قدیم، یورپ ۱۱۸

۳۔ عمرانیات، سیاسیات، معاشیات ۲۹

۴۔ قانون ودستور ۲۲

۵۔ ریاضی، سائنس ۴۳

۶۔ سیول ومیکانیکل انجینیری ۲۶

۷۔ طب ۳۰ [1]

دارالترجمہ سے اس کے علاوہ بھی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ہاشمی نے صرف ۱۹۴۰ء تک کتابوں کی فہرست کے اعداد دیے ہیں۔

دارالترجمہ کی کتب کی تعداد مختلف اصحابِ ادب نے مختلف بتائی ہے۔ عبداللہ عمادی کے مطابق یہ تعداد ۵۰۳ ہے جس میں سائنس اور ریاضی سے متعلق ۱۰۱ کتابیں دی گئی ہیں ۱۹۳۹ء تک کل ملاکر ۲۳۶ کتابیں شائع ہوئیں۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ کے مطابق ۱۹۳۴ء تک کل ۲۸۵ کتابیں شائع ہوئیں جن کی تفصیل اس طرح ہے!

"تاریخِ ہند ۹۔ انگلستان ۳۶۔ تاریخ اسلام ۲۶۔ جغرافیہ ۵۔ سیاسیات ۱۳۔ دستورِ انگلستان ۴۔ معاشیات ۱۳۔ عمرانیات ۲۔ فلسفہ ۱۶۔ منطق ۴۔ مابعدالطبیعات ۲۔ نفسیات ۱۱۔ اخلاقیات ۱۱۔ ریاضیات ۲۸۔ حیاتیات ۸۔ کیمیا ۱۸۔ طب ۲۲۔ انجینیرنگ ۴۰۔ متفرق ۴۔ جملہ ۲۸۵" [2]

مولوی میر حسن نے دارالترجمہ کی کتابوں کی کل تعداد ۳۲۵ بتائی ہے جن میں

"تاریخِ ہند عہد ہنود، عہدِ اسلام اور عہدِ برطانیہ ۲۹۔ تاریخ انگلستان ۷۔ تاریخ یورپ ۱۳۔ تاریخِ یونان ۸۔ تاریخ روما ۸۔ تاریخ اسلام ۱۸۔ جغرافیہ ۵۔ سیاسیات ۱۳۔ دستورِ انگلستان ۴۔ معاشیات ۱۳۔ عمرانیات ۲۔ فلسفہ ۱۶۔ منطق ۴۔ مابعدالطبیعات ۲۔

۱۔ دکن میں اردو، نصیر الدین ہاشمی، نسیم بکڈپو لکھنؤ (۱۹۶۳ء) ص ۵۸۔

۲۔ عہدِ عثمانی میں اردو کی ترقی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، حیدرآباد (۱۹۳۴ء) ص ۱۱۱

نفسیات ۱۲- اخلاقیات ۱۱- قانون ۱۱- ریاضیات ۲۷- طبعیات ۲۱- کیمیا ۱۷- حیاتیات ۲-
طب ۲۸- انجینیرنگ ۳۹- جملہ ۳۵۵ ہے[1]

اس طرح مولوی میر حسن کے مطابق سائنس کی کتابوں کی تعداد ۱۷۱ ہوتی ہے۔

راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق اگر تمام علوم کو علیحدہ علیحدہ شمار کر کے ان کی کتب کا احاطہ کیا جائے تو تعداد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۹ء تک علم ریاضی پر ۷۰ کتابیں شائع ہوئیں جن میں ۲۲ الجبرا، ۲۹ جیومیٹری، ۴ ٹگنومیٹری ۸ کیال کولس، ۹ اپلائڈ میتھمیٹکس اور ۵ کتابیں اسٹرانومی (فلکیات) پر طبع ہوئیں۔

۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۵ء تک فزکس کے موضوع پر ۲۳ کتابیں شائع ہوئیں۔ جن میں جنرل فزکس کی چودہ[14]، فزکس کی تین[3]، پریکٹیکل فزکس پر چھ کتابیں طبع ہوئیں۔

۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۸ء تک علم کیمیا اور بالوجی پر اٹھارہ[18] کتابیں شائع ہوئیں جن میں نظری کیمیا پر چار[4]، فزیکل کیمیا پر دو[2]، آرگینک کیمسٹری پر تین[3]، جیالوجی پر ایک[1]، بوٹنی پر تین[3] اور زولوجی پر دو کتابیں دستیاب ہیں۔

فن انجینیرنگ پر ۱۹۲۹ء سے ۱۹۴۸ء تک انتیس[29] کتابیں ترجمہ کر کے شائع کی گئیں جو اس عہد کی مقبول کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں۔

علم طب پر ۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۸ء تک اکتیس[31] کتابیں شائع ہوئیں جن میں جیورس پروڈینس پر چھ[6] انوٹومی پر نو[9] فیزیالوجی پر پانچ[5] ہسٹیالوجی پر دو سرجری پر دو[2] آپتھالوجی پر دو[2] اور ڈیسیز آف ویمن پر پانچ[5] کتابیں طبع ہوئیں۔

اردو ادب اور ہندوستان کے عوام کے لیے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے جن علوم و فنون کا انتخاب کیا ہے وہ صرف ادبی، شعری یا مذہبی نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ ساتھ اس نے سائنس، جغرافیہ، انجینیرنگ، طب، جراحی، عمرانیات، سیاسیات، معاشیات، فلاسفی، نفسیات، منطق، اخلاقیات، قانون، علم حیوانات، علم طبعیات اور تاریخ کے ضمن میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

۱- مغربی تصانیف کے اردو تراجم، میر حسن، حیدر آباد (۱۹۳۹ء) ص ۱۱۱

دارالترجمہ کی بدولت اہلِ اردو میں اپنی زبان سے متعلق یہ شعور بھی بیدار ہوا کہ وہ اس ضمن میں نئے نئے سوالات اور نئی نئی جہت تلاش کرنے لگے۔ بقول مولوی عبدالحق:

"جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنا پڑیں" [1]

اب ہم بجا طور پر یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ دارالترجمہ نے تنہا جاپانیوں کے تیس چالیس برسوں کے مقابلے میں صرف ۳۲ سال کی قلیل مدت میں وہ ترقی کی جس کی مثال اس سے پیش تر تاریخ میں نہیں ملتی۔

افسوس ہمیں دارالترجمہ کی خدمات پر تنقیدی نظر ڈالنے کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ ۱۹۵۰ء میں اس کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا۔ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل ہی ریاستوں کو متحدہ ہندوستان سے جوڑنے کا بل پاس کر دیا گیا تھا۔ میر عثمان علی خاں والیِ دکن کے زوال کے بعد دارالترجمہ کا پُرسان حال کوئی نہ رہا وہ سلسلہ جو اردو میں سائنسی علوم اور جدید فنون کو منتقل کرنے کے لیے شروع کیا گیا تھا وہ روبہ زوال کیوں نہ ہوتا جبکہ جامعہ عثمانیہ کی اردو حیثیت ہی ختم کر دی گئی۔ ۱۹۵۰ء میں اس اردو یونیورسٹی کا ذریعۂ تعلیم انگریزی کر دیا گیا۔ جس کے سبب دارالترجمہ کی ضرورت ہی ختم ہو گئی۔

جامعہ عثمانیہ کے سینیٹ کے فیصلے نے دارالترجمہ اور اس کی ۳۲ سالہ خدمات پر پانی پھیر دیا اور حیدرآباد میں پولس ایکشن کے اثرات نے اُردو کی باقی ساکھ کو بھی ملیامیٹ کر دیا اور وہ زبان جس کے ذریعے ہندوستان میں سائنس اور دیگر علمی و فنّی علوم کی ترویج ہو رہی تھی اس کی عدم ضرورت کا احساس فروغ پانے لگا۔ دارالترجمہ کی اختتامی کارروائیوں کا آخری اعلان نامہ ۸ر ستمبر ۱۹۵۰ء کو جاری کیا گیا:

"جامعہ عثمانیہ کی نئی سنات کے تحت ۲۶ر ستمبر کے پہلے اجلاس میں ایک تحریک پیش کرنے کا نوٹس دیا گیا ہے۔ جس میں "عبوری مدت میں" انگریزی کو ذریعۂ تعلیم اور امتحانات کی زبان قرار دینے پر زور دیا گیا ہے۔ زبان کے معاملے میں قطعی اور یکساں پالیسی اور تمام جامعاتی جماعتوں میں تعلیم اور امتحانات کی زبان کو

۱۔ مقدماتِ عبدالحق، مرتب ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو مرکز لاہور ۱۹۶۴ء، ص ۲۲۵

انگریزی یا وفاقی زبان قرار دینے کی حمایت کرتے ہوئے قرارداد میں کہا گیا کہ زبان کے بارے میں جامعہ کی موجودہ پالیسی غیر یقینی ہے اور اردو یا ہندوستانی کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے سے گڑبڑ پیدا ہو رہی ہے اور اس پر تنقید بھی ہو رہی ہے کہ ایک اور تحریک کا نوٹس دیا گیا ہے جس میں دارالترجمہ کے برخاست کرنے پر زور دیا گیا ہے جس کا اب کوئی کام نہیں رہا ہے۔ اس لیے آئندہ سال تعلیمی سے اس کو برخاست کر دینا چاہیئے"۔ [1]

جامعہ عثمانیہ میں انگریزی ذریعۂ تعلیم نے پورے اُردو کاز کو کاری ضرب پہنچائی اور ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت وہ زبان جس کی اہمیت اور فضیلت ایک مسلّم حقیقت تھی صفحۂ تاریخ سے کھُرچ دی گئی۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۴ء تک بھی دارالترجمہ اپنی ٹوٹی پھوٹی اور بچی ساکھ کے بل بوتے پر رینگتا رہا۔ مولوی عبدالحق اور اس سے وابستہ دوسرے افراد اپنی اس جدّوجہد میں مصروف رہے کہ جامعہ سے اُردو کو علیحدہ نہ کیا جائے اسی دوران ۱۹۵۱ء میں دارالترجمہ کی آخری کتاب طبع ہوئی اور اس کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ ۱۹۵۱ء کو دارالترجمہ کی زندگی کا آخری سال تصوّر کیا جاتا ہے۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے زوال پذیر ہونے کے باوجود اس کی ذات سے بلاشبہ دو بڑے مقصد وابستہ کیے جا سکتے ہیں جن کی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ چونکہ یہ دونوں مقصد تقسیمِ ہند کے بعد سامنے آئے اس لیے ان کی حیثیت مسلم الثبوت تاریخی نوعیت کی حامل ہے۔

تقسیم کے بعد ہندوستان میں ذریعۂ تعلیم انگریزی تھا عثمانیہ یونیورسٹی کے علاوہ ہر یونیورسٹی پر ہندی ذریعۂ تعلیم ہائی اسکول یا انٹرمیڈیٹ کی سطح تک رائج تھا۔ جب یہاں ہندی کو قومی زبان کا درجہ دیا گیا تو اعلیٰ تعلیمی ضرورت کے پیشِ نظر نصاب کا مسئلہ سامنے آیا جس کے لیے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے اصول محرّک ثابت ہوئے اور ہندی میں نصاب کی تیاری کے لیے تراجم کرتے وقت دارالترجمہ عثمانیہ کے اِن اصولوں کو پیشِ نظر رکھا گیا جس وقت ہندی تراجم کرنے والوں کو اصول وضع کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا تو بڑی حد تک ہندی

---

[1] روزنامہ رہنمائے دکن مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۵۰ء

نصاب مرتب کرنے میں دارالترجمہ کے کامیاب اصولوں نے ہندی زبان کے دانشوروں کی رہبری کے فرائض انجام دیے۔

قیامِ پاکستان کے بعد جب اُردو کو سرکاری زبان قرار دیا گیا تو اردو میں یونیورسٹی سطح تک تعلیم دینے کے لیے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کا ہی رائج شدہ نصاب مکمل ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ عثمانیہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل اساتذہ کی بڑی تعداد نے بھی معاونت کے فرائض انجام دیے۔ دارالترجمہ سے وابستہ ماہرینِ تراجم اور ماہرِ لسانیات قابلِ لحاظ تعداد میں ترکِ وطن کر چکے تھے جو پاکستان کو افراط کے ساتھ میسّر آئے اور وہاں اردو زبان کو رائج کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

مندرجہ بالا واقعات اور حقائق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بنیادی طور پر دونوں ملک اپنی مختلف زبانوں کے باوجود براہِ راست یا بالواسطہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ کے ممنونِ احسان ہیں۔

باب ہشتم

متفرقات

اردو میں سائنسی ادب کی منظم اور اجتماعی کوششوں کے علاوہ انفرادی طور پر تصنیف و تالیف کا کام سولہویں صدی سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سے ہر دور میں یہ کام تھوڑا بہت ہوتا رہا ہے۔ سائنسی موضوعات سے خصوصی دلچسپی ہی اس کا محرک بنی کیونکہ ان میں زیادہ تر مصنفین ایسے تھے جو کسی دربار یا ادارے سے وابستہ نہیں تھے۔ چند مصنفین ٹیپو سلطان کے عہد میں ضرور ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے ٹیپو سلطان کے حکم پر بعض سائنسی اور طبی رسائل تصنیف و ترجمہ کیے۔

انفرادی کوششوں میں "بھوگ بل" اب تک دستیاب سائنسی کتابوں میں سب سے قدیم ہے دکن کی برید شاہی دور کے شاعر شہاب الدین قریشی بیدری نے یہ طویل جنسیاتی مثنوی لکھی جس کا ایک حصہ جنسیات پر اور دوسرا حصہ طب پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد سے اب تک طب، ہئیت ریاضی، کیمیا، طبیعات اور حیاتیات پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ اگر ان سب کتابوں کی وضاحتی فہرست بنائی جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

بھوگ بل

زیر نظر مخطوطہ کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کی دو نقلیں

امپیریل لائبریری کلکتہ میں بھی موجود ہیں۔ محققین نے اس کا نام 'کھوک پہل' یا 'بھوگ پھل'[۱] لکھا ہے۔ درحقیقت اس کا نام 'بھوگ بل' ہے بہ معنی 'جنسی طاقت'۔ اس مخطوطے میں ۴۵ رنگین تصویر اور ایک قلمی اسکیچ ہے۔ مخطوطہ کا سائز ۲۰ ½ × ۱۲ ½ سینٹی میٹر ہے۔ متن دو کالم میں لکھا ہے فی کالم گیارہ سطور ہیں۔ معمولی قسم کا دولت آبادی کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ لال رنگ کی معمولی سی جلد ہے جو اصل نہیں معلوم ہوتی۔ کُل ۱۳۷ اوراق یا ۲۷۴ صفحات ہیں۔ صفحات کے نمبر نہیں بلکہ ورق کے دونوں طرف (a) اور (b) لکھ کر شمار کیا گیا ہے۔ ترقیمہ کا صفحہ ضائع ہو گیا ہے اس لیے نہ تو کاتب کا نام معلوم ہو سکا اور نہ سنِ کتابت ہی۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے :

محبت ملا نیہ سوناری و نر — کیا نسل ہور ذوق جنتی بہتر
بنایا ہے آدم کی پسلی ہوا — تو آدم کے دکھ کوں حوا ہوئی دوا
جگت میں بھگی نارتھی پر کھ دیکھ — پر کھ کرتے ہے دس حصہ ناری کوں سکھ
یکیلا اپن ایک کرتار ہے — دو جگ پر اسی کا را پکار ہے
صفت کہتے ہوئے جیت کر سب جگت — قر کیشی نے سرے دیا کی صفت

ورق ۶ پر کتاب کے موضوع سے متعلق مفصّل معلومات درج ہے۔ یہاں وہ اشعار بھی رقم کیے گئے جن میں بھوگ بل سے متعلق تاریخی معلومات فراہم ہوتی ہے :

روایت کریں روایانِ حساب — رتی رس، تھا ناؤں سوں اس کتاب
لکھا تھا سبی ہندوی یہ کتیب — کہیا ہے بہت بھوگ کیرا حسیب
اہے اصل شاعر کا ناؤ کُکوک — سو یہ ....
ہوا ناؤں اس کوک کا سیا ستر — ہوا خوب پھر دیکھ زیر و زبر

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں 'کُکوک' نام کا ایک شاعر تھا جس کا نام دھیرے دھیرے تبدیل ہو کر 'کوک' ہو گیا۔ اس شاعر نے ایک شاستر یعنی کتاب لکھی تھی جس کا نام کوک شاستر پڑا۔

۱۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، نصیرالدین ہاشمی، حیدر آباد (۱۹۵۰ء)

زمانۂ تصنیف کی معلومات مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے :

بریدشاہ محمود کے دور منی — کیے ہندوی کوک، کوں فارسی
بہی اس بعد در دور ثانی امیر — کہ جن شاہ بھوگی ہے نرمل سریر
سو اس شاہ کے دور بیدر مقام — یو شاعر کیا نظم دکنی تمام

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بریدشاہ محمود کے دور میں کوک شاستر کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ دراصل بریدشاہی حکومت کی داغ بیل قاسم بریدشاہ نے ڈالی جس کا تعلق محمود شاہ بہمنی (۱۴۸۲ء — ۱۵۱۸ء) کے عہد سے تھا۔ محمود شاہ بہمنی کے بارے میں مشہور ہے کہ بچپن سے ہی وہ عیش و عشرت کے ماحول میں پلا تھا مندرجہ بالا اشعار میں جہاں یہ بات آئی ہے کہ "جن شاہ بھوگی ہے نرمل سریر"، سے صاف ظاہر ہوتا ہے محمود شاہ بہمنی کے دور میں ہی فارسی ترجمہ ہوا۔ اس کے بعد امیر برید (۱۵۹۱ء — ۱۶۰۱ء) کے عہد میں دکنی میں ترجمہ کیا گیا کیونکہ امیر برید کو ہی امیر ثانی کہا گیا ہے[1] و [2]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ ۱۶۰۱ء سے پہلے کی تصنیف ہے۔ کتاب اور مصنف کا نام مندرجہ ذیل اشعار سے واضح ہوتا ہے :

رکھیا ناؤں نیکا رلے بھوگ بل — جو چاتر کرے بھوگ دن دن اکل
رہے شہر بیدر سچا تخت گاہ — جو پیدا ہویں شاعراں نیک خواہ
کہ بیدر کیرا زاہدہ یک فقیر — سو شاعر قریشی لکھیا یہ ضمیر

ورق 4a اور 4b پر لکھا ہے کہ اس کتاب کے چار حصے ہیں۔ اور کل ملا کر ۱۲ ابواب ہیں جن میں ۸۴ آسن کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کتاب کا اختتام اس طرح ہوتا ہے :

اگر نار اپنی جو حاضر نہ ہوے — کرے پار کھی ناسوں عیش توے
ولے ناریگانی کے جائے گھر — زیاں ہے بھکوتا سو کرنا نہ ہنر
وگر ہوے شہوت کا غلبہ بہت — جو رکھ نہ سکے پڑ کھو اپنا جگت

1. BIDAR-ITS HISTORY AND MOVEMENTS, GHULAM YAZDANI, LONDON:1947, p.14

2. THE MUGHAL EMPIRE, R.C. MAJUMDAR, BOMBAY: 1974, p. 68

ضرور ہے بچیں فاحشہ سات سنگ   کرے مرد نے جائے کرلوں درنگ

اس کے بعد مخطوطہ کا دوسرا حصّہ شروع ہوتا ہے جس میں مختلف بیماریوں کے علاج کے لیے نسخے درج ہیں۔ ایک نسخہ یہ ہے:

نیبو ستیں افیون لائے   آنکھیاں کھجلاتا جائے

آنکھیاں اوپر لاوے نیل   جاوے سکلا کھجلانا

اس مخطوطہ میں جو پینٹنگس ہیں انہیں مزیّن کرنے کے لیے رنگوں کے ساتھ اصلی سونے کے پانی کا بھی استعمال ہوا ہے۔ پینٹنگس کی اہمیت کی وجہ سے ہی اِس مخطوطے کو سالار جنگ میوزیم میں اسپیشل ڈسپلے کے لیے رکھا گیا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اُردو کے محققین اس کی طرف خاطر خواہ توجّہ نہ کرسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مخطوطہ نہ صرف اردو کے سائنسی ادب کا اوّلین نمونہ ہے بلکہ اُردو کی ایک قدیم ترین مکمّل تصنیف ہے۔

بھگوت گیتا

اب تک یہ کتاب راگ بلاوؔل کے نام سے یاد کی گئی ہے اصل میں اس کا مصنّف ہندی شاعر سورداس ہے نام کی یہ غلطی مخطوطات کی فہرست بناتے وقت ہوئی ہے۔ اس کتاب کی زبان ہندی سے ملتی جلتی ہے لیکن رسم الخط فارسی ہے اور اس دور کے شمالی ہند کی اردو زُبان سے ملتی جُلتی ہے۔ اس کا اصل موضوع راگ ہے اور راگ بلاول بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ یہ کتاب ۱۵۹۱ء میں تصنیف کی گئی اور ۱۷۳۷ء میں اس مخطوطے کی دوبارہ کتابت کرائی گئی جو کتب خانہ سالار جنگ کی وضاحتی فہرست میں صفحہ ۳۴۲ پر شمار ۲۴۴۳ کے تحت درج ہے۔ یہ کتاب ۵۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ پچاس پر راگ بلاول کی سُرخی کے تحت مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہے:

"تم پھر بو مو سوں بُہت کری۔
نر دیہی دینی سُمرن کو مو پاپی تیں کچھو نہ سری

ا۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ سالار جنگ، نصیر الدین ہاشمی، حیدر آباد (۱۹۵۷ء) ص ۳۴۲

گر بھ پاس اُتِ تراس او ہو مکھ تہاں نہ میری سُدہ بسری
پاؤک جرت جرن نہیں دینو کنچن سی میری دیہہ دُھری
جگ میں جنم پاپ بہو کینے آدِ انتِ لو سب بگڑی[1]

جملہ کتاب صرف راگوں پر مشتمل ہے جو کہیں سُرخ روشنائی سے تحریر کی گئی ہے اور کہیں سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ کتاب کو جگہ جگہ دیمک نے چاٹ لیا ہے اور اوراق میں سُراخ ہو گیے ہیں۔

سورداس اصل میں بھگتی کا شاعر تھا جو زیادہ تر کرشن کی بال لیلا کے سبب ہندی شعرا میں بہت مقبول ہوا۔ اس کتاب میں اگرچہ اس کی سوانح اور اس کے بارے میں کچھ نہیں دیا گیا لیکن اُس کے انداز کے اشعار خصوصی طور پر بھگتی گیت راگ کے انداز میں رقم کیے گیے ہیں اور ہر راگ کے آخر میں مصنف نے اپنا تخلص بھی استعمال کیا ہے آخری صفحہ پر ماہ پوس سمبت ۱۷۹۴ اور ۲۳ر شعبان ۱۱۵۰ھ درج ہے صفحہ ۵۲۲ پر "جگ راجہ ضمیمہ" سُرخ روشنائی سے تحریر ہے۔ کتاب کا اختتام مندرجہ ذیل عبارت پر ہوتا ہے جس میں مصنف کا تخلص موجود ہے:

"نرپ کے خزینہ نسچے آیو
جگ چہار دُھر پد چیت لایو
سوت سون کے کہہ سمجھایو
سورداس تیوں ہر گن گایو"[2]

معالجات خواجہ بندہ نواز

۸ اوراق کے اس مختصر رسالے کا سائز ۱۳ × ۱۸ سینٹی میٹر ہے ہر صفحہ پر گیارہ سطریں ہیں جو بہ خط نستعلیق تحریر کی گئی ہیں۔ یہ قدیم اردو نثر کا ایک طبّی رسالہ ہے جو دو حصّوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ بھگوت گیتا، مصنف سورداس۔ سن تالیف (۱۵۹۱ء) ص ۵۰ (یہ مخطوطہ سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے)

۲۔ بھگوت گیتا، مصنف سورداس، سن تالیف (۱۵۹۱ء) ص ۵۲۲

پہلے حصے میں مختلف بیماریوں کے علاج درج کیے گئے ہیں اور اس کے بعد نسخہ "گھوڑا اجری اور گھوڑا جیری کے ۶۳ فوائد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عابد شاہ کی تصنیف ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ کتاب "گلزار السالکین" کے ساتھ ایک ہی جلد میں ہے دوسرے اس مخطوطے کی زبان گلزار السالکین کی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ چونکہ عابد شاہ حضرت خواجہ بندہ نواز کے مرید تھے اس لیے یہ بات حقیقت کے قریب ہے کہ انہوں نے بندہ نواز کی فارسی تحریروں کو اردو میں منتقل کیا ہے۔

پہلے حصے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

"جو طالب پر کچھ آزار آیا، تو اپنا علاج اپنے تن میں کرنا باہر کی چیز کچھ لینا درکار نہیں ہے۔ ہور آزمودہ ہے[۱]"

پہلے حصے کے اختتام کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"بچھو، کا کاٹا تو اوس جگہ کوں کچا کر کر کان کا میل لگانا۔ ہور اوس جگوں کوں موں کی بھاپ سے سینکنا[۲]"

دوسرے حصے کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوا ہے:

"مختصروں سے قطب الاقطاب کے حضرت خواجہ صدرالدین سید محمد مخدوم حسینی یعنی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ جو کہ فرماتے ہیں باب میں تجربات ہر ہر مرض کے مفصل تحقیق مجرب ہے[۳]"

دوسرے حصے کے اختتام میں تحریر مندرجہ ذیل ہے:

"یہ نسخہ دو رکعت نماز پڑھ کر ہر رکعت سورۂ فاتحہ و اخلاص یک بار پڑھنا۔ نسخہ پینے کے وقت وضو سے رہنا۔ نسخہ گھوڑا اجری تمت تمام[۴]"

مفرح القلوب

یہ کتاب حسن علی عزت دکنی نے ۱۷۸۳ء میں تصنیف کرنا شروع کی اور ۱۷۸۵ء میں اسے

۱۔۲ ــ معالجات خواجہ بندہ نواز، عابد شاہ، ۱۰۹۳ھ (۱۶۸۱ء)۔ (کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں نشان ۳۵۸۱ پر موجود ہے)

۳۔۴ ــ معالجات خواجہ بندہ نواز، عابد شاہ، ۱۰۹۳ھ (۱۶۸۱ء)

مکمل کیا۔ یہ کتاب میسور کے ٹیپو سلطان کی ایما پر تحریر کی گئی مصنف نے اس کتاب کو سلطان سے معنون کیا ہے۔ دو مختلف کاتبوں نے بخطِ شکستہ اس کی کتابت کی ہے یہ مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہے جس کا ذکر بلوم ہارٹ نے فہرست ہندوستانی مخطوطات میں (جو ۱۹۲۶ء میں طبع ہوئی) کے صفحہ ۱۲۹ پر کیا ہے۔ یہ کتاب دل کی بیماریوں اور اس کے علاج کے سلسلے میں لکھی گئی تھی۔

مجرّبُ التحقیقات

یہ کتاب سیّد ابوالحسن کے بیٹے حکیم سیّد محمد علی نے ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵ء) میں تصنیف کی۔ ۱۳ سطور فی صفحہ اور ۲۲ × ۱۸ سینٹی میٹر سائز پر مشتمل طب کے موضوع پر بخطِ شکستہ تحریر ہے۔ اس کتاب کو ۶۵ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے جس میں امراض اور اس سے بچاؤ کے لیے علاج درج ہیں۔ کتاب کی عبارت کا نمونہ درج ذیل ہے:

> "حمد بے نہایت اور تعریف بے شمار خاص خدائے تعالیٰ کے تئیں وارد واسطے دفع کرنے ہر دوا کے پیدا کیا اور درود بے نہایت اوپر ارواح سرور انبیا برہان الاصفیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اما بعد یہ طب تالیف ہے سید محمد علی ابن سیّد ابوالحسن کے ہے اور یہ ضعیف نے اس طب کے تئیں جمع کرے۔ ہر کسی کو کام آوے۔"

اس کتاب کا تذکرہ اندراج اردو مخطوطات جلد اوّل میں مرتب نصیر الدین ہاشمی نے صفحہ ۲۹۲ پر کیا ہے (جو ۱۹۶۱ء میں طبع ہوئی۔)

ترجمہ طبّ شہابائی

اس کتاب کے کئی نسخے ملتے ہیں۔ پہلا نسخہ ۲۲ × ½۱۲ سینٹی میٹر سائز ۲۰ صفحات بخطِ شکستہ ۱۷۸۷ء کا کتابت شدہ ہے جو کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے۔

دوسرا نسخہ ۲۳ × ۱۸ سینٹی میٹر سائز، ۸ صفحات بخطِ شکستہ، کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے

— مجرب التحقیقات، سید محمد علی (۱۷۸۵ء) یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں یونانی نمبر ۹ پر موجود ہے۔

جس کا نمبر طب یونانی ۹۰۶ ہے۔

اس کا تیسرا نسخہ ۲۲ × ۱۷ سینٹی میٹر سائز، ۱۶ صفحات بخطِ نستعلیق ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد میں موجود ہے۔

مصنّف کا نام نہیں دیا گیا۔ یہ شہابی کی طبِ یونانی کا دکنی اردو میں منظوم ترجمہ ہے کتاب کے آخر میں دوا کے نسخوں کو بھی منظوم کر دیا گیا ہے۔

کتاب کی عبارت یہ ہے :

"ہات کے برابر ایک انگوٹھے چھوڑ کر تین انگلیاں برابر رکھ کر دیکھنا[۱]"

منظوم عبارت مندرجہ ذیل ہے :

"اگر ایک پیالہ پلادے اوسے

خدا کا فضل ہووے خلاصی اوسے[۲]"

مجرّباتِ طب

۲۲ × ۱۸ سینٹی میٹر سائز پر ۱۳۲ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مصنّف کا نام نہیں دیا گیا۔ ہر صفحہ پر ۱۵ سطور دی گئی ہیں جو خطِ شکستہ میں تحریر کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں امراض کی تشریح اور علاج درج کیے گیے ہیں جو یونانی ادویات پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب کا حوالہ فہرست مخطوطہ میں صفحہ ۲۹۲ پر موجود ہے۔

مخطوطے کی عبارت درج ذیل ہے :

"باب اوّل دو مینڈ کھل کے بیج ہور دو سیر پانی یو ہر دو باسن میں بھاگنا پھر نگاہ سوں رکھنا بعد از فجر کے وقت لکڑی سوں ہلا کر چھان لے کر پانی پلانا[۳]"

رسالۂ گرہن

فارسی رسالہ خلاصۃ النجوم کا اردو ترجمہ رسالۂ گرہن کے نام سے ۱۸۵۰ء میں کیا گیا صرف ۱۰ صفحات پر

۲۔ — ترجمہ طب شہابی، سن تصنیف (۱۸۵۰ء)۔ (ادارہ ادبیات اردو ۲۹ پر موجود ہے۔)

۳۔ — مجرّباتِ طب، مصنّف نامعلوم، سن تصنیف (۱۸۵۰ء)۔ (کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں موجود ہے۔)

۱۰ سطروں میں ۱۸ × ۱۲ سینٹی میٹر سائز پر سورج اور چاند گرہن کے واقعات اور ان کے تخریبی و تعمیری اثرات تحریر کیے گیے ہیں۔

یہ رسالہ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں موجود ہے جس کا اندراج فہرست مخطوطات کے صفحہ ۲۵۹ پر نمبر ۱۰۹۱ کے تحت موجود ہے۔

رسالہ علمِ طب

۳۲ × ۲۰ سینٹی میٹر سائز، ۱۰۱ صفحات بخط شکستہ مابعد ۱۷۸۵ء تصنیف یہ کتاب سید بڈھن ولد سید علی قادری ولد محمد اشرف میراں قادری کی تصنیف ہے۔ مصنّف نے میسور سے ہجرت کر کے مدراس کو اپنا وطن بنایا اور اسی جگہ یہ کتاب تحریر کی۔

کتب خانہ سالار جنگ میں یہ کتاب محفوظ ہے۔ اردو مخطوطات کی فہرست میں اس کا تذکرہ صفحہ ۳۳۱ پر ۴۲۰ پر درج ہے۔

مجرّباتِ اکبری

یہ کتاب ۲۳ × ۱۵ سینٹی میٹر سائز پر ۵۸۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب ۱۷۹۱ء میں شہباز خاں نے تصنیف کی ہے۔ شہباز حیدر آباد دکن کے شاعر تھے اور حکیم بھی اسی سبب طب کی مشہور کتاب کا ترجمہ انہوں نے اردو میں کیا۔ یہ بیماریوں سے بچاؤ اور ان کے علاج سے متعلق ہے کتاب کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

> "اس پر ذرا سا تیل یرنڈی کا لگا کر اس کے مُنہ پر باندھنا اندر کا میل سب نکال لاتا ہے اور من بعد ملما لگانا آرام ہوتا ہے[۱]"

فرس نامہ

یہ سعادت یار خاں رنگین کی منظوم تصنیف ہے جس میں گھوڑوں کے امراض اور ان کے

۱۔ مجربات اکبری، شہباز خاں، سن تصنیف ۱۱۹۵ھ، کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد میں موجود ہے۔

علاج اور گھوڑوں کی صفات و شناخت اور اقسام و رنگ وغیرہ کا مختلف عنوانات کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ اوّلاً یہ کتاب رنگینؔ نے نثر میں لکھی تھی۔ لکھنؤ کے ایک امیر بخش عرف مچھو، کی فرمائش پر اس کو نظم کیا اور ایک ہزار اشعار بیس دن کے اندر ۱۷۹۵ء میں لکھے:

"کیا ہے بیس دن میں لکھ کے مرقوم — رہے تعداد اس کی تجھ کو معلوم
اگر پوچھے کوئی ہجری تھی کے برس — تو کہہ، یک ہزار اور دو سو اور دس"

خوانِ نعمت

یہ خط نستعلیق میں تحریر طویل دکنی مثنوی ہے جس میں کھانے پینے کی اشیاء کی طبی خصوصیات انہایت دِل چسپ انداز میں قلم بند کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا خالق نعمت اللہ ہے جس نے مذکورہ کتاب کو ۱۸۰۲ء میں تصنیف کیا۔ کتاب میں ۸ باب اور ان کے تحت ۳۷ عنوانات میں تقریباً دو سو اشیاء کو تقسیم کر کے ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور آخر میں باضابطہ طریقے پر فہرست بھی درج ہے۔ اختتام میں مندرجہ ذیل اشعار دیلے گیے ہیں:

"نام خدا سوں جلد ہوا نسخہ لے تمام — جو فیض لیویں اس سے دکھن میں خاص و عام
داخل نہیں ہے ایک دوا سب غذا ہے دیکھ — لیکن معالجات غذائی ... بجا ہے دیکھ
اسم است خوان نعمت و تاریخ ہست ہم — خور نعمت الہٰ بکن شکر دم بدم"

دُلدُل نوازنامہ

۲۱ × ۱۵ سینٹی میٹر سائز پر ۱۳۲ صفحات پر مشتمل بہ خطِ نستعلیق ولایتی کاغذ پر ۱۲ سطری، عبد القادر ویلوری کی تصنیف ہے جو ۱۸۰۶ء میں لکھی گئی۔ یہ کتاب گھوڑوں کی بیماریوں سے متعلق ہے جس میں علاج و معالجہ کے طریقے اردو نثر میں تحریر کیے گیے ہیں اختتامیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"اور کھلانویں بابت کا مصالح بہت فائدہ کرتا ہے۔"

۱۔ مجربات اکبری، متھیا خاں، سن تصنیف (۱۸۰۸ء) (کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں موجود ہے)

۲۔ خوان نعمت، مصنف نعمت اللہ، سن تصنیف (۱۸۰۲ء) (یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں طب یونانی ۲۸۹ پر موجود ہے)

بھلانویں سے ہرگز ضرور نہیں، البتہ یہ کر کے کھلانا فضلِ الٰہی سے درست اور شمار پاویں گے۔[1]

خنگ نوازنامہ[2]

طالع وندخاں محمود زئی نے یہ کتاب بخطِ شکستہ آمیز نستعلیق ۱۸۲۸ء میں تصنیف کی۔ ۲۸ × ۱۷ سینٹی میٹر سائز، ۲۳ اوراق اور گیارہ سطور پر مشتمل یہ کتاب بھی گھوڑوں کی اقسام، سواری کی ترکیب سے متعلق ہے۔ کتاب میں گھوڑوں کی آٹھ رنگین تصویریں بھی دی ہیں۔

تپ اور اسہال کے علاج کا رسالہ

½۲۲ × ½۱۷ سینٹی میٹر سائز پر صرف ۳۲ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بہ خط نستعلیق ۵ راگست ۱۸۳۱ء میں کلکتہ سے شائع کیا گیا۔ اس رسالہ میں تپ اور اسہال سے بچاؤ اور اس کا علاج تحریر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب جیمس ہچنسن کی انگریزی کتاب سے ترجمہ کی گئی۔ آخری صفحہ کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی سوسائٹی کے زیرِ اہتمام بہت عجلت میں شائع کی گئی۔ عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"آخر ہم توقع رکھتے ہیں کہ اب صاحبان سوسائٹی کی خدمت میں ہماری طرف سے عذر کریں گے، ہم نے کمال جلدی اور کمی فرصت میں لکھا ہے۔"[3]

بیان سانپ کے بکھ کا[4]

سانپوں اور ان کی اقسام سے متعلق یہ کتاب ۲۴ × ۱۸ سینٹی میٹر سائز، ۳۰ صفحات پر مشتمل گورنمنٹ لیتھو پریس کلکتہ سے ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئی۔ کتاب پر مترجم، مصنف کا نام درج نہیں ہے غالباً یہ کسی یورپین شخص کا ترجمہ ہے جو کسی انگریزی رسالے سے کیا گیا ہے۔ کتاب میں ہندوستانی

---

۱ — دلدل نوازنامہ، عبدالقادر رویلوی، سنِ تصنیف ۱۸۰۶ء، صفحہ ۲۲ (کتب خانہ سالار جنگ میں یہ مخطوطہ موجود ہے)
۲ — خنگ نوازنامہ، طالع وندخاں محمود زئی، تصنیف ۱۸۲۸ء (کتب خانہ جامعہ عثمانیہ میں اس کا نسخہ موجود ہے)
۳ — تپ اور اسہال کے علاج کا رسالہ، مصنف جیمس ہچنسن، ۵ اگست ۱۸۳۱ء (کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو میں مخزونہ [illegible])
۴ — بیان سانپ کے بکھ کا، مصنف نامعلوم، گورنمنٹ لیتھو پریس کلکتہ ۱۸۳۱ء (ادارۂ ادبیات اردو [illegible] ۲۰۹ [illegible])

سانپوں کا بھی تفصیلی ذکر موجود ہے۔

راگ راگنی روز و شب

یہ کتاب موسیقی سے متعلق ہے اس کا مصنف خوش حال خاں، عہدِ اکبری کے مشہور ماہر موسیقی تان سین کی اولاد میں تھا۔ ۳۲ × ۱۶ سینٹی میٹر سائز صفحات ۲۶۱، اور ہر صفحہ پر ۱۵ سطروں پر مشتمل یہ کتاب ۱۸۳۲ء میں تصنیف کی گئی۔ کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

"پرتھم راگ بھیروں ودھر پد پرمارت مال دھیما تتالہ اللہ اکبر پرتھم نام لے لے مَن میری اللہ اکبر انترا اور جو باتیں بگار تھی دلتیں دور کرا گیان جگر گیجے ہر دم ایک نکبر پیترا بنار تن من جیاتن ہر دن نین بست تو حکار ہت ایک جگہ......"[1]

فنِ جراحت[2]

۲۲ × ۱۳ سینٹی میٹر سائز، ۹۴۴ صفحات پر مشتمل، ہر صفحہ پر ۱۳ سطریں، ۱۸۳۴ء میں اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی مخطوطے پر مصنف کا نام نہیں ہے البتہ کتاب کے آخر میں کاتب کا نام دیا گیا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے:

"تمت تمام شد بقلم سید غلام قادر"[3]

مندرجہ بالا تحریر کے ساتھ ہی کاتب کی مہر بھی لگی ہے۔ جس پر غلام قادر صاف پڑھا جاتا ہے۔ مذکورہ کتاب علم سرجری سے متعلق ہے جو حیدر آباد کے میڈیکل اسکول کے لیے کسی انگریزی کتاب سے ترجمہ کی گئی ہے۔ کتاب عمدہ دیسی کاغذ پر بخط نستعلیق تحریر کی گئی ہے۔

پراکٹیکل فارمیسی

۲۲ × ۱۵ سائز، ۶۰ صفحات، فی صفحہ ۱۳ سطر بخط نستعلیق، ولایتی کاغذ پر ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) میڈیکل کالج آگرہ کے انگریز پرنسپل مسٹر پلیفر کی تصنیف ہے۔ کتاب کا آغاز درج ذیل ہے۔

---

۱ — راگ راگنی روز و شب، خوش حال خاں، سن تصنیف (۱۸۳۲ء)۔ (کتب خانہ نواب سالار جنگ حیدر آباد میں نمبر ۲۹۰ پر موجود ہے)

۲ — رسالہ فن جراحت، مصنف نامعلوم، سن تصنیف (۱۸۳۴ء)۔ (یہ کتاب کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد میں موجود ہے۔)

"ہر صاحبانِ عقل وذکا و فہم رسا پر واضح ہو کہ فارمیسی وہ علم ہے جس کے ذریعے دوا سازی کی کل ترکیبیں دریافت ہوتی ہیں لیکن قبل اس کے ہر ایک مرکب کے بنانے کی ترکیبیں مفصل مندرج ہوں" [۱]

ترجمہ یادگار رضائی

۲۸ ½ × ۲۱ سینٹی میٹر سائز پر ۱۵۱ صفحات، ۱۳ سطر فی صفحہ، بہ خط نستعلیق یہ رسالہ طب یونانی سے متعلق ہے۔ مترجم کا نام نہیں دیا گیا۔ ۱۸۳۴ء میں فارسی کی مشہور کتاب 'یادگار رضائی' کا اردو ترجمہ کیا گیا۔ اس کتاب میں یونانی ادویہ کے خواص تفصیل کے ساتھ بیان کیے گیے ہیں۔

رسالہ کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

"آنب۔ چونکہ میم اور نون قریب المخرج ہیں اس لیے آم بھی کہتے ہیں زیادہ تر آخر الذکر ہی زبان زد خاص وعام ہے اور فارسی میں نغزک و عربی میں آنبج اور زبانِ ہندی میں مامڑی اور سنسکرت میں امبرا وسوت و امجلاو کانیا و رسال پنڈ پھل وسہکار پھل و سنچیوا کہتے ہیں ...." [۲]

خلاصۂ علم الارض [۳]

۱۹ × ۱۶ سینٹی میٹر سائز، ۴۴ اوراق پر مشتمل یہ مختصر کتاب ۱۸۴۰ء میں علم جغرافیہ پر تصنیف کی گئی۔ کتاب میں ہندوستان کا جغرافیہ، دلّی، لاہور، بمبئی، مدراس اور کلکتہ جیسے بڑے شہروں کا تذکرہ موجود ہے۔ کتاب پر مصنّف کا نام نہیں دیا گیا۔ یہ کتاب سوال وجواب کے انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ کتاب پر کاتب کا نام واعظ علی لکھا ہوا ہے۔

لخلخہ

۱۸۴۸ء میں مصنّف حسن مرزا نے لخلخہ کتاب کی تصنیف کی جو خوشبویات سے متعلق ہے۔

۱۔ پراکٹیکل فارمیسی، مسٹر ٹیلفرد، سن تصنیف (۱۸۶۳ء) (یہ کتاب کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں موجود ہے)

۲۔ ترجمہ یادگار رضائی، مترجم نامعلوم، سن ترجمہ (۱۸۳۴ء) (کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں ۴۲ نمبر پر موجود ہے)

۳۔ خلاصۂ علم الارض، مصنّف نامعلوم، سن تصنیف (۱۸۴۰ء) (ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں موجود ہے)

اس رسالے میں مختلف قسم کے عطر کشید کرنے کے طریقے بالتفصیل بیان کیے گیے ہیں۔ یہ رسالہ گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کو رائحہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے مصنّف کے جدِّ امجد مرزا برہان بیگ آصف جاہ رابع کے خوشبو خانے کے داروغہ تھے جو ماہر خوشبوئیات سمجھے جاتے تھے مصنّف کے والد بھی حکیم تھے جو حیات الدّولہ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ رسالے کے آغاز کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"سبحان اللہ! کیا عطر بیزی ہے عطارِ حقیقی کی کہ مشامِ روح پرور نفوسِ انسان سے طبلۂ مشام کے تئیں معطر کیا اور ہر ایک گل اس چمنستان قدس میں مادہ نور۔ داروغہ خوشبو خانہ کائناتِ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطرِ بہارا سلام سے شیشۂ زمین و آسمان بھر دیا ہے"[1]

رسالہ عظمت السّاعۃ

یہ رسالہ عظمت جنگ بہادر نے تصنیف کیا جو ۱۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کی اشاعت بہ اہتمام محمد عبدالرؤف مطبع دوربین کلکتہ سے مئی ۱۸۵۵ء میں ہوئی۔ یہ رسالہ دو مقالوں، ۱۶ بیانات اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ فہرست آخر میں مع صفحہ نمبر اور تعدادِ سطور پر مشتمل ہے یہ رسالہ سوال و جواب کے انداز میں تحریر کیا گیا ہے جس میں کرہ، خطِ استوا، عرض البلد، دائرہ، قوس وغیرہ کو بخوبی سمجھایا گیا ہے۔ ساعت نما کی دو قسمیں تحریر کی گئی ہیں ۱۔ آفتابی ۲۔ جرِ ثقیلی۔ ہندی میں اس آلہ کا نام دائرہ ہندیہ ہے کیونکہ ہندوستان میں اس کی ایجاد ہوئی تھی۔ یہ آلہ سُورج کی روشنی سے اوقات معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ساعت نما کی دس قسمیں اور تحریر کی گئی ہیں اور ہر ایک کے متعلق اس کی معلومات اور بنانے کی ترکیب درج کی گئی ہے۔ عبارت کا نمونہ درجِ ذیل ہے:

"س ــــ حضرت ساعت نماؤں کو آفتاب نمود ہو تو کام آتے ہیں۔ شب کو کیا کچھ کام نہیں آتے ؟۔

---

۱ ــــ لخلخہ، مصنّف حسن مرزا، سن تصنیف (۱۸۴۸ء) (کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں یہ کتاب محفوظ ہے۔)

ج — ہاں لیکن ساعت نمائے قمری تیار کر سکتے ہیں اور آفتابی ساعت نُما سے رات کا دریافت کرنا بھی ممکن ہے مگر دن کو آفتابی ساعت نما کا ہر روز دیکھنا ہو سکتا ہے اور قمری ساعت نُما ہر مہینے میں چند روز کام آئے گی۔[1]

کتاب اگرچہ ٹائپ کے حروف میں چھپی ہے لیکن متن سے متعلق ۳۵ اشکال باریک کاغذ پر لیتھو میں چھپی ہوئی ہیں جو کتاب کے آخر میں شریک کی گئی ہیں۔ کتاب میں دیباچہ بھی موجود ہے۔

رسالہ قارورہ

$14\frac{1}{2}$ × ۲۰ سینٹی میٹر سائز، ۱۱ سطور فی صفحہ اور آٹھ اوراق پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ دکنی اُردو میں ۱۸۵۷ء سے قبل لکھا گیا۔ رسالہ کا اصل نام "قاروریاں پہچاننے کے بیان میں" ہے۔ کتاب کے مؤلف کے نام کا علم نہ ہو سکا البتہ حولدار جنگلی شریف نے رسالے کے آخر میں ۲۰ مارچ ۱۸۵۸ء کو ان کے یہاں جتنے کپڑے موجود تھے ان کی فہرست لکھی ہے۔ اس فہرست سے اس زمانے کی ضروری لباس کی تفصیل سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں لباس کس قسم کے کپڑوں پر مشتمل ہوتا تھا۔

زبان اور اسلوب کے اندازے کے لیے اس رسالے کی عبارت کی چند سطور درج ذیل کی جاتی ہیں:

"قارورے سے سردی اور گرمی اور خشکی معلوم ہوتی ہے اور احوال اعضا کا اور کلیجے کا اور دماغ کا، اور دوسری چیزوں کا، اور باطنہ اور غیر باطنہ کا معلوم ہوتا ہے اگرچہ قارورے کی پہچانت اور سمجھنا بہت مشکل ہے لیکن جس قدر اس ہیچ مدان کی سمجھ اور بوجھ میں آیا اس کتاب میں بطریق اختصار کے لکھا۔"[2]

رسالہ ترکیب گھڑیال

یہ رسالہ ۱۸۶۴ء کی تصنیف ہے جسے کے۔ آرزو نے تصنیف کیا۔ رسالے میں تمام دنیا کے

۱— رسالہ عظمت الساعۃ، عظمت جنگ، سن طباعت مئی (۱۸۵۵ء)

۲— رسالہ قارورہ، مصنف نامعلوم، سن تصنیف قبل از (۱۸۵۷ء) (ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں یہ مخطوطہ موجود ہے)

ملکوں کے وقت معلوم کرنے کے اصول بتائے گئے ہیں۔ ایک جدولی نقشہ بھی دیا گیا ہے جس میں دنیا کے مشہور شہروں کے طول البلد، عرض البلد، خطِ استوا از گرین وچ طول البلد اور حیدرآباد دکن کی صراحت کی گئی ہے۔ تمام سمتوں کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

"رسالہ اس ترکیبی گھڑیال کا ہے کہ جس سے مختلف شہروں کے مختلف زمانے آنِ واحد میں معلوم ہوتے ہیں اور اس کے عمل کی کیفیت بھی مرقوم ہے۔ اکثر خیال رہتا ہے کہ ایک گھڑیال ایسی ہووے کہ اسے دیکھتے ہی اکثر بلادِ مطلوب کا وقت دفعتاً معلوم ہوجاوے"[۱]

رسالے کے اختتام میں لکھا ہے:

"...... اگر اسی طرح سے شہر قسطنطنیہ کو گرین وچ سے تعدیل کرکے نصف النہار پر فرض کریں تو حیدرآباد دکن بہ نسبت شہر قسطنطنیہ کے شرقی ہو جائے گا اور مکۂ معظمہ غربی"[۲]

اصولِ طبابت

۲۳ × ۱۵ سینٹی میٹر سائز، ۵۸۵ صفحات کا یہ رسالہ ذو مصنفین حکیم سید باقر علی اور حکیم سید علی نے ۱۸۶۰ء میں تصنیف کیا۔ جس کی اشاعت ۱۸۶۳ء میں مطبع اسکاٹش پریس مدراس میں ہوئی۔ یہ کتاب جوٹائپ میں چھپی ہوئی ہے نواب معلی القاب میر تراب علی خاں سالار جنگ شجاع الدولہ مختار الملک دیوان حیدرآباد دکن کے حکم سے لکھی گئی۔ اس کتاب میں دو دیباچے دیے گئے ہیں اور کئی ابواب پر طبابت سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں انگریزی الفاظ کے معنیٰ لکھ دیے ہیں۔ کتاب میں دیے گئے باب بھی کئی کئی فصلوں میں تقسیم کیے گئے ہیں۔ دوسرے باب کی دوسری فصل کے تحت عبارت مندرجہ ذیل ہے:

"گرانیولر ڈیجنریشن کو کہتے ہیں کہ کسی بافت میں روے دار مادے پیدا ہونا۔ یہ

۱—۲— رسالہ ترکیب گھڑیال، مصنف کے آرزو (۱۸۶۳ء) (کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں یہ مخطوطہ موجود ہے)

مادّہ اس طور سے پیدا ہوتا ہے کہ کمی جائے اُپلاسٹک یعنی بافت بنانے کے غیر قابل مادّہ بھرے تو وہ مادّہ بافت نہیں ہوتا بلکہ بطور رَوّے کے اس بافت کے اندر رہتا۔ اس طرح کا بگھاڑ اکثر اندرونی اعضاء جیسا کہ دماغ یا جگر یا شش وغیرہ کی بافت میں شریانوں میں یا پوست کے نیچے یا گلانڈرز کی۔" [1]

کتاب کے آخری صفحات میں انگریزی الفاظ، ان کا اردو میں تلفظ اور معانی کی تشریح کی گئی ہیں جس میں سے چند الفاظ یہ ہیں:

آنہ لگس۔ مشابہ۔ اس کا اسم انالوجی یعنی مشابہت ANALOGOUS

اَنالوٹمی ——— ANATOMY ——— علم تشریح

اَنڈی نُومہ ——— ANDENOMA ——— غدود کی بڑھاوٹ

انستھیٹکس ANESTHETICS ——— بے حس کرنے والے (دوپہ)

خاتمہ کی سرخی کے تحت مندرجہ عبارت تحریر کی گئی ہے:

"جاننا چاہئے کہ انگریزی اور یونانی وغیرہ لفظوں کو ہمارے حروف اور اعراب میں ان کا تلفظ برابر ہوئے سرٖیکا لکھنا دشوار ہے اس لیے ہر ایک لفظ اس لغت کا انگریزی حروف سے بھی لکھا گیا تا کہ ناظرین کو جس لفظ میں شبہ ہو اس کو موافق انگریزی تلفظ کے پڑھیں۔ اسی واسطے یہ لغت انگریزی حروف تہجی کی رعایت سے لکھی گئی ہے۔" [2]

کتاب کی زبان سلیس ہے اور بہ آسانی سمجھ میں آجاتی ہے۔

قطّاع

۱۲ ½ × ۲۰.۷ سینٹی میٹر سائز، ۱۴۷ صفحات پر بہ خط نستعلیق ۱۱ سطور فی صفحہ ہے۔ یہ کتاب نواب محمد فیاض الدین خاں مشرف جنگ نے ۱۸۶۳ء میں بنام "قطاع" تصنیف کی۔ یہ مخطوطہ

---

۱ ——— اصول طبابت، حکیم سید باقر علی و حکیم سید علی، اسکاٹش پریس مدراس ۱۸۶۳ء، ص ۲۱۶

۲ ——— اصول طبابت، حکیم سید باقر علی و حکیم سید علی، اسکاٹش پریس مدراس ۱۸۶۳ء، ص ۱۴۶

سُرخ رنگ کے انگریزی کاغذ پر کتابت کیا گیا ہے۔

فیاض میر شمس الدین فیض کے شاگرد تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ فیاض کو سائنسی علوم سے اور خصوصاً علمِ ریاضی سے بہت دِل چسپی تھی۔ زیرِ نظر رسالہ قطّاع پرکار کے استعمال کے بیان میں ہے۔ مصنّف نے ہر مسئلے کو وضاحت سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

ابتدائی ۱۲ صفحات میں فہرست اور صفحہ ۱۳ سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے:

"... بندۂ معتکفِ زاویہ ہیچدانی نقطۂ دائرہ سرگردانی کمترین محمد فیاض الدین بن محمد عزیز الدین خاں بہادر غفر اللہ لہما و ...... کہ ان روزوں اکثر جو نسبتِ مزاج کی جہت سے مطالعۂ کتب ریاضی میں میل کلّی رکھتا ہے۔ ایک رسالہ فارسی مختصر علم و عمل میں قطاع کے کہ وہ ایک نادر آلہ ہے علوم ریاضی کا تصنیفات سے امیر کبیر نواب شمس الامرا کے عاصی کی مدنظر سے گزرا۔ حسب ارشاد ......

میر شمس الدین محمد المتخلص فیض ...... اوس کے اعمال کا اردو میں ترجمہ کیا"[1]

کتاب مذکورہ میں تعریفِ خط ساعات، تعریفِ خط عرضِ بلاد، اعمال خطوطِ جیب و مماس و مخرجہ، اعمالِ خطوط اعدادِ لاگرتم وغیرہ کے تحت بحث کی گئی ہے۔ یہ مخطوطہ ناقص الاوّل ہے جس میں فہرست کے ۵ اصفحات تلف ہو چکے ہیں۔ کتاب میں جن انگریزی اصطلاحوں کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ الفاظ کتاب کے حاشیوں پر درج کر دیے گیے ہیں:

قطاع یا پرکار کا متناسب	SECTOR
خطین اوتار	CARD
خطین مقسمہ دائرہ	POLLIGUN
خط عرضِ بلاد	LATITUDE

کتاب کے آخر میں ۱۲ صفحات میں متن سے متعلقہ تصاویر ہیں۔ اختتامی عبارت درجِ ذیل ہے:

"... اور اجزائی خطِ مستقیم مربع طرف کے جو ۱۰ . ۱۰ حصّے ہوتے ہیں اب ۲۰ . ۲۰ ہوں گے اور اگر ہر حصّے کو نصف کر کے خط معدیہ ان کی کھینچیں تو ہر خط

۱۔ رسالہ قطاع، محمد فیاض الدین خاں، سن تصنیف ۱۲۴۳ھ، ص مقدمہ ۳ (ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد، مخطوطات [illegible] ریاضی، موجودہ)

قصر یک عشر دو عشر وغیرہ اس خط کا ہو گا"۔[1]

مسائل طبیعی

۱۵×۲۳ سینٹی میٹر سائز، ۱۱۹ اوراق، ۱۵ سطور فی ورق[2] پر مشتمل یہ کتاب بہ خط نستعلیق تحریر کی گئی ہے مصنف کے نام کا پتہ نہیں چلا البتہ کاتب کا نام ایف خاں درج ہے۔ سن کتابت ۱۸۳۰ء ہے۔ یہ مختصر تصنیف اردو میں دستیاب فزکس کی کتابوں میں قدیم ترین مخطوطہ ہے کتاب کے آغاز کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

"علم الکٹریسٹی کا مانند اور علموں کے پہلے تھوڑا تھا مگر رفتہ رفتہ اب بہت ہوا ہے۔ چنانچہ آگے یہ جانا تھا کہ عنبر اور لاک کو جہاں ہاتھ سے اور کسی چیز سے مل کے ہلکی چیزوں کے پاس لے گئے وہی ہلکی چیزیں اوس کی طرف کھینچ جاتی ہیں اور چونکہ یہ خاصیت عنبر میں زیادہ معلوم ہوتی ہے اور یونانی زبان میں عنبر کو الیکٹران بولتے ہیں یہی اس لئے اس خاصیت کا نام الیکٹریسٹی رکھا گیا"[3]

یہ کتاب مسائل الیکٹریسٹی کے دیگر ۱۹ ابواب پر تقسیم کی گئی ہے ۱۔ علم الیکٹریسٹی کا ۲۔ بیان تپ پیدا ہونے کا ۳۔ بیان ماتا یعنی ستیلا، بیان ابر کا، تشریح شجر ۶۔ بیان غذا ہضم ہونے کے، ۷۔ بالائی ہوا کا دباؤ ۸۔ کالیسم اور ۹۔ گیس۔

مذکورہ کتاب میں کچھ امراض کی تشخیص اور ان سے متعلق کچھ نسخے بھی درج کئے گئے ہیں۔ کتاب میں سبھی بیانات تفصیل سے تحریر کئے گئے ہیں۔ عبارت کے نمونے کے طور پر ذیل کا اقتباس ملاحظہ کریں۔

"گالبنزم خاصیت اور تاثیر میں مانند الیکٹریسٹی کے ہے مگر پیدا کرنے میں گالبنزم اور الیکٹریسٹی کے درمیان تھوڑا فرق ہے۔ گالبنزم انگریزی لفظ ہے"[3]

۱۔ رسالہ قطاع۔ محمد فیاض الدین خاں، سن تصنیف ۱۸۹۳ء ص ۱۳

۲۔ مسائل طبیعی، مصنف نامعلوم، کتابت (۱۸۳۰ء) ص (ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد مخطوطہ نمبر ۲۲۹ موجود ہے)

۳۔ مسائل طبیعی، مصنف نامعلوم، سن کتابت ۱۸۳۰ء (ادارۂ ادبیات اردو مخطوطہ نمبر ۲۲۹ حیدرآباد)

کتاب کی اختتامی عبارت میں تحریر کیا گیا ہے :

"شیشی کو بند کر کے فانوس کے اندر رکھا گیا تھا اور اس کو خلا کیا ہوا تو شیشی کے ہوا پھیلنے سے ریزہ ریزہ یعنی چور ہو گئی اور اگر گول شیشی ہوئی تو نہ ٹوٹتی۔ اس واسطے کہ اوس میں ہوا گھومتی رہتی ہے اور چونکہ پہلی میں ہوا گھوم نہیں سکتی" [1]

کتاب میں انگریزی الفاظ بعینہٖ استعمال کیے گئے ہیں کتاب میں ترقیمہ بھی ہے۔ یہ مختصر کتاب اپنی افادیت اور اس عہد کی ضرورت کے مطابق بڑی اہمیت کی حامل ہو سکتی تھی یہ مخطوطہ ادارۂ ادبیات اردو حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ اس کی طباعت کے بارے میں کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

بیان یوٹرس یعنی رحم کا

۱۵×۲۳ سینٹی میٹر سائز، ۴۲ اوراق ۱۵ سطور فی ورق بہ خط نستعلیق شکستہ ۱۸۳۰ء میں ایف خاں نے کتابت کیا ممکن ہے اس کتاب کا مصنف بھی مسائل طبیعی کا ہی مصنف ہو کیونکہ یہ کتابیں ایک ہی جلد میں یکجا ہیں۔ کتاب میں یوٹرس یعنی رحم کی نشو نما، ایام حیض حمل زچگی وغیرہ سے متعلق معلومات تفصیل سے تحریر کی گئی ہیں۔ آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے کیا گیا ہے :

"جاننا چاہیئے کہ یوٹرس ایک لاٹن لفظ ہے کہ جس کو انگریزی زبان میں واومب اور عربی زبان میں رحم اور فارسی میں زہدان اور ہندی میں دھرن اور کوکھ اور سنسکرت میں گربھ استھان کہتے ہیں اور یہ پیولس یعنی پیڑو میں عورتوں کی پیٹ یعنی فرج سے سات آٹھ انگل اوپر درمیان بلاڈر یعنی مثانہ لگا رہتا ہے" [2]

۱۔ مسائل طبیعی، مصنف نامعلوم، سن کتابت ۱۸۳۰ء (ادارۂ ادبیات اردو مخطوطہ نمبر ۲۲۹ حیدر آباد)

۲۔ بیان یوٹرس یعنی رحم کا، مصنف نامعلوم، سن کتابت ۱۸۳۰ء ورق ۴۲ (ادارہ ادبیات اردو مخطوطہ نمبر ۲۳۰ حیدر آباد میں موجود ہے)

طبی نقطۂ نظر سے یہ کتاب بوٹرس کے موضوع پر نہایت مفید معلومات فراہم کرتی ہے
زبان و بیان کے اعتبار سے عبارت قدیم ضرور ہے لیکن بہ آسانی سمجھ میں آجاتی ہے ۔

اصول جر ثقیل[1]

خان جہاں خان بہادر نے گورنمنٹ مدراس کی فرمائش پر ٹیبٹ کے انگریزی رسالے سے اس کتاب کو ۱۸۶۵ء میں اردو میں منتقل کیا ۔ یہ کتاب ۱۲۸ صفحات پر مشتمل مطبع انوار عظیم مدراس سے ۱۲۸۲ھ میں شائع ہوئی ۔ یہ کتاب لیتھو میں چھپی ہے ۔
فہرست اور دیباچے کے بغیر اصل متن جو جر ثقیل سے تعلق رکھتا ہے شروع کیا گیا ہے
مادّہ ، حرکت ، مرکز ثقل اور شاقول کی معلومات کے علاوہ اس کے مختلف آلوں مثلاً طوق محورہ ، شکنجہ ، میزان ، دخان اور دخانی چکر وغیرہ کے اعمال کی وضاحت بھی کی گئی ہے ۔ زبان عام فہم ہے انگریزی اصطلاحوں کا ترجمہ بھی کرلیا گیا ہے ۔
کتاب مذکورہ بہت سے محاسن کی حامل اور مفید معلومات پر مبنی ہے ۔

کتاب قواعد علم مساحت[2]

اس کتاب کے مولف مولوی محمد عبدالقادر مہتمم صفائی ضلع میدک حیدرآباد دکن ہیں
یہ کتاب ۱۸۷۴ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوئی کتاب میں کل ۳۸ صفحات ہیں ۔
یہ کتاب قواعد علم مساحت کے بارے میں تحریر کی گئی ہے کتاب میں پانچ ابواب ہیں ۔
ع۱ دربیان قواعد پیمائش طول وغیرہ اس میں ۲۶ سوالات اور ان کے حل دیئے گئے ہیں
ع۲ دربیان قواعد سطوح اس میں ۴۷ سوالات مع حل دیئے گئے ہیں ۔ ع۳ دربیان قواعد مجسمات اس باب میں ۳۲ سوالات مع حل دیئے گئے ہیں ع۴ دربیان قواعد مجسمات

---

۱ ۔ اصول جر ثقیل ، خان جہاں خان بہادر مطبع انوار عظیم مدراس ۱۸۶۵ (ادارہ ادبیات اردو ۱۰۸۲ پر موجود ہے)

۲ ۔ کتاب قواعد علم مساحت ، مولوی عبدالقادر مطبع نظامی کانپور ۱۸۷۴ء

اس باب میں ۲۳ سوالات مع حل دیئے گئے ہیں اور ۶ ویں باب میں جو دربیان قواعد پیمائش کے عنوان پر مشتمل ہے صرف ۴ سوالات مع حل دیئے گئے ہیں۔

اس کتاب کا مصنف قابل تعریف ہے کہ اس نے مساحت جیسے سخت مضمون پر اتنی محنت کی کہ اسے دوسروں کے لیے آسان بنادیا۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ شائع کیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب انجینیرنگ کی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لیے بہت مفید ہے کیونکہ اس میں پیمائش کے ایسے آسان اور عام فہم قاعدے تحریر کیے گئے ہیں جنھیں پیمائش کے فارمولے کہنا بے جا نہ ہوگا۔

تسہیل فی جر الثقیل

۱۵ × ۲۵ سینٹی میٹر سائز، ۲۶ صفحات، فی صفحہ ۱۴ سطر، بہ خط نستعلیق ۱۸۴۳ء میں لکھی گئی اور ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئی۔ اس رسالے کے مصنف سر سیّد احمد خاں نہیں ہیں بلکہ انھوں نے پادری جان جیمس مور کی خواہش پر فارسی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ کتاب میں علم جرثقیل کی معلومات کے علاوہ اس سے متعلق اشکال کے نقشے بھی دیئے ہیں جو لیتھو میں چھپے ہوئے ہیں۔ مذکورہ کتاب میں محور، ہُل، چرخی، پیچ، بیرم وغیرہ پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کے دیباچے کی سرخی کے تحت حمد و نعت کے بعد کتاب کا آغاز ہوتا ہے:-

> "آدمی کو لازم ہے کہ دن رات اپنے پروردگار کی تعریف کرے جس نے ایک چٹکی خاک سے طرح بطرح مورتیں بنائیں اور اپنے بندوں کو دین کی سیدھی سیدھی راہیں بتائیں اور اللہ کی رحمت ہو اس کے پاک پیارے محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ ان کے سبب سے ہم گمراہوں نے دوزخ کی آگ سے نجات پائی۔ اور جواد الدولہ سر سید احمد خاں بہادر عارف جنگ فتح پور سکری ضلع آگرہ مصنف سب بزرگوں اور عقلمندوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔" [۱]

۱۔ تسہیل فی جر الثقیل، سر سید احمد خان، آگرہ (۱۸۴۴ء) (کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں یہ کتاب موجود ہے)

عجائب المخلوقات[۱]

۲۰۷ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا اردو میں ترجمہ مولوی تصدق حسین نے کیا جو ۱۸۷۷ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اصل کتاب عربی میں ہے جو ذکریا ابن محمد قزوینی کی تالیف ہے۔ کتاب چار حصوں میں تقسیم ہے۔ یہ کتاب قدرتی عجائبات کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا بھی ترجمہ کیا گیا تھا جو فارسی کتاب سے عربی میں امجد حسین نے ۱۵۷۴ء میں ابراہیم عادل شاہ کے لیے کیا تھا کتاب میں متعدد تصاویر ہیں جو لیتھو میں چھپی ہوئی ہیں۔ اس کا ایک نسخہ حیدرآباد کے سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے۔

معالجات احسانی[۲]

یہ کتاب چوپاؤں، پرندوں اور انسان کے امراض اور ان کے علاج پر مشتمل ہے جو حکیم احسان علی نے تصنیف کی اور مطبع نول کشور سے ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی، کتاب میں ۱۲۸ صفحات موجود ہیں لیکن آخر چند صفحات ضائع ہو چکے ہیں۔ کتاب کے شروع کے پہلے تین صفحات پر فہرست مضامین بھی موجود ہیں۔ کتاب میں زبان و بیان کی غلطیوں کے علاوہ املا کی بھی غلطیاں موجود ہیں۔ کتاب میں تین مقالوں کے تحت کئی باب اور باب کے تحت کئی کئی فصلیں دی گئی ہیں۔

ٹری ٹائز آن منرل پائزنس[۳]

"TREATISE ON MINERALS"
by P. BRETON SURGEON

قدیم مطبوعہ کتابوں میں یہ کتاب سب سے پہلی اور اپنے موضوع کے اعتبار سے انتہائی

۱۔ عجائب المخلوقات، مترجم تصدق حسین لکھنؤ، سن اشاعت ۱۸۷۷ء سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے۔

۲۔ معالجات احسانی، مولف حکیم احسان علی لکھنؤ مطبع نول کشور لکھنؤ سن اشاعت (۱۸۶۵ء) (ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد)

۳۔ ٹری ٹائز آن منرل پائزنس مصنف پی بریٹن گورنمنٹ لیتھوپریس کلکتہ، سن اشاعت ۱۵ جولائی ۱۸۲۶ء

اہم ہے۔ سرورق پر کتاب کا نام، مصنف اور مطبع کا نیز تاریخ طباعت درج ہے۔

۱۴×۲۳ سینٹی میٹر سائز، ۱۳۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب لیتھو میں طبع ہوئی، مترجم کا نام نہیں دیا گیا۔ کتاب کا موضوع وہ زہر ہیں جو دھاتوں سے تیار کئے جاتے ہیں۔ زہر کے مضر اثرات اور ان کی کیمیائی افادیت کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ زہر کھا لینے کی علامتیں اور ان سے بچاؤ کے طریقے بھی درج کیے گیے ہیں۔ صفحہ ۷ا پر سنکھیا کے بیان کے تحت لکھا ہے:

"(آرسنک) انگریزی لفظ ہے۔ اور معنی اس کے زہر چوہے کا ہے۔ اس چیز کو عربی زبان میں سم الفار بولتے ہیں اور اس کے معنی بھی زہر چوہے کا ہے لیکن سم الفار صرف اس چیز کی صفت ہے اور سنسکرت میں سنکھیا اور رشلا بولتے ہیں۔ فارسی زبان میں زرنیخ سفید بولتے ہیں اور شاید کہ زرنیخ لفظ (آرسنک) سے نکالی گئی ہے مگر تلفظ میں فرق ہوا ہے۔ ہندوستان کے لوگ کہتے ہیں کہ سم الفار کے عوام اس کو سنبل کھار کہتے ہیں"[1]

اس کتاب میں طبی اصطلاحات کا اردو ترجمہ کر لیا گیا ہے۔

زبان اور بیان کے اعتبار سے عبارت سہل الفہم ہے اور آج بھی معلومات کے اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے۔

رسالہ طب

۱۶×۲۵ سینٹی میٹر سائز، ۲۰۴ اوراق، ۲۳ سطور فی صفحہ، ۱۸۷۰ء میں تصنیف کیا گیا یہ رسالہ میڈیکل اسکول آگرہ کے دو ملازمین سید غلام حسین و لکشمی رام پنڈیا نے مشترکہ طور پر ۱۸۷۰ء میں تصنیف کیا۔ یہ رسالہ اس قدر مقبول ہوا کہ نظر ثانی اور اضافے کے ساتھ تین بار طبع ہوا رسالہ کی ابتدا میں دیباچہ موجود ہے جس میں لکھا ہے:

۱۔ ٹری ٹائز آن مینرل پائزنس، مصنف پی۔ بریوٹن، گورنمنٹ لیتھوگرافی پریس کلکتہ، سن اشاعت ۱۵ر جولائی (۱۸۲۶ء) ص۷

"اگر خدا کا فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو کہاں یہ فقیر سید غلام حسین ہاسپٹل اسسٹنٹ مستعفی کا آگرہ میں آنا اور کہاں پنڈت لکشمی رام پنڈیا ایف اے ہیڈ کلارک میڈیکل اسکول آگرہ کے ساتھ ملاقات ہونا اور پھر دونوں کا مل کر یہ کتاب بنانا اس کی تالیف سے چند فائدے سوچے گئے ہیں"[1]

کتاب میں ۱۹ ابواب قائم کیے گئے ہیں۔

۱۔ اوزان و اصطلاحات طبی۔

۲۔ انگریزی دواؤں کی خوراک، خواص و فوائد۔

۳۔ مشہور و مروج ادویات ہندستانی کی مقدار و خوراک وغیرہ۔

۴۔ بعض ضروری انگریزی و ہندستانی مرکبات بنانے کی ترکیب۔

۵۔ مشہور زہروں کی علامات و شناخت و علاج۔

۶۔ امراض کے دردنی و بیرونی علاج۔

۷۔ نسخہ لکھنے کے طریقے۔

۸۔ آلات کی تصویر اور مختصر بیان جو طبیب کے کام آتے ہیں۔

۹۔ اوزاروں کی فہرست جو ضروری آپریشن کے لئے مہیا ہوں۔

یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے انگلش کاغذ پر بہ خط نستعلیق تحریر کیا گیا ہے۔ ابتدائی طبی معلومات اور مختصر طریق علاج پر مبنی یہ رسالہ آج بھی اپنی افادیت رکھتا ہے اگرچہ زبان و بیان کے اعتبار سے اختلاف ہو لیکن موجودہ دور میں بھی رسالہ کی زبان عام فہم اور بہ آسانی سمجھ میں آجاتی ہے اگر اس کی دوبارہ اشاعت کرائی جائے تو میڈیکل کے ابتدائی مرحلہ میں طلبا کو مفید معلومات میسر آجائیں اختتام رسالہ میں شربت اننت مول بنانے کی ترکیب بتائی گئی ہے:

"شربت اننت مول۔ آدھ سیر اننت مول کو ہم کوب کر کے تین سیر پانی میں رات کو بھگو کر رکھیں۔ صبح کو اس قدر جوش دیں کہ چوتھائی حصہ رہ جائے۔ پھر اس کو کئی

۱۔ رسالہ طب، مصنفین سید غلام حسین و لکشمی رام پانڈیا، ۱۸۷۰ء، دیباچہ ص ۱، ادارہ ادبیات اردو، [illegible]

(بہ لحاظ کتب خانہ)

(ا) کتب خانہ مشرقی سالارِ جنگ میوزیم حیدر آباد میں موجود سائنس کی قلمی کتابیں

نام کتاب/مخطوطہ	مصنّف/مترجم	مخطوطہ نمبر	سنِ تصنیف
انوارِ بدریہ	شاہ علی	ریاضی ــــــ ۱	۱۲۵۷ھ
انوارِ بدریہ	شاہ علی	ریاضی ــــــ ۲	۱۲۵۷ھ
تذکرۂ رشیدیہ	شاہ علی	ریاضی ــــــ ۳	۱۲۶۸ھ
تشریقِ نسبت تام بانجام مرام	محمد خیر الدین خاں	ریاضی ــــــ ۴	۱۲۸۳ھ
تعمیرِ محمود بحصولِ مقصود	محمد خیر الدین خاں	ریاضی ــــــ ۵	۱۲۸۳ھ
تیسیر العمل	محمد خیر الدین خاں	ریاضی ــــــ ۶	۱۲۸۳ھ
رسالہ قطاّع	محمد فیاض الدین خاں	ریاضی ــــــ ۷	۱۲۷۸ھ
مفتاح التعبیرات	محمد عبد القادر	ریاضی ــــــ ۸	۱۲۹۵ھ
تشریح السنین	نا معلوم	ہیئت ــــــ ۱	۱۲۳۰ھ
رسالہ ترکیب گھڑیال	کے آرزو	ہیئت ــــــ ۲	۱۲۸۱ھ
رسالہ ہیئت	نا معلوم	ہیئت ــــــ ۳	۱۲۵۸ھ
شمس الہیئت	شاہ علی	ہیئت ــــــ ۴	۱۲۵۷ھ
مصباح الافلاک	شاہ علی	ہیئت ــــــ ۵	مابعد ۱۲۶۷ھ
سنۃ شمسیہ	دار الترجمہ شمس الامراء	طبیعات ــــــ ۱	۱۲۵۳ھ
لخلخہ	حسن مرزا المتخلص بہ قصد	کیمیا ــــــ ۱	۱۲۶۵ھ
پراکٹیکل فارمیسی	پبلشر پرنسپل میڈیکل کالج آگرہ	طب یونانی ــــــ ۱	مابعد ۱۲۵۰ھ
ترجمہ اناٹومی	محمد فرید	طب یونانی و ڈاکٹری ــ ۲	۱۹۰۵ء
ترجمہ طب شہابی	نا معلوم	طب یونانی و ڈاکٹری ــ ۳	قریب ۱۲۰۰ھ

نام کتاب/مخطوطہ	مصنف/مترجم	مخطوطہ نمبر		سن تصنیف
ترجمۂ یادگار رضائی	نامعلوم	طب یونانی وڈاکٹری	۴	مابعد ۱۲۵۰ھ
رسالہ جسمی کثرت	نامعلوم	طب یونانی وڈاکٹری	۵	مابعد ۱۲۰۰ھ
رسالہ علم طب	سید بڈھن	طب یونانی وڈاکٹری	۶	مابعد ۱۲۰۰ھ
فن جراحت	نامعلوم	طب یونانی وڈاکٹری	۷	مابعد ۱۲۵۰ھ
کتاب التشریح	نامعلوم	طب یونانی وڈاکٹری	۸	مابعد ۱۲۰۰ھ
مجربات اکبری	شہباز خاں	طب یونانی وڈاکٹری	۹	۱۲۰۶ھ
خنگ نواز نامہ	نامعلوم	طب حیوانیات	۱	۱۲۴۴ھ
خنگ نواز نامہ	طالع ور خاں محمود زئی	طب حیوانیات	۵	۱۲۴۴ھ
دلدل نواز نامہ	نامعلوم	طب حیوانیات	۲	۱۲۴۱ھ
دلدل نواز نامہ	عبدالقادر دیلوری	حیوانیات طب	۳	۱۲۲۱ھ
دلدل نواز نامہ (دوسرا نسخہ)	عبدالقادر دیلوری	حیوانیات طب	۴	۱۲۲۱ھ
فرس نامہ	رنگین	حیوانیات طب	۴	۱۲۱۰ھ
کھوگ بل	قریشی	جنسیات	۱	——
راگ بلاول	سورداس	موسیقی	۱	مابعد ۱۰۰۰ھ
راگ راگنی	خوشحال خاں	موسیقی	۲	۱۲۲۸ھ
رسالہ موسیقی	رائے کبیشر	موسیقی	۳	۱۲۴۳ھ
ناجو (رسالہ در علم موسیقی)	واجد علی شاہ	موسیقی	۴	۱۲۸۵ھ

(ب) ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد میں موجود سائنس کی قلمی کتابیں

معالجات خواجہ بندہ نواز	۱۸۸۲ء	خوان نعمت	۱۸۰۲ء
ترجمہ طب شہبائی	۱۷۸۵ء	ڈل ڈل نواز نامہ	۱۸۱۰ء
رسالہ گرہن	۱۷۸۵ء	رسالۂ ہوا	۱۸۲۹ء

فرس نامہ	۱۷۹۷ء	مجموعۂ علم سائنس	۱۸۳۰ء
بیان سانپ کے بکھ کا	۱۸۳۱ء	خلاصہ علم الارض	۱۸۴۰ء
ترجمہ شرح چغمنی	۱۸۳۴ء	رسالہ علم حساب	۱۸۴۲ء
اصول علم حساب	۱۸۳۶ء	طبِ اردو	۱۸۵۱ء
رسالہ کسورات اعشاریہ	۱۸۳۷ء	رسالہ قارورہ	۱۸۵۷ء
علم الاسطرلاب کروی	۱۸۳۹ء	حقائق الموجودات	۱۸۵۸ء
ترجمہ شمس الہندسہ	۱۸۳۹ء	عجائب المخلوقات	۱۸۶۹ء
رسالہ نظام شمسی و آریری	۱۸۴۵ء	تسکین الانفس	۱۸۹۱ء
تختۂ گرداں	۱۸۲۵۲ء	فخرِ حکمت	۱۸۸۱ء

(س) اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد میں موجود سائنس کی قلمی کتابیں

مُفرّح القلوب	۱۷۸۳ء	خنگ نواز نامہ	۱۸۲۸ء
مُجرّب التحقیقات	۱۷۸۵ء	کیمسٹری کا مختصر رسالہ	۱۸۴۵ء
ترجمہ طبِ شہابی	۱۷۸۵ء	انوار بدریہ	۱۸۴۱ء
مُجرّباتِ طب	۱۸۸۵ء	مفتاح الافلاک	۱۸۳۳ء
مُجرّباتِ اکبری	۱۷۹۱ء	قطاع	۱۸۶۱ء
خوانِ نعمت	۱۸۰۲ء	مجمع الفنون	۱۸۷۲ء
دائرۂ ہندسہ	۱۸۱۶ء	مظہر المضامین	۱۸۷۰ء
پائزئنس	۱۸۲۶ء	تسہیل فی جرثقیل	۱۸۴۳ء

(د) تحقیقی مقالے :

جامعۂ عثمانیہ میں اردو ذریعۂ تعلیم کے تحت سائنس میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے اور ڈی زرٹیشن بھی اردو میں لکھے گیے۔ جامعہ عثمانیہ لائبریری کے ذخیرے سے کچھ نمایندہ مقالے یہ ہیں :

افضل احمد ــــــ بھاری میدان میں خطی مساواتوں کا نظریہ (پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ)

محشر عابدی ــــــ مچھلیوں کا غذائی نظام اور اس کی نسیجیات (پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ)

اللہ بخش کمالی ــــــ ہمارے ثانوی مدارس کے نصاب ریاضی کی ضرورت مابعد جنگ سے مطابقت۔

دگمبر راؤ ــــــ مدارس ثانویہ کے لیے سائنس کی درسی آزمائشات کی ترتیب۔

کے سی شنڈم ــــــ میکانی قابلیت اور اس کی پیمائش۔

رادھیکا پرشاد ــــــ مدارس کی تعلیم سائنس میں مدرس کے ایضاحی طریقے اور انفرادی طریقہ کی اضافی تدریسی قدر معلوم کرنا۔

محمد اعجاز اللہ خاں ــــــ مدارس کی تعلیم سائنس میں زیر نگرانی مطالعہ اور لکچری ایضاحی طریقے کی اضافی تدریجی قدر سے متعلق ایک تجربہ۔

محمد رحیم اللہ قریشی ــــــ ہندوستان کے میٹھے پانی کی مچھلیوں کے خاندان۔

محمد غوث ــــــ جنایات بوجہ غفلت

ضمیمہ ۲

سائنسی کتابوں کی فہرست

(بہ لحاظ ابواب)

شمس الامراء کبیرِ ثانی

ترجمہ شرح چغمنی	۱۸۳۴ء
اصول علم حساب	۱۸۳۶ء
رسالہ علم و اعمال کرّے کا	۱۸۴۱ء
رفیع الحساب	۱۸۳۶ء
رسالہ کسورات اعشاریہ	۱۸۳۷ء
علم اسطرلابِ کروی	۱۸۳۹ء
ترجمہ شمس الہندسہ	۱۸۳۹ء
انوارِ بدریہ	۱۸۳۹ء
علم جر ثقیل	۱۸۴۰ء
علم ہیئت	۱۸۴۰ء
علم آب	۱۸۴۰ء
علم ہوا	۱۸۴۰ء
علم مناظر	۱۸۴۰ء
علم برتک	۱۸۴۰ء
منتخب البصر (دور نما)	۱۸۴۱ء
کیمسٹری کا مختصر رسالہ	۱۸۴۳ء
نافع الامراض	۱۸۴۵ء
رسالہ کیمسٹری	۱۸۴۵ء
خلاصۃ الادویہ	۱۸۴۵ء
رسالہ مفتاح الافلاک	۱۸۴۴ء
رسالۂ چیچک	۱۸۴۸ء
رسالہ نظام شمسی و آلۂ اریری	۱۸۴۵ء

تحفۂ گرداں	۱۸۵۰ء
مصباح الافلاک	۱۸۵۰ء
تذکرۂ رشیدیہ	۱۸۵۱ء

شاہانِ اودھ

رسالہ علمِ ہیئت	۱۸۴۷ء
بحرِ حکمت	۱۸۴۷ء
مقاصد علوم	۱۸۴۱ء
رسالۂ ہیئت	۱۸۴۱ء
رسالۂ مقناطیس	۱۸۳۰ء
رسالہ ہیضے کا علاج	۱۸۵۳ء
مفتاح الافلاک	۱۸۴۳ء

دہلی کالج

طبیعات	۱۸۴۸ء
رسالہ جرّاحی	۱۸۴۸ء
ہندسہ بالجبر	۱۸۵۲ء
رسالہ مقناطیس	۱۸۵۲ء
جبر و مقابلہ	۱۸۵۲ء
اصول قواعد مایعات	۱۸۵۰ء
رسالہ درباب پیمائش انگریزی بوسیلہ تھیوڈولائٹ کے	۱۸۴۸ء
اصولِ علمِ مثلث و تراشہائے مخروطی و علم ہندسہ بالجبر	۱۸۴۴ء
اصول جبر و مقابلہ	۱۸۴۵ء

رسالہ مساحت مستعمل و علم مثلث	۱۸۴۴ء

سائنٹیفک سوسائٹی (علی گڑھ)

رسالہ علم برقی	۱۸۶۹ء
رسالہ علم فلاحت	۱۸۶۵ء
رسالۂ جغرافیہ حصہ اوّل	۱۸۶۹ء
رسالۂ جغرافیہ حصہ دوم، سوم	۱۸۷۰ء
رسالہ جغرافیہ حصہ چہارم	۱۸۷۱ء
رسالہ تہذیب الاخلاق (اجراء)	۱۸۷۰ء
اخبار سائنٹفک سوسائٹی (اجراء)	۱۸۶۶ء

طامسن کالج رُڑکی

استعمال جرثقیل	۱۸۶۵ء
رسالہ نمبر ہفتم درباب پیمائش	۱۸۶۹ء
بیان لوکارتم اور استعمال ٹیبل لوکارتم	۱۸۶۲ء
مجموعہ سامان عمارت	۱۸۸۸ء
رسالہ نمبر نہم پلوں کے بیان میں	۱۸۸۶ء
رسالہ درباب فن بخاری	۱۸۷۰ء
قواعد حساب متعلقہ فن انجینیرنگ	۱۸۸۵ء

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

جبر و مقابلہ	۱۹۲۸ء
علم ہندسہ	۱۹۳۰ء
علم مثلث مستوی	۱۹۳۲ء
طبیعات	۱۹۲۰ء
فعلیات و حیاتی کیمیا	۱۹۴۵ء
کیمیائی فعلیات	۱۹۳۵ء
ہندسہ تحلیلی	۱۹۳۹ء
امراض چشم	۱۹۴۱ء
طبیعی کیمیا	۱۹۳۴ء
علم کیمیا	۱۹۴۷ء
علم ہندسہ مستوی	۱۹۴۶ء
طبیعی مناظر	۱۹۳۹ء
ترسیمات و مساوات	۱۹۳۱ء
طبیعات عملی	۱۹۲۰ء
علم مثلث مستوی	۱۹۲۴ء
علم مثلث تحلیلی	۱۹۲۲ء
مبادی نباتیات	۱۹۲۲ء
تشریح اناٹمی	۱۹۳۴ء
طبیعات	۱۹۲۰ء
کیمیا	۱۹۳۶ء
عملی نامیاتی کیمیا	۱۹۳۱ء
ہندسی مخروطات	۱۹۳۰ء
عملی تشریح	۱۹۳۴ء
رسالہ طبیعات عملی	۱۹۲۰ء
تجربی فعلیات	۱۹۴۱ء
ہسٹیالوجی یعنی نسیجیات	۱۹۳۱ء
غیر نامیاتی کیمیا	۱۹۲۸ء
طبیعات حرکت	۱۹۲۸ء

علم نباتات ۱۹۳۸ء
تفرقی و تکمل احصا ۱۹۳۸ء
طب قانون و سمومیات ۱۹۳۷ء
مصطلحاتِ طب ۱۹۳۸ء
ترقیات ریاضی و سائنس ۱۹۳۷ء
اصطلاحات ریاضیات ۱۹۳۸ء
عمل طب ۱۹۳۵ء
مساحت ۱۹۳۹ء
علم ہیئت ۱۹۳۰ء
کیمیا برائے انٹرمیڈیٹ ۱۹۳۴ء
ماسکونیات ۱۹۳۱ء
جراحی اطلاقی تشریح ۱۹۳۷ء
ابتدائی حیوانیات ۱۹۲۹ء
عملی کیمیا ۱۹۲۵ء
مقدمہ مابعد الطبیعات ۱۹۳۱ء
علم الاولادت ۱۹۳۷ء
علم ہندسہ مستوی ۱۹۳۶ء
علم ہیئت کروی ۱۹۲۳ء
کیمیا ۱۹۲۲ء
طبیعات عملی ۱۹۲۴ء
علم ہندسہ نظری ۱۹۳۷ء
علم امراض النساء ۱۹۳۹ء
حرارتی انجنوں کا نظریہ ۱۹۳۸ء

مخروطی تراشیں ۱۹۳۱ء

متفرقات

بھوگ بل
بھگوت گیتا ۱۵۹۱ء
معالجات خواجہ بندہ نواز ۱۶۸۱ء
مجربات اکبری ۱۷۹۱ء
رسالۂ علم طب ۱۷۸۵ء
رسالۂ گرہن ۱۷۸۵ء
مجرباتِ طب ۱۷۸۵ء
مجرب التحقیقات ۱۷۸۵ء
ترجمہ طب شہابی ۱۷۸۵ء
مفرح القلوب ۱۷۸۳ء
فرس نامہ ۱۷۹۵ء
خوانِ نعمت ۱۸۰۲ء
دلدل نواز نامہ ۱۸۰۶ء
رسالہ علم ہیئت ۱۸۱۳ء
دائرہ ہندسہ ۱۸۱۶ء
پائزنس (زہر) ۱۸۲۰ء
خنگ نواز نامہ ۱۸۲۸ء
ہوا ۱۸۲۹ء
مجموعۂ مسائل سائنس ۱۸۳۰ء
کتاب ادویات ۱۸۳۰ء
بیان سانپ کے بکھ کا ۱۸۳۱ء

تپ اور اسہال کے علاج کا رسالہ	۱۸۳۱ء
راگ راگنی	۱۸۳۲ء
ترجمہ یادگار رضائی	۱۸۳۳ء
پراکٹیکل فارمیسی	۱۸۳۴ء
فن جراحت	۱۸۳۴ء
خلاصۂ علم الارض	۱۸۴۰ء
رسالۂ علم حساب	۱۸۴۲ء
مجموعۂ شمسی	۱۸۴۳ء
دولت ہند	۱۸۴۵ء
لخلخہ	۱۸۴۸ء
تکملۂ لخلخہ	۱۸۸۳ء
طب	۱۸۵۱ء
قطاع	۱۸۶۱ء
رسالۂ قارورہ	۱۹۵۷ء
رسالۂ ترکیب گھڑیال	۱۸۶۴ء
اصول طبابت	۱۸۶۱ء
عجائبات مخلوقات	۱۸۶۹ء
علم ہیئت	۱۸۷۲ء
مجمع الفنون (فن کہربائی)	۱۸۷۲ء
رسالۂ خواب	۱۸۷۳ء
توصیف زراعت	۱۸۷۵ء
فن کہربائی	۱۸۷۶ء
اعجاز الہیئت	۱۸۷۷ء
فن حکمت	۱۸۸۱ء
دائرۂ علم	۱۸۶۸ء
حقائق الموجودات	۱۸۵۸ء
تسہیل فی جر ثقیل	۱۸۴۳ء
میڈیکل جیورس پروڈنس	۱۸۹۲ء
تسکین الانفس	۱۸۹۱ء
نسخۂ کیمیا	۱۸۸۴ء
مفتاح التعبیرات	۱۸۷۸ء
تیسیر العمل	۱۸۶۶ء
تشریق نسبت تام بانجام مرام	۱۸۶۶ء
تعمیر محمود بحصول مقصود	۱۸۶۶ء
اصول جر ثقیل	۱۸۶۵ء
دولی لغات	۱۹۰۰ء
کتاب حساب	۱۸۷۲ء
تحفۃ الاحباب	۱۸۵۳ء
انتخاب منتہی الحساب	۱۸۸۰ء
علوم طبیعۂ شرقی کی ابجد	۱۹۰۰ء
جغرافیۂ طبیعی حصہ اول	۱۸۹۰ء
اصول طبابت	۱۸۶۰ء
میٹریا میڈیکا	۱۹۰۰ء
کمسٹری یعنی رسالہ علم کیمیاگری	۱۸۸۴ء
مبادی علم جیولوجی	۱۸۸۳ء
اصول حکمت	۱۸۸۱ء

زبدۃ الحساب ۱۸۸۹ء
مفتاح الارض ۱۸۷۱ء
رسالۂ جراحی ۱۸۷۱ء
مظہر المضامین ۱۸۷۰ء
رسالۂ علم طبیعات ۱۸۷۰ء
دستور النسّار ۱۸۶۸ء

معالجات احسانی ۱۸۶۹ء
قانونِ ستار ۱۸۷۳ء
رسالہ مبدأ العلوم ۱۸۷۰ء
رسالۂ طب ۱۸۷۰ء
رسالۂ فیض عام در علم ریاضی ۱۸۷۳ء
تحریر اقلیدس حصۂ اوّل و دوم ۷۳ء

ضمیمہ ۳

کتابیات

نام کتاب	مصنف	مطبع ناشر	سن طباعت
اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد	غلام رسول	کتاب منزل لاہور	۱۹۶۰ء
احکام و کاغذات متعلقہ قیام جامعہ عثمانیہ	مرتب حمید احمد انصاری رجسٹرار جامعہ عثمانیہ	دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد	درج نہیں
آخری مضامین	مرتبہ محمد امام الدین گجراتی	رفاہ عام پریس لاہور	۱۸۹۸ء
اردو میں سائنس کے قدیم ترین کارنامے	خواجہ حمید الدین شاہد	ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد	۱۹۵۷ء
اردو میں سائنسی ادب	خواجہ حمید الدین شاہد	ایوان اردو کتاب گھر ناظم آباد کراچی	۱۹۶۹ء
اردو کا بہترین انشائی ادب	مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی	استقلال پریس لاہور	۱۹۶۴ء
اردو کے اسالیب بیان	محی الدین قادری زور	مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی حیدر آباد	۱۹۲۷ء
اردو میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ	مولوی ڈاکٹر عبد الحق	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	۱۹۴۹ء
افکار سلیم (سلیم)	مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی	حالی اکیڈمی پانی پت	۱۹۳۸ء
افکار عبد الحق	آمنہ صدیقی	موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۷۹ء
التماس بخدمت ساکنان ہندوستان در باب ترقی تعلیم اہل ہند	سر سید	پرائیویٹ پریس غازی پور	۱۸۶۳ء
امجد علی شاہ	سبط محمد نقوی	سرفراز قومی پریس لکھنؤ	۱۹۷۶ء
انگریزی عہد میں مسلمانوں کے تمدن کی تعلیم	عبد اللہ یوسف علی	ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد	۱۹۳۶ء
انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم (لینگر)	ترجمہ غلام رسول مہر	شیخ غلام پبلشرز لاہور	۱۸۴۴ء
اعظم الامراء ارسطو جاہ بہادر	عبد المجید صدیقی	مطبوعہ کراچی پاکستان	۱۹۶۳ء
اصطلاحات جغرافیہ	ابرار حسین قادری	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی	۱۹۴۲ء
انجمن پنجاب: تاریخ و خدمات	صفیہ بانو	کفایت اکیڈمی کراچی	۱۹۷۸ء
بیگمات اودھ	شیخ تصدق حسین	کتاب نگر دین دیال روڈ لکھنؤ	۱۹۵۶ء
تبیین فی جر ثقیل	سر سید احمد خاں	آرفن پریس آگرہ	۱۸۴۴ء
تذکرہ مولوی ذکاء اللہ	مرتبہ ضیاء الدین احمد برنی	تعلیمی مرکز کراچی	۱۹۵۷ء
تاریخ اودھ حصہ اول	مولوی نجم الغنی خاں رامپوری	مطبع نول کشور لکھنؤ	۱۹۱۹ء
تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ	امجد علی خاں	واجد علی اکادمی لکھنؤ	۱۹۷۸ء

نام کتاب	مصنف	مطبع ناشر	سن طباعت
تذکرہ اہل دہلی	سرسید احمد خاں	انجمن ترقی اردو پاکستان	۱۹۵۵ء
تاریخ ریاست حیدرآباد دکن	محمد نجم الغنی خاں	مطبع نول کشور لکھنؤ	۱۹۳۰ء
تاریخ حیدرآباد حصہ دوم	محمد نجم الغنی خاں	مطبع نول کشور لکھنؤ	۱۹۳۰ء
تاریخ ادب اردو	ترجمہ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ	رام کمار پریس لکھنؤ	۱۹۵۴ء
تاریخ ادب اردو	ادارہ ادبیات اردو	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن	۱۹۵۳ء
تاریخ صحافت اردو	امداد صابری	سوبھاش بک ڈپو دہلی	۱۹۵۳ء
تاریخ نثر اردو	احسن مارہروی	مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ	۱۹۳۰ء
تذکرہ شہر اورنگ آباد	سردار علی	شمس الاسلام پریس حیدرآباد	۱۹۲۶ء
تاریخ دکن	ہارون خاں شروانی	شمس المطابع حیدرآباد	۴۴ ف
تاریخ خورشید جاہی	غلام امام خاں ترین	مطبع خورشیدیہ حیدرآباد	۱۸۸۰ء
تاریخ طرز معاشرت ہند و انگلستان	محمد تراب علی	مطبع عالیجاہ لشکر گوالیار	۱۸۹۳ء
تاریخ تہذیب (برنٹن)	ترجمہ غلام رسول مہر	شیخ غلام علی پبلشرز لاہور	۱۹۶۵ء
تمدن ہند پر اسلامی اثرات (تارا چند)	ترجمہ وحید مرزا	مجلس ترقی ادب لاہور	۱۹۶۴ء
تعلیم ہندوستان مسلم عہد حکومت میں (ایس ایم جعفر)	ترجمہ سعید انصاری	ترقی اردو بیورو نئی دہلی	۱۹۸۰ء
چند ہم عصر	مولوی عبدالحق	انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ	۱۹۵۷ء
چراغ رہگذر	پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	جمال پرنٹنگ پریس دہلی	۱۹۷۴ء
حیدرآباد کے ادیب	زینت ساجدہ	آندھرا پردیش اکادمی حیدرآباد	۱۹۶۲ء
حیات جاوید (حالی)	تلخیص بہار الہ آبادی	تاج پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۷۰ء
حیدرآباد کی تعلیمی ترقی گذشتہ ربع صدی میں	عبدالقادر سروری	مطبوعہ حیدرآباد	۱۹۴۴ء
حیات جاوید	الطاف حسین حالی	پنجاب اکیڈمی لاہور	۱۹۵۷ء
حیات شبلی	مولانا سلیمان ندوی	دارالمصنفین اعظم گڑھ	درج نہیں
خطبات عبدالحق	مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی	انجمن ترقی اردو پاکستان	۱۹۵۲ء

نام کتاب	مصنف	مطبع ناشر	سن طباعت
خطبات گارساں دتاسی (۳)	انجمن ترقی اردو	انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد	۱۹۵۳ء
خدنگ غدر	معین الدین حسین خاں	شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی	۱۸۸۷ء
خطوط سرسید	مرتبہ سید راس مسعود	نظامی پریس بدایوں	۱۹۳۵ء
دکنی ادب کی تاریخ	محی الدین قادری زور	میٹرو آفسٹ پریس دہلی	۱۹۵۸ء
دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ	سید ابوالاعلیٰ مودودی	علی شبر حاتمی و محمد اقبال حیدر آباد	۱۹۴۱ء
داستان ادب حیدر آباد	محی الدین قادری زور	سب رس کتاب گھر حیدر آباد	۱۹۵۱ء
داستان آصفیہ	مانک راؤ وٹھل راؤ	مطبع نور الاسلام حیدر آباد	۱۹۱۹ء
دہلی اور اس کے اطراف	مولانا سید عبدالحق	کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی	۱۹۵۸ء
داستان تاریخ اردو	حامد حسن قادری	لکشمی نرائن اگروال آگرہ	۱۹۵۰ء
دکنی کلچر	نصیر الدین ہاشمی	مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور	۱۹۶۳ء
دنیا کی کہانی	محمد مجیب	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱۹۵۶ء
دکن کی سیاسی تاریخ	سید ابوالاعلیٰ مودودی	دار الاشاعت سیاسیہ حیدر آباد	۱۹۴۴ء
رسالہ اسباب بغاوت ہند	مرتبہ ابواللیث صدیقی	اردو اکیڈمی سندھ کراچی	۱۹۵۷ء
رسالہ علم فلاحت	سر ولیم اسٹو میرس	انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ	۱۸۶۹ء
رسالہ خیر خواہان مسلمان	سرسید	مفید پریس میرٹھ	۱۹۶۰ء
سرسید کی ادبی خدمات اور ہندوستانی نشاۃ ثانیہ	قدسیہ خاتون	کتابستان ۳۰ چک الہ آباد	۱۹۸۱ء
سرسید احمد خاں ایک سیاسی مطالعہ	عتیق صدیقی	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	۱۹۷۷ء
سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء کی نثر	ڈاکٹر سید عبداللہ	یونین پرنٹنگ پریس دہلی	۱۹۶۰ء
سرسید احمد خاں (انتخاب)	ترجمہ اصغر عباس	پبلیکیشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی	[illegible]
سرسید احمد خاں اور ان کی معنویت موجودہ دور میں	عبداللطیف اعظمی	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱۹۷۷ء
سرسید احمد خاں (حالات و افکار)	مولوی عبدالحق	اردو مرکز اردو بازار دہلی	۱۹۶۰ء
سائنٹفک سوسائٹی نشاۃ ثانیہ	خلیق احمد نظامی	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۱۹۶۶ء

نام کتاب	مصنّف	مطبع ناشر	سنِ طباعت
سوانحات سلاطینِ اودھ	سید محمد میر	مطبع منشی نول کشور لکھنؤ	۱۸۹۶ء
سخنورانِ دکن	تسکین عابدی	برقی پریس حیدرآباد	۱۹۳۸ء
شاہانِ اودھ کے کتب خانے (ڈاکٹر اسپرنگر)	مرتبہ محمد اکرم چغتائی	انجمن ترقی اردو پاکستان	۱۹۷۳ء
عہدِ عثمانی میں اُردو کی ترقی	محی الدین قادری زورؔ	اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد	۱۹۳۴ء
عربوں کا تمدن	ترجمہ نذیر نیازی	مطبع جامعہ ملّیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی	۱۹۲۷ء
عہدِ آصفی کی قدیم تعلیم	نصیر الدین ہاشمی	مطبوعہ حیدرآباد	۱۹۵۷ء
عظمت الساعت	نورالدین خاں عظمت جنگ	مطبع سنگی شمس الامراء حیدرآباد	۱۸۵۴ء
علی گڑھ تحریک آغاز تا امروز	مرتبہ نسیم قریشی	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۱۹۶۰ء
غالبؔ اور حیدرآباد	ضیاء الدین شکیب	ادبی ٹرسٹ حیدرآباد	۱۹۶۹ء
فرخندۂ بنیاد حیدرآباد	محی الدین قادری زورؔ	سب رس کتاب گھر حیدرآباد	۱۹۵۲ء
فرہنگِ اصطلاحاتِ پیشہ وراں (مکمل سیٹ)	ظفر الرحمٰن دہلوی	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی	۱۹۴۰/۴۴ء
قرونِ وسطیٰ میں ہندوستان کی تہذیب	منشی پریم چند	ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد	۱۹۳۱ء
قدیم دلی کالج	مالک رام	کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی	۱۹۷۶ء
کیمیائے سعادت	سرسیّد احمد خاں	انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ	۱۸۸۳ء
گلدستۂ عرفان	محمد جمال الدین متخلص	مطبع احمدی حیدرآباد	۱۸۹۳ء
گنجینۂ آصفیہ	غلام سیّد محمد خاں	مطبع فیض حیدرآباد	۱۸۸۳ء
گذشتہ لکھنؤ	مولانا عبدالحلیم شررؔ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱۹۷۱ء
گلزارِ آصفیہ	خواجہ غلام حسین	مطبع سنگی شمس الامراء حیدرآباد	۱۸۴۳/۴۴ء
مسلمانوں کے سیاسی افکار	پروفیسر رشید احمد	ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور	۱۹۶۱ء
مرحوم دہلی کالج	مولوی عبدالحق	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی	۱۹۴۵ء
ماسٹر رام چندر	صدیق الرحمٰن قدوائی	شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی	۱۹۶۱ء
ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقاء میں ان کا حصّہ	سیدہ جعفر	انتخاب پریس حیدرآباد	۱۹۶۰ء

نام کتاب	مصنّف	مطبع ناشر	سن طباعت
مقالاتِ گارساں دتاسی (۱)	دتاسی	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی	۱۹۴۳ء
مشرق کو مغرب سے ملنا ہی پڑے گا (بجمن براؤن)	ترجمہ ہاشمی فریدآبادی	شیخ غلام علی پبلشرز لاہور	۱۹۶۲ء
مکالماتِ سائنس	نصیر احمد عثمانی	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی	۱۹۴۰ء
مقدمات الطبیعات	مرزا مہدی خاں کوکب	رفاہِ عام اسٹیم پریس لاہور	۱۹۱۵ء
مقالاتِ سرسید	مرتبہ محمد عبداللہ خویشگی	نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ	۱۹۵۲ء
مغربی تصانیف کے اردو تراجم	مولوی میر حسن	مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس حیدرآباد	۱۹۳۹ء
مقالاتِ گارساں دتاسی (۲)	مرتبہ انجمن ترقی اردو	انجمن ترقیِ اُردو (ہند) دہلی	۱۹۴۳ء
مکاتیب سرسید احمد خاں	مرتّبہ مشتاق حسین	فرینڈ بک ہاؤس علی گڑھ	۱۹۶۰ء
مکتوبات سرسید احمد خاں	سیّد عابد علی عابد	مجلس ترقیِ ادب، لاہور	۱۹۵۹ء
مجموعۂ لکچر ہائے سرسید	مرتبہ منشی سراج الدین	بلالی پریس ساڈھورہ	۱۸۹۲ء
مسلمانوں کا روشن مستقبل	سیّد طفیل احمد	کتب خانہ رشیدیہ، دہلی	۱۹۴۵ء
مکتوبات سرسید	مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی	مجلس ترقیِ ادب لاہور	۱۹۵۹ء
نظام تعلیمات (ضیاء)	مترجم احمد الدین مارہروی	رائے صاحب رام دیال اگروالا الٰہ آباد	۱۹۳۲ء
وحید الدین سلیم: حیات اور خدمات	منظر عبّاس نقوی	آرٹس فیکلٹی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۱۹۷۶ء
واجد علی شاہ	سیّد مسعود حسن رضوی	نامی پریس لکھنؤ	۱۹۷۷ء
وحید الدین سلیم: حیات اور کارنامے	منظر عبّاس نقوی	آرٹس فیکلٹی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۱۹۷۶ء
واقعات دار الحکومت دہلی	بشیر الدین احمد دہلوی	شمسی مشین پریس آگرہ	۱۹۱۹ء
وضع اصطلاحات	وحید الدین سلیم	انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی	۱۹۲۱ء
ہندوستانی کلچر کا ارتقاء	ڈاکٹر تاراچند	شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی	۱۹۶۰ء
ہندوستان کا قدیم تمدّن (بینی پرساد)	مترجم اصغر حسین	ہندوستانی اکیڈمی یوپی، الٰہ آباد	۱۹۵۰ء
ہمارے ہندوستانی مُسلمان (ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر)	ترجمہ صادق حسین	اقبال اکیڈمی لاہور	۱۹۴۴ء
ہندوستانی مسلمان آئینۂ ایام میں	ڈاکٹر عابد حسین	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	۱۹۶۶ء

نام کتاب	مصنف	مطبع ناشر	سن طباعت
ہندوستان میں چھاپہ خانہ (اے کے پرول کر) (آغاز و ابتدائی تاریخ)	ترجمہ ابن الحسین زیدی	ترقی اردو بورڈ دہلی	۱۹۷۹ء
ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت	مناظر احسن گیلانی	جمال پرنٹنگ پریس دہلی	۱۸۴۴ء
ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں	ابوالحسنات عبدالشکور	دارالمصنفین اعظم گڑھ	۱۹۲۲ء
یاد یار مہربان	پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	گلستان پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۷۵ء

کیٹلاگ وضاحتی فہرست تذکرے اور رپورٹیں وغیرہ

1. BLUMHARDT (J.F.), A. CATALOGUE OF HINDUSTANI MANUSCRIPTS IN THE LIBRARY OF BRITISH MUSEUM, LONDON : 1926.

2. BLUMHARDT (J.F.), A SUPPLEMENTARY CATALOGUE OF HINDUSTANI BOOKS IN THE LIBRARY OF BRITISH MUSEUM, LONDON.

3. CLASSIFIED LIST OF URDU, DEPARTMENT OF TRANSLATION AND PUBLICATION, OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD : 1952.

خواجہ حمیدالدین شاہد، اردو میں سائنسی ادب، ایوان اردو کتاب گھر ناظم آباد کراچی، ۱۹۶۹ء

عبداللہ المدوسی، مملکت حیدرآباد: ایک علمی، ادبی و ثقافتی تذکرہ، بہادر یار جنگ اکادمی کراچی، نومبر ۱۹۷۶ء

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (مرتب) اردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ، مقتدرہ قومی زبان کراچی، ۱۹۸۱ء

حامد اللہ ندوی (مرتب): فہرست مخطوطات کتب خانہ جامع مسجد بمبئی، بشکریہ نوائے ادب، بمبئی جنوری ۱۹۵۳ء

نصیرالدین ہاشمی (مرتب): کتب خانہ نواب سالار جنگ مرحوم کی اردو قلمی کتابوں کی فہرست، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۷ء

محی الدین قادری زور (مرتب): تذکرہ اردو مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، مطبوعہ حیدرآباد، جلد اول ۱۹۵۲ء

محی الدین قادری زور (مرتب): تذکرہ اردو مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، مطبوعہ حیدرآباد، جلد دوم ۱۹۵۱ء

محی الدین قادری زور (مرتب): تذکرہ اردو مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، مطبوعہ حیدرآباد، جلد سوم ۱۹۵۷ء

محی الدین قادری زور (مرتب): تذکرہ اردو مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، مطبوعہ حیدرآباد، جلد چہارم ۱۹۵۸ء

محی الدین قادری زور (مرتب): تذکرہ اردو مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، مطبوعہ حیدرآباد، جلد پنجم ۱۹۵۹ء

عبدالقادر سروری (مرتب): تفصیلی فہرست اردو مخطوطات، کتب خانہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۲۹ء

نصیر الدین ہاشمی (مرتب): اردو مخطوطات کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن، مطبوعہ حیدر آباد جلد اوّل ۱۹۶۱ء

نصیر الدین ہاشمی (مرتب): اردو مخطوطات کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن، مطبوعہ حیدر آباد جلد دوم ۱۹۶۱ء

غلام رسول، محمد اکبر الدین: فہرست مطبوعات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد جلد اوّل ۱۹۵۶ء

غلام رسوا، محمد اکبر الدین: فہرست مطبوعات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد جلد دوم ۱۹۵۹ء

غلام رسول، محمد اکبر الدین: فہرست مطبوعات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد جلد سوم ۱۹۶۳ء

مرتب	موضوع رپورٹ	اشاعت	تعداد صفحات
رچرڈ اینڈ سرما	کیڑوں سے پھل کا بچاؤ	ممالک متحدہ آگرہ و اودھ ۱۹۲۹ء	۱۶
خسرو شاہ نظامی	یورپ کی فتح فنی اعتبار سے	مطبع برقی حیدر آباد	۲۴
ظہور الحسن ناظم سیوہاری	ادارۂ علیہ	معین پریس حیدر آباد	۶

اخبار و رسائل

مؤلف/مرتب/ایڈیٹر	نام	مطبع و مقام	تاریخ اشاعت	کیفیت
عبدالرحمن، عبدالحق	مجموعۂ تحقیقات علمیہ کلیہ عثمانیہ (جلد ۱ تا جلد ۵)	مجلس تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد	۱۹۳۴ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں ح۳-۱۰۰ تا ۱۱۱ پر موجود ہے
غلام دستگیر	سالنامہ انجمن طلیسانین عثمانیہ	مطبع آفرین حیدرآباد	۱۹۴۳	ادارہ ادبیات میں ح۳-۳ پر موجود ہے
خواجہ احمد فاروقی	قدیم دہلی کالج نمبر (دلی کالج اردو میگزین)	دہلی کالج اجمیری گیٹ دہلی	۱۹۵۳ء	—
گوپی چند نارنگ	"دلی نمبر" دلی کالج اردو میگزین	دہلی کالج اجمیری گیٹ دہلی	۱۹۵۹ء	سینٹرل لائبریری دہلی یونیورسٹی
سر سید احمد خاں	اخبار سائنٹفک سوسائٹی یا انسٹی ٹیوٹ گزٹ	سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ مابعد علی گڑھ یونیورسٹی	۶۶ تا ۱۹۲۵ء	سر سید روم آزاد لائبریری علی گڑھ
ماسٹر رام چندر	فوائد الناظرین	دہلی اردو اخبار پریس دہلی	—	آزاد لائبریری علی گڑھ
سر سید احمد خاں	تہذیب الاخلاق	سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ	—	آزاد لائبریری علی گڑھ
ماسٹر رام چندر	خیر خواہ ہند (محب ہند)	دہلی کالج دہلی	—	آزاد لائبریری علی گڑھ
دھرم نرائن	قران السعدین	دہلی کالج دہلی	—	آزاد لائبریری علی گڑھ
—	اردو	انجمن ترقی اردو اورنگ آباد	اکتوبر ۵۲ تا ۱۹۲۲ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح۳-۱ تا ۲۰ پر موجود ہے
—	علی گڑھ نمبر علی گڑھ میگزین	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	جنوری ۱۹۳۹ء	آزاد لائبریری علی گڑھ
ارکان ادارت (مرتب)	حکیم دکن	مطبع ابراہیمیہ حیدرآباد	۱۳۴۷ ف	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح۳-۱۶۳ تا ۱۶۹
نامعلوم	مجلہ سائنس	سائنس کالج عثمانیہ یونیورسٹی	۳۶ تا ۱۹۴۰ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد
مجلس ادارت (مرتب)	سائنس	انتظامی پریس حیدرآباد	۵۲ تا ۱۹۴۳ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح۳-۲۵۰ تا ۲۵۲
مجلس ادارت (مرتب)	رسالہ طبابت	مطبع نواب مختار الملک حیدرآباد	۴۶ تا ۱۳۵۴ ف	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح۳-۳۴۵ پر موجود ہے
مجلس ادارت (مرتب)	سب رس	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد	۵۳ تا ۱۹۳۸ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح۳-۲۵۴-۲۵۶
مجلس ادارت (مرتب)	مجلۂ عثمانیہ	دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد	۳۱ تا ۱۹۲۷ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح۳-۲۵۳-۲۵۶
سید ممتاز علی	تالیف و اشاعت (پندرہ روزہ)	رفاہ عام پریس لاہور	۱۹۰۳ تا ۱۹۰۲ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح-۳-۱۱ تا ۱۵
محمد منیر الدین	زراعت (پندرہ روزہ)	مستند پریس حیدرآباد	۴۸ تا ۱۹۴۷ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح-۳
حکیم لئیق احمد	صحت نامہ (پندرہ روزہ)	اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد	۵۱ تا ۱۹۳۹ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ح۳-۲۲۳ تا ۲۲۵

مؤلف/مرتب/ایڈیٹر	نام	مطبع ومقام	تاریخ اشاعت	کیفیت
شاہ ابوالخیر	مجلّۂ نظامیہ	مطبع ابراہیمیہ حیدرآباد	۵۴ تا ۱۳۴۶ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ج-۳-۴۲۲ تا ۴۲۵
—	دبدبۂ آصفی (ہفتہ وار)	محبوب پریس حیدرآباد	۱۹۳۶ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ج-۳-۳۲
سید خورشید حسن	موٹر	مطبوعہ حیدرآباد	۱۹۵۰ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ج-۳-۶۹
محکمہ اطلاعات حیدرآباد	معلومات حیدرآباد	دار الطبع سرکارِ عالی حیدرآباد	۴۶ تا ۱۹۴۵ء	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ج-۳-۲۸ تا ۶۹
محمد اکبر علی	روزنامہ صحیفۂ ادب	روزنامہ صحیفۂ ادب حیدرآباد	۲ اگست ۱۹۱۸ء	—
محمد منظور حسین	—	روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد	۱۵ اکتوبر ۱۹۶۸ء	—
مولانا سعید احمد اکبرآبادی	ماہنامہ برہان	دار المصنفین اردو بازار دہلی	جون ۱۹۸۳ء	—
رشید احمد صدیقی	کلام آصف صابع	روزنامہ سیاست حیدرآباد	۱۹۷۶ء	خاص نمبر
محی الدین قادری زور	استاذ الاساتذہ حضرت فیض	رہبر دکن حیدرآباد	۱۳۵۶ء	سالگرہ نمبر
محی الدین قادری زور	اُستادِ کُل حضرت فیض کا زمانہ	شہاب حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۳۷ء	—
حامد اللہ ندوی	فہرست مخطوطات کتب خانہ جامع مسجد بمبئی	نوائے ادب بمبئی	جنوری ۱۹۵۳ء	—
عندلیب زہرا کاظمی	دکن میں اردو ادب کا ارتقاء	نوائے ادب بمبئی	اپریل ۱۹۶۸ء	—
—	روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد	(مضمون جامعہ عثمانیہ)	—	گولڈن جوبلی نمبر
—	روزنامہ صحیفۂ ادب حیدرآباد	(مضمون منشور خسروی)	۲۴ اگست ۱۹۱۷ء	—
—	روزنامہ صحیفۂ ادب حیدرآباد	—	۳ ستمبر ۱۹۱۷ء	—
احمد محی الدین	روزنامہ صحیفۂ ادب حیدرآباد	—	۱۸، ۱۹ جنوری ۱۹۳۲ء	—
محمد اکبر علی	روزنامہ صحیفۂ ادب حیدرآباد	—	۲۴، ۳، ۹ ستمبر ۱۹۱۷ء	—
محمد اکبر علی	روزنامہ صحیفۂ ادب حیدرآباد	—	۳۰ اکتوبر ۲۱ نومبر ۱۹ مئی ۲۳ جولائی ۳۱ اگست ۱۹۱۸ء	—
احمد محی الدین	روزنامہ صحیفۂ ادب حیدرآباد	—	۱۹ اگست ۱۹۵۵ء	—
عابد علی	روزنامہ سیاست حیدرآباد	—	۱۹ اگست ۱۹۵۵ء	—
محمد منظور حسین	روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد	—	۴ ستمبر ۱۹ دسمبر ۱۹۵۵ء	—
محمد منظور حسین	روزنامہ رہنمائے دکن حیدرآباد	—	۱۵، ۲۴ اگست ۱۹۵۵ء	—

60. Ramgopal, Indian Muslims : a political History, Bombay : 1959.

61. Regani, Sarojini. Nizam-British Relations. Hyderabad : Book lovers Pvt. Ltd., 1963.

62. Reginland, R. The white Sahibs in India. London : Martin Ltd., 1939.

63. Robbins, Lionel. Nature & Significance of Economic Science, London : Macmillan Co. 1935.

64. Shan Mohammad. The Aligarh Movement : Basic Documents, New Delhi : Meenakshi - Prakashan, 1978.

65. Shrivastava, A. Lal. The first two Nawabs of Awadh. Lucknow Upper India Pub., 1933.

66. Sollas, W.J. Ancient Hunters. New York : Macmillan Co., 1924.

67. Tarachand. History of Freedom Movement of India, Vol. I. Delhi : 1961.

68. Thomson (J.A. Introduction to Science. London : Thornton-Butterworth Ltd., 1939.

69. The Freedom Struggle in Hyderabad, Vol. I., Published by the Hyderabad State Committee, 1956.

70. Turner, E. Ralph. The Great Cultureal Traditions. New York : The McGraw-Hill, Co., 1941.

71. Warden, J.C. The Emergence of Human Culture. New York : Macmillan Co., 1936.

72. Watt, D.C. The History of the World in twentieth century, New York : Willian Morrow & Co., 1968.

73. Whorf, B.L. Science and Linguistics. The Science & Technology Review Vol. XLII, 1940.

74. Yazdami Ghulam, Bidar its History and Movements, London :1947.

हिन्दी विश्व-कोष, नागरी प्रचारिणी सभा, वाराणसी : १९६८

कन्हैया लाल मिश्र, उत्तर प्रदेश में स्वतंत्रता-संग्राम की एक झलक, लखनऊ : रामा प्रेस, १९७१

पंडित सुन्दर लाल, भारत में अंग्रेज़ी राज (भाग प्रथम) दिल्ली : प्रकाशन विभाग, भारत सरकार, १९६७

परिपूर्णा नन्द वर्मा, वाजिद अलीशाह और अवध राज का पतन, प्रयाग : सम्मेलन प्रेस, १९५९

राजेन्द्र पाण्डेय। अवध की लूट, वाराणसी : १९६६

---

40. Lucas, Samuel. Dacoitee in Excelsis or the spoliation of Oudh Lucknow : Pustak Kendra, 1971.

41. Madhava Rao, P.S. Eighteen Century Deccan. Bomaby : Popular Prakashan, 1963.

42. Maritain, J. Education at the Crossroads. New Haven : Yale Univ. Press, 1944.

43. Margenan, Henry. Contemporary Emphasis of Eastern intuitive and western philosophy. New York : Macmillan Co., 1947.

44. Majumdar, R.C. Glimpses of Bengal in the Nineteeth Centry. Calcutta : Elite Press, 1960.

45. Majumdar, R.C. The Mughal Empire, Bomaby : 1947.

46. Majumdar, R.C. Struggle for freedom, Bombay : 1st Edn., 1969.

47. Montagn, Ashey. The Origin & Development of man. U.S.A. : Thomas & Co., 1973.

48. Moore, A.C. Philosophy : East and West. Princeton : Univ. Press, 1944.

49. Mumtaz Moin. The Aligarh Movement, Karachi : Salman Academy, 1976.

50. Munshi, K.M. The End of an Era (Hyderabad Memories), Bombay : Bharatiya Vidya Bhawan, 1957.

51. Nastesan, G.A. Eminent Musalmans, Madras : 1926.

52. Nehru, Jawaharlal. The Discovery of India, London : Meridian Books Ltd., 1956.

53. Northrope, E.S.C. The meeting of East and West. New York : Macmillan Co., 1947.

54. Partington, J.R. Origin and Development of Applied Chemistry, New York : Arno Press, 1975.

55. Pchilpp, P.A. 'White Head's Philosophy of Science'. Evanston : Northwest Univ. 1941.

56. Pemble, John. The Raj, The Mutiny & the Kingdom of Oudh, London : Harvester Press, 1977.

57. Pfeiffer, E. The Emergence of man. New York : Harper & Row, 1972.

58. Phillip, Frank. Modern Science and its Philosophy. New York: Arno Press, 1975.

59. Ramananda, T. Memories of Hyderabad freedom struggle. Bombay : Popular Prakashan, 1967.

21. Fortescue, J.W. British Statesman of Greatwar Oxford : Oxford Univ. Press, 1911.

22. Fowler, W.S. The Development of Scientific Method, Oxford : Pergamon Press, 1962.

23. Grahm, G.F. The life and work of Syed Ahmad Khan, London : 1885.

24. Gribble, J.D.B. A History of Deccan, London : Luzac & Co., 1924.

25. Haldane, J.B.S. "The Argument From Animals to man'. London : Journal of Royal Anthropological Inst. Vol.26, 1956.

26. Haldane, J.B.S. Marxist Philosophy and Sciences, London : George Allen, 1939.

27. Hlavey, Elite. History of English people in Nineteenth Century London : Ernest Benn Ltd., 1949.

28. Hontagn, Ashey. 'Neanderthal and the modern type of man'. American Journal of Physical Anthropology, Vol. 10, 1952.

29. Hornele, A.F. Studies in the medicine of ancient India. Oxford Oxford Univ. Press, 1970.

30. Howell, F.C. 'The place of Neanderthal man in human evolution'. American Journal of Physical Anthropology, Vol. 9, 1952.

31. Jelinek, J. The pictorial Encyclopedia of Evolution of man. New York : Hemlyn pub. Group, 1975.

32. Johnston, W.H. Hegel's Science of Logic London : George Allen, 1929.

33. Kausar, Kabir. Secret Correspondence of Teepu Sultan. New Delhi : Light & Life Publishers, 1980.

34. Khan, Yusuf Hussain. Selected Documents from the Aligarh-Archives, New Delhi : Asia Pub. House, 1967.

35. Khan, Yusuf Husain. Nizamul-Mulk Asafjah-I. Mangalore : The Basel Mission Press, 1936.

36. Khan, S.A. Sources for the History of British India, New Delhi : Cosmo Publishers, 1978.

37. Kuchohn, Clyde. The concept of Culture in the Science of man in world crisis. New York : Columbia Press, 1945.

38. Lawrence, M.R. Nuclear Proliferation Phase-II, New York : Univ. Press, 1934.

39. Lindsay, A.D. Religion, Science & Society in Modern World, New York : Yale Univ. Press, 1943.

BOOKS AND ARTICLES

1. Ahmad, M. Tufail. Tarikh Badshah Begum, Delhi : Idara-i-Adabiyat, 1938.

2. American Association. Science, Language and Human Rights. Philadalphia : Univ. of Pennsylvania Press, 1952.

3. Andrews, C.F. Zakaullah of Delhi, Lahore : Universal Books Co., 1976.

4. Azad, Abulkalam. India wins Freedom, London : Longman & Co., 1959.

5. Basu, Purnendu. Oudh and the East India Company, Lucknow : Maxwell & Co., 1943.

6. Bhangarkar, R.G. Early History of Dekkan, Varanasi : Bhartiya Publishing House, 1975.

7. Bilgrami, S.A.A. Landmarks of Deccan, Hyderabad : Govt. Central Press, 1927.

8. Brothwell, R. 'Where and when did man become wise?' Science Journal Vol. 24, 1963.

9. Burg, H.G. The Nizam, London : Spondsonwood & Co.

10. Burr, H.S. Proceedings of National Academy of Sciences. Vol. 25, 1939.

11. Camara, J.M. History and structure of Languages, Chicago : Chicago Univ. Press, 1972.

12. Campbell, B. Human evolution. Chicago : Aldie Co., 1966.

13. Chaudhary, N.C. British relations with Hyderabad, Calcutta : Univ. Press, 1964.

14. Chatterjee, T. The Road to Plassey. Orient Longman's 1960.

15. Cunes, E. Science and History, London : Cassell & Co. Ltd.,1963.

16. David, P. The evolution of Man. New York : Funk & Walls, 1970.

17. Edwardes, Michael. The Orchid House, London : Cassell Pub. Co., 1960.

18. Elliott, Dave. The Politics of Nuclear Power London : Plato Press, 1978.

19. Frank, P. Modern Science and its Philosophy, Cambridge : Harvard Univ. Press, 1949.

20. Frank, L.K.'Man's multidimentaional environment Scientific Monthly Vol. LVI, 1943.

19. A Dictionary of Applied Physics, Gzazebrook (S.R.), New York : Peter Smith, 1950.

20. A Dictionary of Botany, Usher (G.), London: Constable & Co., 1967.

21. A Dictionary of Indian Agriculture, Kamath (M.G.), Calcutta : Allied Publishers, 1972.

22. A Dictionary of Zoology, Leftwich (A.W.), London : Constable & Co., 1967.

23. Astronomical Dictionary, Kleczek (J.), New York : Academy of Sciences, 1961.

24. Chemical Synonyms and Trade Names, Gardner (L.N.), London : CRC Press, 1968.

25. Dictionary of Scientific terms, henderson (I.F.), London : Oliver & Co., 1949.

26. Dictionary of Genetics, King (R.C.), New York : Oxford Univ. Press, 1974.

27. Dictionary of Economic Plants, Upholf (J.C.), New York : Hafner Pub. Co. 1959.

28. Hendersons Dictionary of Biological terms, Kenneth (J.H.), London : Longmans Group Ltd., 1976.

29. International Dictionary of Metallurgy etc., Schwicker (A.C.), New York : McGraw-Hill Book Co., 1970.

30. The Dictionary of Biological Sciences, Peter (G.), New York : Reinhold Book Co., 1967.

31. The Illustrated Library of Natural Sciences, Weyer (E.M.), New York : Simon & Co., 1958.

32. Hand Book of Chemistry and Physics, Weast (R.C.), London : CRC Press, 1973.

33. A Source Book of Biological Names and terms, Jaeger (E.C.), U.S.A. : Charles Publishers, 1959.

34. Bioscientific Terminology, Ayers (D.M.), Tucson : The Univ. of Arizona Press, 1972.

35. Hand Book of Analytical Chemistry, Meites (L.), New York : McGraw-Hill Book Co., 1963.

36. A History of Technology, Holmyard (C.S.), Oxford : Clarendon Press, 1957.

37. Collegiate Dictionary of Botany, Swart (B.), New York : The Ronald Press, 1971.

38. Science Dictionary, Michael (C.), New York : Franklin Watts Co., 1969.

39. Science in Farming, The Year Book Committee, Washington : The U.S. Govt. Press, 1947.

40. Scientific thoughts, Harre (R.), Oxford : Clarendon Press, 1969.
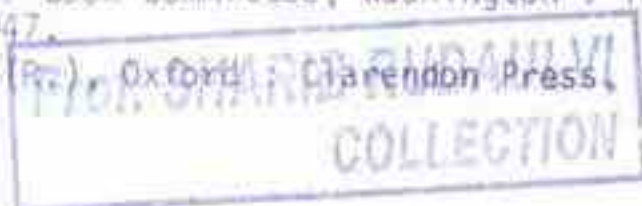
BIBLIOGRAPHY

ENCYCLOPEDIAE AND DICTIONARIES

1. Encyclopedia Americana (International Edition) Vol. 24, New York : Americana Corporation, 1970.

2. Encyclopedia Anthropology, David (E.), New York : Harper & Row Publishers, 1976.

3. Encyclopedia of Astronomy, Gilbert (E), London : The Hemlyn Publishing Group, 1973.

4. Encyclopaedia Britanica Vol. 20, Britinica Inc., Chicago : William Benton Publishers, 1971.

5. Encyclopedia of Biological Sciences, Gray (P), New York : Van N. Renhold Co., 1972.

6. Encyclopedia of Chemical Technology, Kirk & Wood (D.F.), New York : The Interscience Publishers, 1955.

7. Encyclopedia & Dictionary of Medicine & Nursing, Miller (B.F.) Philadelphia : W.B. Saunders Co., 1972.

8. Encyclopedia of Geochemistry, Fairbridge (R.W.), New York : Van N. Renhold Co., 1972.

9. Encyclopedia of Geological Sciences, Lapedes (D.N.), New York: McGraw-Hill Book Co., 1977.

10. Encyclopedia of Modern World Vol. I & II, Morris (I), New York : Harper & Row Publishers, 1967.

11. Encyclopedia of Rock Sciences & Minerals, Desson (A.F.), New York : Crown Publishers, 1979.

12. Collier's Encyclopedia, Chicago : William Benton Publishers, 1971.

13. Columbia Viking Desk Encyclopedia, New York : The Vicking Press, 1953.

14. Grzimek's Animal Life Encyclopedia, Gizimek (H.C.), New York : Van N. Reinhold Co., 1969.

15. Grolier' s Encyclopedia Vol. 17th & 18th, New York : The Grolier Incorporation, 1961.

16. The New Book of Knowledge, New York : Grolier Incorporation, 1970.

17. The Oxford Encyclopedia of trees of the World, Hora (B.) New York : Oxford Univ. Press, 1980.

18. The New Caxton Encyclopedia, London : The Caxton Publishing Co., 1973.

اُردو میں سائنسی و تکنیکی ادب کا یہ پہلا سیر حاصل مطالعہ ہے جس سے زبان و ادب کے ارتقا کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے اور غور و فکر کے لیے نئی راہیں روشن ہوتی ہیں۔ اس سے یہ عام غلط فہمی بھی دور ہوتی ہے کہ اُردو کا سرمایہ زیادہ تر عشقیہ شاعری تک ہی محدود رہا ہے۔ اس مقالے سے ثابت ہوتا ہے کہ اُردو "محبت کی زبان" ہونے کے ساتھ ساتھ "علم و آگہی کی زبان" بھی رہی ہے۔

مادری زبان کے ذریعے سائنس کی تعلیم کے سلسلے میں آج متعدد مسائل ہیں اور اکثر تان آکر یہاں ٹوٹتی ہے کہ اُردو سائنسی مضامین کی تدریس کے لیے ناقص ہے۔ یہ بحث اب تک محض شخصی اندازوں اور قیاس آرائیوں پر مبنی تھی۔ ڈاکٹر محمد شکیل نے اپنے مقالے کے ذریعے پہلی بار اس موضوع پر صحیح معنوں میں واقفیت بہم پہنچائی ہے جس سے اُمید کی جاتی ہے کہ اب اس مسئلے کا حل محض اُردو دوستی کے جذبے یا شکست کے سہارے نہیں بلکہ واقفیت کی بنا پر تلاش کیا جا سکتا ہے۔

اتنے اہم کام کے لیے اُردو پر دسترس کے ساتھ ساتھ سائنس کا مناسب مطالعہ بھی لازم تھا۔ مصنف نے سائنس کی اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اُردو میں تحقیق کے لیے یہ موضوع منتخب کیا اور نامعلوم گوشوں میں کھوئے ہوئے مخطوطات و مطبوعات تلاش کر کے جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں ان کا تجزیہ کیا ہے۔ مقالے کا موضوع ادق ہونے کے باوجود ان کے انداز تحریر کی بدولت سہل ہو گیا ہے۔ اس کی اشاعت اُردو میں یقیناً ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔

پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی

چیئرمین
ہندستانی زبانوں کا مرکز
جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

SAIYID HAMID
Former Vice-Chancellor
Aligarh Muslim University
Adviser to the President
Institute of History of Medicine
and Medical Research and
Indian Institute of Islamic Studies

HAMDARD NAGAR
NEW DELHI-110062
Phones : 6434119
6439688

Ref. No. ______________ Dated ________

محترمی و مکرمی شکیل صاحب، سلام و نیاز

میں خوش ہوں کہ آپ کا تحقیقی مقالہ میری نظر سے گذرا۔ بڑی خوشگوار حیرت ہوئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ آپ نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے تو اس میں نہ مروت کو دخل ہوگا، نہ مبالغہ کو۔ جن ابواب میں آپ نے مقالہ کو تقسیم کیا ہے وہ خود موضوع پر آپ کی گرفت کے آئینہ دار ہیں۔ میں خود کو اُردو کا حاشیہ نشین سمجھتا رہا ہوں، اور اس کے متعلق معلومات میرے کانوں میں پڑتی رہی ہیں لیکن آپ کا مقالہ پڑھ کر مجھے اپنی بے خبری کا شدید احساس ہوا۔ یہ اعتراف کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہ شمس الاُمراء کے ادارہ سے میں ناواقف تھا، اور شاہانِ اودھ نے جو سائنسی کام اُردو کی جھولی میں ڈالا ہے اُس کی بھی مجھے خبر نہ تھی۔ آپ نے تحقیقی مقالہ کی سطح عام تحقیقی مقالوں سے بالاتر ہے۔

طرزِ تحریر کی تعریف پر ان سطور کو ختم کروں گا۔ آپ کا اسلوب شگفتہ، سلیس اور رواں ہے۔ پڑھتے وقت اُس اُکتاہٹ سے سابقہ نہیں پڑتا جو اکثر خشک تحقیقی مضامین کو پڑھتے ہوئے دامنگیر ہو جاتی ہے۔

میں بے محابا اور بے تامّل اس اہم تحقیقی کام کے لیے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

والسلام
خیر اندیش

(سیّد حامد)